

فائنل کے پرفارمنس پر شرمیلی ہوئی

اچانک



Famous Urdu Novels

'Free pdf' Library

aanchalpk.com aanchalnovel.com



سرورق: انفرخان آرائش: روز بیوٹی پارلر عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

- | | | | | |
|-----|----------------------|-----|--------------|----------------|
| 298 | جویریہ یالک | 274 | یادگارالحی | حافظ شبیر احمد |
| 304 | شہلا عامر | 276 | آئینہ | میمونہ رفوان |
| 313 | شائلہ کاشف | 278 | ہم سے پوچھیے | طلعت آغاز |
| 317 | ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا | 283 | آپ کی صحت | روبین احمد |
| 321 | حناء احمد | 286 | گاکی باتیں | ایمان وقار |
| 000 | قارئین | 292 | کترینیں | ہما احمد |

روحانی مسائل کا حل

بیاض دل

دشمن مقابلہ

بیوٹی گائیڈ

نیرنگ خیال

دوست کا پیغام آئے

انکشاف

مکمل ناول

- | | | |
|-----|------------------|-----------------|
| 43 | رفعہ سراج | چراغ خانہ |
| 177 | نادیہ فاطمہ رضوی | دل ہار دیتے ہیں |

ناولٹ

- | | | |
|-----|--------------|-----------|
| 95 | نگہت عبداللہ | عشق نچایا |
| 199 | صدف آصف | عکس جاناں |

افسانے

- | | | |
|-----|-------------------|---------------------|
| 123 | طلعت نظامی | تومیر اشجر سایہ دار |
| 133 | سردہ انتہی جیلانی | افسانہ لہر |
| 239 | تمثیلہ زاہد | نیاسال |
| 243 | شیمم ناز صدیقی | سال نو کا عزم |
| 253 | سمیرا غریب صدیقی | موسم گلاب |
| 261 | صباح ترفیق چیمہ | عشق ہے صاحب |
| 272 | حراقہ قریشی | آدھی روٹی |

ابتدائیہ

- | | | |
|----|--------------------|------------|
| 14 | مدیرہ | سرگوشیاں |
| 15 | الطاف حسین حالی | جمہ |
| 15 | سیدہ ام الحسن زیدی | نعت |
| 16 | مدیرہ | در جواب آل |

دانش کدہ

- | | | |
|----|------------------|--------------|
| 21 | مشتاق احمد قریشی | السلام علیکم |
|----|------------------|--------------|

ہمارا آنچل

- | | | |
|----|------------|---------------------------|
| 25 | ملیحہ احمد | شازیہ چوہدری / نجمہ فردوس |
| | | آرزو چوہدری / سلمیٰ اقبال |

بھٹنوں کی عدالت

- | | | |
|----|-------|----------|
| 29 | ادارو | فاخرہ گل |
|----|-------|----------|

سرورق

- | | | |
|----|-------|-----------|
| 35 | ادارو | بیٹے لمحے |
|----|-------|-----------|

سلسلہ وار ناول

- | | | |
|-----|----------------|---------------------|
| 65 | راحت وفا | موا کی محبت |
| 137 | سمیرا شریف طور | ٹوٹا ہوا فانرا |
| 215 | نازکینول نازی | شب بھر کی پہلی بارش |

خط و کتابت: کاپیٹ: "م نچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کیے از مطبوعات نے آف پی بلی کیشنز۔ ای میل: info@aanchal.com.pk

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کتابت: 7-منیرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400



دفاق جاوید..... اسلام آباد
بیاری بہن رفاقت! سدا خوش رہو اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے زور قلم میں اور زیادہ کھار دے تاکہ آپ یونہی اپنی تحریروں سے قارئین کے دلوں پر حکمرانی کر سکیں اور مزید حساس موضوعات کو قلم بند کریں آپ کی طرف سے تحفہ کے طور پر دو خوب صورت کتابیں موصول ہوئیں ”بہاروں کی پت جھڑ میں“ اور ”پوین شاکر، جیسا میں نے دیکھا“ آپ چل کی لاہوری میں چار چاند لگا گئی اور آپ کی کتاب ”پوین شاکر“ پر جو ہے اس کو ہم اپنے نئے ماہنامہ حجاب میں شروع کر رہے آپ کی اجازت سے جس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ امید ہے کہ آپ جلد ہی اپنے ناول و افسانہ سے آچل و حجاب میں بھی بھللا لگیں۔

اقراء صغیر احمد..... کراچی
بیاری اقراء! سدا کھیں رہو آپ کی خوش دامن کی رحلت کی خبر جان کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم ہستی کا سایہ سر سے اٹھ جانا ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ ان نیک نجات میں آپ اور دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے اور مرحومہ کے درجات بلند فرما کر ان کو اعلیٰ علین میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

سیدہ فائزہ رازی..... گھڑی سیدان
ڈیر فائزہ! جیسی رہو آپ کی قلم کی اشاعت پر شکر کی ہرگز ضرورت نہیں آپ کی قلم اس معیار کی تھی تو ضرور شامل کر لی گئی آئندہ بھی آپ دیگر سلسلوں میں شرکت کر سکتی ہیں یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

شازیہ خان..... مظفر آباد
ڈیر شازیہ! سدا مسکراؤ آپ کی تحریر ”مہر مونے نہ“ اس بار بھی آپ کا مہر قائم رکھنے میں کامیاب ٹھہری۔ سماجی و معاشرتی حالات کی بھرپور عکاسی کرنی پڑیہ حقیقت کے از حد

قریب ہے اسی لیے ہماری منظور نظر ٹھہری لیکن اب ہمیں بھی آپ سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں سو بہتر سے بہترین کے لیے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہوئے وسیع مطالعہ کو اپنا شعار بنائیے اور اسی طرح کے موضوعات پر قلم آزمائی جاری رکھیے۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پر ڈیڑھروں مبارک باد۔

کے ایم نور المئثال..... کھڑیاں خاص، قصور
ڈیر نور! سدا سہاگن رہو شادی کے حوالے سے آپ کا نکتہ نظر بالکل درست ہے اور اس سلسلے میں آپ کا لکھا شعر بھی پسند آیا۔ بے شک مصروفیات بڑھ جاتی ہیں بہر حال آپ چل پھر بھی آپ کے زیر مطالعہ رہا جان کر اچھا لگا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس نئی زندگی میں اپنے سفر کے سنگ ابدی ودائی خوشیاں نصیب فرمائے پیغام شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

دخشی..... کلفتن، کراچی
عزیزی رشی! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”ایک تھی ستارہ“ کامیابی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ آپ نے کافی عرصہ بعد اپنے قلمی سفر کا پھر سے آغاز کیا ہے جان کر خوشی ہوئی۔ امید ہے آئندہ بھی اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آپ آچل کے سلسلوں میں شرکت کرنی رہیں گی البتہ آپ کی دوسری تحریر ”ہل ہے مرنا یہاں“ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے تحریر میں انفرادیت مفقود ہے اس بناء پر اس تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

نسیم مسعود..... کراچی
ڈیر نسیم! شاد کا باد رہو آپ کے خط میں آپ کی والدہ کی رحلت کی خبر سن کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم نعمت کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں کی ممتا اور شفقت کا آپ چل سر سے اٹھ جاتا ہے بے شک آپ سب کے لیے بڑا کرناک سا سانحہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔ آپ کی ایک تحریر تو ڈسمبر میں حجاب کے صفحات کی زینت بن چکی ہے باقی بھی جلد شامل اشاعت کر لیں گے۔

نظیر فاطمہ..... لاہور
ڈیر نظیر! جگ جگ جیو ”گھنا سایہ“ کے عنوان سے آپ

کی تحریر موصول ہوئی۔ خوب صورت الفاظ مضبوط پلاٹ عمدہ کردار نگاری اور مکالمہ نگاری کی بدولت آپ کی تحریر جاذب نظر ٹھہری۔ آپ کی تحریروں کے انچھوٹے موضوعات آپ کے نام کی طرح بے نظیر ہیں۔ امید ہے آپ آئندہ بھی اپنے قلم کا حق ادا کرتے قارئین کی اصلاح و رہبری کا فریضہ انجام دیتی رہیں گی اور اپنے قلم کی جوت سے بہت سی شمعیں روشن کرنے میں کامیاب ٹھہریں گی۔

مہر گل..... کراچی
بیاری مہر! اسم با سکی بن کر ہر طرف روشنیاں بکھیرتی رہو طویل عرصے کے بعد آپ کی جانب سے دو شمار موصول ہوئیں ”قیامت ہی تو ہے“ حساس موضوع پر آپ نے جس طرح قلم اٹھایا اور افسردہ دلوں کا کھٹکاس پڑھ کر اچھا لگا۔ البتہ آپ کی دوسری تحریر ”آزمائش“ شاید آپ نے آچل کے لیے نہیں لکھی تھی اس غلطی سے آچل میں بیچ دی۔ آپ کی پہلی تحریر جلد لگانے کی کوشش کریں گے امید ہے آپ بھی ان طویل مسافروں کو عبور کرتے نصف ملاقات کے لیے ذریعے بزم آچل میں جلوہ گر ہوتی رہیں گی۔

تمثیلہ زاہد..... کراچی
بیاری تمثیلہ! سدا مسکراؤ سب سے پہلے تو آپ کو پیارے سے بیٹے کی ممانے پر بہت بہت مبارک باد اللہ سبحان و تعالیٰ آپ دونوں کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور نصیب بلند کرے آمین۔ گھر اور بچوں کی مصروفیات میں سے آپ نے ہمارے لیے وقت نکالا ہے جدہ خوش ہوئی امید ہے آپ کا تعاون آئندہ بھی برقرار رہے گا۔ حجاب کے دروازے بھی آپ پر کھلے ہیں آپ کا افسانہ اس بار شامل اشاعت ہے۔

کائنات بشیر..... جومنی
ڈیر کائنات! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”آج کی رات بیا“ کے عنوان سے موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کا اندازہ تحریر اور موضوع دونوں ہی بہتر ہیں۔ اس لیے آپ کی تحریر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ امید ہے کہ آپ کا قلمی تعاون آئندہ بھی آچل کے سنگ رہے گا اور اسی طرح کے موضوعات کو آپ اپنے خوب صورت انداز بیان کے ذریعے قارئین کی اصلاح کے لیے استعمال کرتی رہیں گی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید کامیابی عطا فرمائے

لاریب انشال..... اوکاڑہ
عزیزی لاریب! جیسی رہو آپ چل کی جانب سے آپ کے لیے خوش خبری لیے حاضر ہیں آپ کی تحریر ”قربانی“ آپ کی پہچان بنانے میں کامیاب ٹھہری بہت جلد آپ کی تحریر آچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنائے گی لیکن اس کامیابی کے ساتھ ساتھ ابھی آپ کو مزید محنت کی بھی ضرورت ہے۔ اپنا مطالعہ وسیع کرتے ہوئے دیگر انٹرنیٹ تحریروں کا بغور مشاہدہ کریں اس سے آپ کے لکھنے کے انداز میں مزید پیشگی آئے گی اور موضوعات کے چناؤ میں انفرادیت کا پہلو بھی نمایاں ہوگا امید ہے یہ کامیابی آپ کے لیے بہت سی کامیابیوں کے دروازے کھول دے گی۔

نیلیم شہزادی..... سرگودھا
بیاری شہزادی نیلیم! بزم آچل کی ریاست میں خوش آمدید آپ کی تحریر ”چناؤ“ کا بے اختیار ہم بھی چناؤ کر بیٹھے خوب صورت انداز بیان، منفرد اسلوب اور تشبیہات اور الفاظ کا بر محل استعمال آپ نے بخوبی کیا ہے۔ سبکی وجہ سے کہ آپ کی تحریر کا حسن بڑھ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہرتی ہے۔ آپ اسی طرح قلمی تعاون برقرار رکھتے ہوئے اپنے قلم کا جادو چگانی رہیں اور اپنے پرکشش الفاظ کا فوں قارئین پر طاری کر کے انہیں سحر زدہ کرنے میں کامیاب رہیں۔

مونا شاہ قریشی..... کبیروالہ
ڈیر مونا! شاد کا باد رہو آپ نے جس حساس موضوع پر قلم اٹھایا اور عورت کے جذبات و احساسات اور اس کے سمجھوتہ کرنے کی عادت کو جس طرح اپنی تحریر ”بھجوتہ“ میں قلم بند کیا ہے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ موضوع اگرچہ پرانا ہے لیکن آپ کے انداز بیان کی پیشگی نے اس میں انفرادیت پیدا کر دی ہے اسی بناء پر آپ کی تحریر قابل قبول ٹھہری۔ امید ہے آپ آئندہ بھی اسی طرح کے موضوعات سے بھرپور انصاف کرتی جہاد با قلم کرتے قارئین کے ادبی ذوق کی تسکین کرتی رہیں گی پورہ دگا آپ کو بہت سی کامیابیوں سے نوازے آمین۔

زیبا حسن مخدوم..... سرگودھا
بیاری زہبی! سدا مسکراؤ آپ نے جس موضوع کو اپنے

لیے مختص کیا بہت خوب صورت اور عمدہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا موضوع چناؤ تو درست ہے لیکن انداز تحریر میں مزید محنت کی ضرورت ہے، بہر حال آپ کی یہ تحریر تراش خراش کے بعد آچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے کی لیکن آپ اس کامیابی سے اپنی محنت و لگن کا سلسلہ مزید تیز کر دیجئے۔ بہت جلد آپ اپنے لکھنے میں نمایاں فرق محسوس کریں گی، امید ہے ان باتوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی تحریروں میں مزید پیشگی لائیں گی۔

سیما بنت عاصم..... کراچی
ڈیر سیما! جگہ جگہ جو آپ کی تحریر ”من کا سب“ موصول ہوئی ہے جذبات و احساسات سے گندمی یا آپ کی تحریر جلد اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہرے گی۔ امید ہے آپ دیگر موضوعات پر بھی قلم کی روشنی سے بزم آچل میں شمعیں فروزاں کرتی رہیں گی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے سرفراز کرے آمین۔

مدیحہ شفیع..... بورہ والا
بیاری مدیحہ! جیتی رہو آپ کی تحریر اس بناء پر بھیکٹ نہیں کی جاتی کہ آپ کا تعلق کسی گاؤں یا چھوٹے شہر سے ہے بلکہ آپ کی تحریر ”ہم خوش ہوئے“ اس لیے نام ٹھہری کیونکہ آپ کا انداز تحریر بہت کمزور ہے، املا کی غلطی اور کردار نگاری بھی کمزور ہے لہذا ابھی آپ اپنے مطالعہ پر توجہ دیں ان شاء اللہ جلد بہتری آئے گی۔

ثناء ناز..... دجانہ
بیاری ثناء! جیتی رہو آپ کی تحریر ”مسافرتیں مہربان ہوئیں“ ہمیں موصول ہوئی ہے جلد ہی پڑھ کر آپ کو اس کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے اس لیے تھوڑا سا انتظار کیجئے۔

عالیہ توصیف..... نامعلوم
ڈیر عالیہ! اسدا خوش رہو آپ کی تحریر ”بہت دیر تک ٹھہال رہے“ فرمودہ رسوم و رواج کے خلاف آپ نے جس طرح اپنے قلم کے ذریعے علم بغاوت بلند کیا بہت اچھا لگا۔ اسی بنا پر آپ کی تحریر قابل قبول ٹھہری اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے قلم میں مزید پیشگی عطا فرمائے آمین۔

مدیحہ اکرم..... ہری پور
ڈیر مدیحہ! اسدا خوش رہو آپ کی نگارشات میں نام کی

جو غلطی ہوئی اور آئندہ اس بات کا خاص خیال رکھیں گے کہ آپ کا نام مدیحہ اکرم ہی اشاعت ہو۔ امید ہے کہ ناراضگی کے بادل چھٹ گئے ہوں گے اور دہری بات شکر کی تو اس کی قطعی ضرورت نہیں سی آپ بہنوں کا اپنا ماہنامہ ہے اور معیاری چیز اپنی جگہ خود بخود بنائی گئی ہے۔ آپ مزید بھی اپنی نگارشات ارسال کر سکتی ہیں۔

ثناء عرب سنی..... صوابی
بیاری ثناء! خوشیوں کی بہار اپنے دامن میں میٹھا اور پھولوں کی طرح مہکتی رہو۔ آپ کا شکایت سے بھرا خط موصول ہوا ہے شک لگے انہوں سے ہوتے ہیں لیکن اتنے بھی نہیں آپ کی نگارشات ہمیں اس وقت موصول ہوئی ہیں جب آپ آچل تکمیل پا کر آپ کے ہاتھوں میں آنے کے لیے بالکل تیار ہوتا ہے اس لیے آپ کی نگارشات اشاعت سے محروم ہو جاتی ہیں اس کے لیے آپ ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک اپنی نگارشات بعد آئندہ ارسال کر دیں تاکہ وہ شامل اشاعت ہو سکیں امید ہے کہ اب بیاری ثناء سنی ختم ہوگئی ہوگی۔

نورین لطیف..... توبہ ثبات سنگھ
بیاری نورین! پھولوں کی طرح مہکتی و سنکرائی رہو، حجاب بھی آپ کا اپنا ماہنامہ ہے رہی ہاں کہ غلط بیانی تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ ماہنامہ حجاب بھی ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو مارکیٹ میں جلوہ گر ہو جاتا ہے آپ اپنے ہا کر کے قلم میں یہ بات لے کر آئیں اور بزم سخن میں شامل ہونے کے لیے آپ کو کوہن ضرور ساتھ بھیجنا ہوگا تاکہ قرعہ اندازی میں آپ کا نام بھی شامل ہو سکے، اپنی اس انعامی سلسلے کے حوالے سے آپ بخوبی جانتی ہی ہوں گی۔ ناز ہے کچھ مصروفیات کی وجہ سے حجاب کے لیے نہیں لکھ پا رہیں لیکن جیسے ہی انہیں فراغت کے لمحات میسر آئے وہ آچل کی طرح حجاب میں بھی اپنی تحریر کے ساتھ جھللا لیں گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بھی خوش رکھے آمین۔

سیدہ سحر گیلانی..... ایبٹ آباد
ڈیر سحر! خوش رہو آپ کی تحریر ”رونی“ پڑھ ڈالی کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں نام ٹھہری غربت اور افلاس کے موضوع پر لکھی آپ کی یہ تحریر آپ کے کمزور انداز بیان کی وجہ سے رد کی گئی۔ آچل سے آپ کی محبت بجا ہے ہمیں آپ کے

پر خلوص جذبات کا بخوبی احساس ہے لیکن ابھی آپ مزید محنت و وسیع مطالعہ کی طرف غور کیجئے آپ آچل میں شرکت دیگر سلسلوں کے ذریعے کر سکتی ہیں۔ امید ہے اس ناکامی سے مایوس ہونے کے بجائے کوشش اور محنت جاری رکھیں گی۔

صبا الباقس..... گوجر خان
ڈیر صبا! ماہنامہ حجاب جیتی رہو آپ کی دونوں تحریروں آچل کے معیار پر پوری نہ اتر سکیں۔ ”میرے تخت جگر“ میں آپ کے جذبات و احساسات کا بھرپور اظہار اور سانچہ دہبر کے بچوں اور لائقین کے لیے گرانقدر جذبات قابل تحسین ہیں لیکن اس طرح صفحہ قرطاس پر پیش کرنے میں ناکامی کی وجہ آپ کے انداز تحریر کی کمزوری ہے آپ فی الحال کاغذ قلم سے عارضی رابطہ توڑ کر کتاب سے ناطہ جوڑ لیں اپنا مطالعہ وسیع کریں اپنی تحریروں کا دیگر بڑے رائٹرز کی تحاریر سے موازنہ کریں اس سے آپ کو بہتر لکھنے میں مدد ملے گی اور اپنی کمزوریوں کا ادراک بھی ہوگا آچل میں شرکت کے لیے آپ دیگر مستقل سلسلوں میں شمولیت اختیار کر سکتی ہیں۔

نفیسہ صدف..... گجرات
ڈیر نفیسہ! جیتی رہو آپ کی جانب سے اسم اعظم کی صورت میں افسانہ موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے لیکن جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ باعث تنازع ہے آپ موضوع کے چناؤ میں احتیاط سے کام لیں اور تحریر کی فوٹو اسٹیٹ اپنے پاس رکھیں، ہمیں اصل مسودہ ارسال کریں بصورت دیگر تحریر قابل قبول نہیں ہوگی۔

ایس چلیلی..... نور پور ٹمن
بیاری چلیلی! اسدا خوش رہو دعاؤں اور چاہتوں کی خوش بو میں بسا آپ کا نام موصول ہوا۔ آپ آچل میں شرکت کے لیے اجازت کی ضرورت پر گزر نہیں ہے دیگر سلسلوں میں آپ شرکت کر سکتی ہیں۔ البتہ تحریر کے لیے اس بات کا خیال رکھیں کہ پہلے افسانے کی صنف پر قلم آزمائی کیجئے۔

نورین مسکان سرور..... ڈسکہ، سیالکوٹ
ڈیر نورین! جگہ جگہ جو آپ کی نگارشات ہمیں موصول ہوئی ہیں جذبات و احساسات کا بھرپور اظہار اور سانچہ دہبر کے بچوں اور لائقین کے لیے گرانقدر جذبات قابل تحسین ہیں لیکن اس طرح صفحہ قرطاس پر پیش کرنے میں ناکامی کی وجہ آپ کے انداز تحریر کی کمزوری ہے آپ فی الحال کاغذ قلم سے عارضی رابطہ توڑ کر کتاب سے ناطہ جوڑ لیں اپنا مطالعہ وسیع کریں اپنی تحریروں کا دیگر بڑے رائٹرز کی تحاریر سے موازنہ کریں اس سے آپ کو بہتر لکھنے میں مدد ملے گی اور اپنی کمزوریوں کا ادراک بھی ہوگا آچل میں شرکت کے لیے آپ دیگر مستقل سلسلوں میں شمولیت اختیار کر سکتی ہیں۔

احساسات ہوا کے دوش ہم تک پہنچائے بے حد خوشی ہوئی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو جلد صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ سروے میں آپ کو ضرور شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تبصرے تو سب ہی شامل کر لیے جاتے ہیں البتہ جو پرچے کی تکمیل کے بعد ملتے ہیں وہ ضرور ردی کی نوکری کی نذر ہوتے ہیں آپ کی دیگر نگارشات بھی جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ کو اب تک ماہنامہ حجاب موصول نہ ہو سکا آپ کے اس دکھ میں ہم آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ ہمت مردانہ مدد خدا کو کوشش کرتی رہیے جلد ہا کر سہل جائے گا۔ آچل سے متعلق آپ کے والہانہ جذبات و احساسات آپ کے دیگر خطوط میں جان کر اچھا لگا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو نمایاں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ویسے ڈسکہ میں چار چنگوں پر چار ہائے میں بازار پکھری روڈ، کشی بازار اور چکی بازار میں آپ ان جگہوں میں دیکھ لیں۔

مشی خان..... پھیر کینڈ، مانسہرہ
ڈیر مشی! اسدا یاد رہو، غلطی و ناراضگی سے بھرپور آپ کا نامہ بر موصول ہوا۔ آپ کا شکوہ بجا ہے کہ آپ اتنی دور دراز سے وقت نکال کر آچل کی محفل میں شریک ہوتی ہیں اور اپنا نام نہ دیکھ کر افسردہ ہو جاتی ہیں۔ آپ کی شکایت متعلقہ شعبوں تک پہنچادی ہے ان شاء اللہ جلد ہی آپ کی بعد آپ کی دوست کرن خیر اوی کی نگارشات شامل کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے کچھ دنوں میں دور ہو جائے گی۔

سدرہ احسان..... سمیٹ پال، سیالکوٹ
ڈیر سدرہ! جیتی رہو آچل میں آپ کی نگارشات کی اشاعت پر شکر ہے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ ہی کی کاوشوں سے پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ آپ کے تعارف کے متعلق متعلقہ شعبے میں ارسال کر دیں گے آپ از سر نو اپنا تعارف ہمیں ارسال کر دیں جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سلمیٰ غزل..... کراچی
عزیزی سلمیٰ! اسدا یاد رہو آپ کی مصروفیات کی بدولت قلمی سلسلوں کا فقدان ہے۔ کیا کیجیے جناب آج کل ہر کوئی فرصت نہ ملنے پر شکوہ کنال ہے اور کچھ مصروفیات ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں بہر حال آپ سے توقع ہے کہ آپ اپنی مصروف زندگی سے چند لمحوں نکال کر ضرور کسی اچھی تحریر کے

ساتھ جلد حاضر ہوں گی آپ کی غزل جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

جوبیرہ عباسی..... مری

پیاری جوبیرہ! سدا سدا کہو آپ سے نصف ملاقات اور آنچل سے آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر بہت اچھا لگا۔ آپ نے افسانہ اور ناول پڑھ کر ہی یہ اندازہ ہو سکے گا کہ آپ کی تحریر آنچل کے معیار کے مطابق ہے یا نہیں بہر حال آپ نے فکری سفر کا آغاز تو بہت کر کے کر ہی لیا ہے اب اگر کوئی تحریر بنا کر کام بھی ہو تو بالکل بجا ہے وسیع مطالعہ اور محنت کے ساتھ کوشش جاری رکھیں۔

صبا شہزادی..... مانا نوالہ

ڈیرہ شہزادی! جتنی روڈوں سال کے طویل عرصہ بعد آپ نے آنچل کی محفل کو رونق بخشی جان کر اچھا لگا۔ اقراء ضحیر کا ناول جلد ہی آپ آنچل کے صفحات پر پڑھ سکیں گی انتظار کیا یہ گھڑیاں جلد ہی گزر جائیں گی۔ آنچل کی پسندیدگی آپ کی دعاؤں کے لیے بے حد مشکور ہیں بجز اک اللہ۔

حمیرا رباب چندا..... سرگودھا

عزیزی حمیرا! جب تک جوبیرہ پانچ سال کے عرصہ کی طویل غیر حاضری کے بعد آنچل کی محبت اور شش نے ایک بار پھر آپ کو اپنے حصار میں مقید کر لیا جان کر اچھا لگا۔ آنچل کے لیے آپ کے پر خلوص جذبات ہمارے لیے قابل تحسین و باعث فخر ہیں۔ بے شک آپ قارئین کی یہ تعریفی طور و چند کلمات ہمیں آنچل کو بہتر سے بہترین بنانے کے سفر پر گامزن رکھتے ہیں اور ہماری ساری محنتوں کا ثمرہ حاصل بننے میں طویل عرصے کے بعد آپ نے اپنی تحریر کے سنگ پھر سے آنچل سے رابطہ استوار کیا بہت خوشی ہوئی۔ تحریر پڑھنے کے بعد جلد آپ کو اس کے متعلق بتا دیں گے۔

ریشما کنول..... فورٹ عباس

ڈیرہ شمال! سدا سدا کہو آپ سے طویل عرصہ بعد نصف ملاقات بہت اچھی لگی آپ کا کہنا بجا ہے شادی کے بعد کی زندگی مصروفیات سے بھر پور ہوتی ہے اس لیے میں اپنے مشاغل کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے بہر حال آپ نے تعلیمی سلسلے کا از سر نو آغاز کیا ہے بہت خوشی ہوئی آپ کہانی ارسال کر دیں پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے سے آگاہ کر پائیں گے۔

نا قابل اشاعت:-

چہرے میرا جنوں میرا قلم فیصلہ اندھی محبت! ایسا کیوں اعتماد کیلے گال! پہل سے مرنا یہاں ظرف اپنا اپنا پھونڈ کر کیسا ہے انتظار صبر کا چھل لاکھ سے لگن نے سال کی نئی محبت اذان! سلگتی شام سنگ سنگ چلنا روٹی تم بن ادھوے ہم مجرم کون محبت بھی روگ ہے کیا زندگی کے سہانے سفر جنہیں زندگی سے بڑھ..... آزمائش فیصلہ مقدر کے محبت ان چاہی محبت اور اداس شامیں الم ناک گھر وندہ حساس جھکی یاد تہائی تصویر وہ مان جولوٹ گیا ہم خوش ہوئے باجی کوڑ جو من بھائے کہانی سوہنی مایہ وال کی فاطمہ جی عمر کے خواب زیب رنگ حیات تم سے میرے تخت جگر حسن آیتہ الکرسی کا ورد روشن صبح چھپڑ اسم اعظم اک اور برس بیت گیا تم میری ثروت ہو سہارا مل ہی جاتا ہے وطن کی یاد تیرے عشق میں جانے جانان محبت کی زنجیر یہ جاہت کے موسم شہید برحق چھتارے کے آسٹوایں سائل پر لکھا تیرا نام انساں وا لاؤ لا بگڑ گیا اک لکھا گئی کا ویلٹائن ڈنے سایہ اور ساتیاں۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لکھیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فونو کا پی کر لکھیں پاس رکھیں۔

☆ نقطہ وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فونو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے نا قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیکی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فریدی جیمز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ



مشاق احمد قریشی

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ بے حد حساب مہربان ہے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریف فرماتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں برکت دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رستوں کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بلند کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو فروغ بخشنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر پہنچائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو بلند مرتبہ و درجہ عطا فرمایا وہ کسی اور نبی یا پیغمبر کو حاصل نہیں ہوا جو شفقت و محبت رحم و کرم کا معاملہ اور انداز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا وہ کسی اور نبی سے نہیں فرمایا، ایسا اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب مقرر کرنے کے لئے بنایا جیسا کہ البقرہ کی آیت ۳۰ میں کہا گیا ہے اور البقرہ کی آیت ۳۱ میں انسان کے علم کی بابت بتایا گیا ہے ظاہر ہے جب اللہ تبارک و تعالیٰ کو زمین پر کسی کو اپنا نائب مقرر فرماتا تھا تو اس کی تکمیل و تیاری اسی انداز سے کی گئی ہوگی کہ انسان کو تمام علوم سے آراستہ کیا ہوگا اور اسے تمام معاملات کو سمجھا دیا ہوگا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو حضرت آدم سے لے کر روز قیامت تک آنے والی محنت کو اپنے سامنے پیدا فرما کر اپنے رب ہونے کی گواہی لی تھی جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نسل انسانی کو بیک وقت وجود و شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا اور ان تمام سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی کہ کہیں روز قیامت یہ نہ کہہ دے کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے لیکن تاریخ انسانی گواہ ہے اور خود قرآن کریم اس بات کی اطلاع دے رہا ہے کہ انسان نے وقت کے ساتھ ساتھ تا صرف اپنے مرتبے اپنے شرف انسانیت کو بھلا دیا اور شیطان کے بہکاوے میں پھنستا چلا گیا اور اللہ کی عبادت سے منحرف ہو گیا اور شرک و کفر کو اپنا تاج چلا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور اپنے خلیفہ کی اصلاح کے لئے نبی رسول پیغمبر کتب اور صحیفے بھیجنا شروع کئے تاکہ اس کا نائب انسان جو صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے سیدھی راہ پر آجائے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اور رستی ایسی نہیں جس میں اس نے اپنا نبی اور رسول نہ بھیجا ہو۔ (سورۃ فاطر ۲۴) ہر نبی اور ہر رسول ایک ہی تعلیم لے کر آتا رہا حدیث شریف میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہر نبی اور ہر رسول کو زمین والا ہے اس نے سلسلہ نبوت کے اختتام سے پہلے اپنے بندوں کو جنہیں اس نے اپنے نائب و خلیفہ کے طور پر زمین پہ بھیجا تھا، لیکن اس نے اپنے خالق و مالک سے کئے ہوئے عہد کو اپنے ملنے والے اختیار سے نہ صرف توڑا بلکہ اس سے سراسر انحراف بھی کیا جب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جن کی عمریں بھی خوب طویل ہو کر تھیں خود حضرت آدم علیہ السلام کی عمر آٹھ سو پینتیس ۸۳۵ سال تھی حضرت نوح جو آدم ثانی کہلائے ان کی عمر نو سو پچاس سال سے زائد تھی اتنی طویل مدت ملنے کے باوجود ان کی امت ان کی قائل نہ ہوئی، لیکن جب اللہ نے سلسلہ نبوت کے اختتام کا فیصلہ کر لیا تو پھر ایک ایسے بندے کو مبعوث

اے اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ان کی آل پر برکتیں نازل فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر برکتیں نازل کیں تو بڑی تعریفوں والا ہے بزرگی والا ہے۔
یہ دُرود شریف دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے ہے یہ دُرود شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی نسبت ہے اس لیے ان کے لئے ان کی آل کے لئے جس میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں کے لئے یہ دُرود شریف تعلیم فرمایا گیا ہے۔ آل کے لغوی معنی خاندان والے احباب کے ہیں۔ آل کا لفظ جب کسی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوگا تو اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اس سے فرسبی رشتہ یا دوستی اور محبت رکھتے ہیں۔ ”آل ابراہیم“ میں بھی یہی مراد ہے۔ یہاں آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان اور وہ تمام افراد جن کو علم کامل اور عمل صراح کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن نبوت میں پناہ حاصل ہوئی۔ اس طرح آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اطلاق نسبت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام برگزیدہ افراد پر ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”آل محمد صرف وہ مسلمان ہیں جو شریعت محمدیہ کی شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ (امام راغب اصفہانی) مفردات قرآن) چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا حضرت اسحاق علیہ السلام کے سلسلہ نسب بنی اسرائیل سے تعلق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل قرار پاتا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمعیل علیہ السلام کے نسبی تعلق سے آل ابراہیم کے فرد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ حضرت ابراہیم کی آل پر دُرود بھیج کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور اپنے تعلق خاص کا اظہار فرمایا ہے۔ رحمت و برکت کی دعا ہے اہل ایمان مسلمانوں کو دین کی نعمت اور نماز کی دولت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلے اور واسطے سے ملی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان عظیم کے شکر کے طور پر ہمارے ذمہ مقرر فرمایا کہ جب نماز پڑھیں تو اس کے آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین کے لئے رحمت و برکت کی دعا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف دُرود صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کو تعلیم فرمائے وہ تھوڑے تھوڑے سے فرق کے ساتھ مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں لیکن یہ سب کے سب کچھ لفظی اختلاف کے باوجود اپنے معنی میں متفق ہیں۔ ان کے اندر چند اہم نکات ہیں جنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

(جاری ہے)



شاعری چوہدری

ملیہ احمد

پیارے آنچل اسٹاف راسٹرز اور ریڈرز کو پیار
بھرا سلام قبول ہو، کیسے ہیں آپ لوگ؟ بہت
مزے میں نا، آج سوچا کیوں نہ ہمارا آنچل میں
اپنا تعارف کروایا جائے تو جناب مابودلت کو شاز یہ
چوہدری کہتے ہیں ضلع خوشاب کے ایک چھوٹے
سے قصبہ گنجال سے تعلق رکھتی ہوں۔ تعلیمی قابلیت
میشرک ہے (آگے کسی نے پڑھنے نہیں دیا)۔ ہم نو
بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر آخری ہے۔ اشار
عقرب ہے جس کی تمام خوبیاں اور خامیاں بدرجہ
اتم موجود ہیں۔ ستاروں بھرے آنچل سے تعلق
آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے (جب میں
آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی) جڑا تھا۔ جو وقت
گزرنے کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔
آنچل کے تمام سلسلے ہی لا جواب اور دلچسپ ہیں
آنچل کی زینت بننے والی تمام کہانیاں بلاشبہ
بہترین ہوتی ہیں مگر جو کہانیاں دل میں گھر کر گئیں
وہ ہیں ”محبت دل پر دستک زندگی دھوپ تم گنا
سایہ چاہتیں یہ شدتیں“ اور ”چھوٹا نہیں“ بہت
پسند ہیں۔ پسندیدہ لباس لمبی قمیص کے ساتھ
چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سادہ پتہ بہت پسند ہے۔

کلرز میں پنک ریڈ اور بلیک بہت پسند ہے۔
کپڑے بنانے کا شوق ہے پیارے پیارے
پرنٹ اور ڈیزائننگ والے پسند ہیں۔ میری
ڈریسنگ تقریباً سب کو پسند آتی ہے عموماً سادگی
پسند ہوں، میک اپ میں لپ اسٹک پسند ہے۔ گھر
کے کاموں میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر (ارے
ڈریس تو نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں)۔ گھر بھر کی
لاڈلی ہوں، کم گو ہوں اور تنہائی پسند بھی۔ بہت کم
لوگوں میں گھلتی ملتی ہوں شاید یہی وجہ ہے میرے
دوستوں کی فہرست بہت کم ہے۔ پھولوں میں
پنک اور ریڈ گلاب پسند ہیں، خوشبو ڈیلیشیا اور بلیو
لیڈی پسند ہے۔ جیولری میں ڈھیر ساری کانچ کی
چوڑیاں اور رنگز پسند ہے۔ شاعری کی دلدادہ ہوں
اچھی شاعری اور ادبی ذوق کی حامل ہوں۔ پروین
شا کر اور وحی شاہ کی شاعری بہت متاثر کرتی ہے۔
فیورٹ ملک سعودی عرب (دعا کریں اللہ پاک
جلد از جلد حج کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔
نمکین چیزیں کچھ خاص پسند نہیں البتہ میٹھے میں
سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ موسم سارے ہی اچھے
ہوتے ہیں مگر سردی کا موسم بہت متاثر کرتا ہے۔
حال ہی میں ایک عدد منگیتری ملکہ بن گئی ہوں اور
عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ اپنی پسند کی
چیزیں تو بتانا بھول گئی، کھانے میں بریانی اور سوچی
کا حلوہ بہت پسند ہے۔ بھئی بہت برداشت کر لیا
مجھ ناچیز کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا اس کے ساتھ

اجازت چاہوں گی! اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے پاکستان کی حفاظت فرمائے! آمین۔ سب کو ڈھیروں دعائیں اور سلام تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا! اللہ حافظ۔

نجم فردوس

السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو میری طرف سے محبت بھرا سلام قبول ہو جی تو جناب اتنی خاموشی کیوں ہو آپ کے چہروں کو کیا ہوا ایسے پھولے ہوئے ہیں جیسے..... خیر رہنے دو تم لوگ بھی کیا یاد کرو گی کہ کس سے پالا پڑا ہے۔ جی تو آف چھپ نہیں گئی جو تلاش کرنے لگ گئی ہو میں تو ادھر ہوں آنچل میں انٹری دینے آئی ہوں۔ میں نجمہ فردوس رانا ہوں ضلع شیخوپورہ میں واقع گاؤں مانگٹ کی رہنے والی اور میں ایک سردرات کے پچھلے پہر یکم دسمبر کو رونق بخشنے کے لیے اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی۔ رانا ہماری کاسٹ ہے ہم سات بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں باقی مجھ سے چھوٹی چار بہنیں اور دو بھائی عتیق الرحمان اور ران محمد ہادی ہے جو کہ مجھے اپنی جان سے پیارا ہے۔ جی تو اب آتے ہیں اپنی پسند اور نہ پسند کی طرف تو کھانے میں جو بھی ہو کھا لیتی ہوں لیکن بس نمکین چیزوں تک بیٹھے میں آکس کریم اور فروٹ کریم بے حد پسند ہے۔ لباس میں لائنگ

شرٹ اور ٹراؤزر بے حد پسند ہے جو کہ اکثر میں استعمال کرتی ہوں اس کے علاوہ چوڑی دار پاجامہ اور لائنگ قمیص بھی بہت پسند ہے مگر پہنتی بہت کم ہوں آخر کار ایک گاؤں میں جو رہتی ہوں (بقول امی جان کے کہ لوگوں کے منہ بند رکھنا ضروری ہے)۔ چوڑی میں چھالے اور نفیس سا بریسیلیٹ پسند ہے اس کے علاوہ کرکٹ بہت پسند ہے کھیلتی بھی ہوں بھائی کے ساتھ۔ ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں تو سب ایک ساتھ ہونے کی وجہ سے اخراجی مچائے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کرکٹ شاید آفریدی خان بہت بہت زیادہ پسند ہے کبھی اسی وجہ سے تو بیچ کے شیدائی ہیں۔ ایکٹرز میں نور حسن احسن خان اور صبا قمر کے علاوہ موسٹ فیورٹ اداکار بابر خان پسند ہیں۔ رائٹرز میں نازی آپنی سمیرا شریف طور، عشنا کوثر اور عمیرہ آپنی بہت پسند ہیں۔ آرمی کا جنون کی حد تک شوق ہے اور آرمی والے بھی بہت پسند ہیں۔ آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہلکی پھلکی شاعری بھی کرتی ہوں اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں یہ نہ ہو کہ آپ لوگ دھکیلنے لگ جاؤ بتائیے گا ضرور کہ مجھ سے مل کر کیسا لگا! اللہ حافظ۔

آنسو چوہدری

میرا نام آرزو چوہدری ہے شاینوں کے شہر

سرگودھا کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہم اپنے علاقے کے زمیندار ہیں اور ہماری کاسٹ چوہدری ہے۔ پسندیدہ وہ لوگ جو میرے ساتھ مخلص، اچھے اور میرے محافظ ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے۔ پسندیدہ ناول ”برف کے آنسو“ ہے۔ پسندیدہ ناول نگار اقراء صغیر، سمیرا حمید اور سمیرا شریف ہے، فیورٹ رسائل آنچل اور شعاع ہیں۔ سچے رشتے وہ ہوتے ہیں جو دل سے عزت کریں ناکہ ہوا کے رخ کی طرح سمت بدلتے رہیں اصل میں وہی محافظ ہوتے ہیں۔ پسندیدہ ملک سعودیہ عرب ہے اور پسندیدہ شہر سرگودھا اور لاہور ہے۔ سردیوں کی سردراتوں سے بہت خوف آتا ہے۔ قدرتی مناظر بہت اٹریکٹ کرتے ہیں اور مجھے ہر وہ لمحہ یاد رہتا ہے جس میں حقیقی خوشی حاصل ہو یا ذہنی سکون۔ میری ذات ایسی ہے جس کا مجھے خود بھی دراک نہیں، کبھی کبھی بہت بڑی بات نظر انداز کر جانا اور کبھی چھوٹی بات پر رو کر ٹھکانا۔ بڑی خواہشوں کے رد ہونے پر دکھ نہیں ہوتا لیکن جب میری چھوٹی چھوٹی خواہشیں پوری نہیں ہوتیں تو مجھے بہت ڈسٹرنگ ہوتی ہے۔ سفر کرنا اچھا نہیں لگتا ایک عجیب سی تشنگی کا احساس ہوتا ہے خامی اپنے احساسات اور جذبات کسی سے شیئر نہیں کر سکتی، دل میں رکھتی ہوں۔ خوبی دل کی اچھی ہوں کسی کے ساتھ برا نہیں کر سکتی اور نہ ہی کسی کو پریشان دیکھ سکتی ہوں۔ کوئی اچھا کرے تو

ہمیشہ یاد رکھتی ہوں۔ پسندیدہ مہک مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو ہے۔ بُرے اور حسد کرنے والے لوگوں سے بہت نفرت ہے، چوڑی میں رنگ لاکٹ اور چوڑیاں بہت پسند ہیں۔ لباس میں چوڑی دار پاجامہ، فرائیڈ اور شلوار قمیص پسند ہے۔ اپنے خیالات دو بندوں کے ساتھ شیئر کرتی ہوں اور وہی ہیں جو میرے احساسات سمجھتے ہیں۔ میری تمنا ہے مجھے سمجھا جائے میں چاہتی ہوں کہ میرے بیان کرنے سے پہلے سامنے والا سمجھ جائے۔ پسندیدہ رنگ سرخ اور فیروزہ ہے۔ تعلیم ایف اے ہے بی اے کر رہی ہوں۔ کھانے میں چکن برگر بہت پسند ہے۔ گلاب کا پھول بہت پسند ہے۔ عبادات میں نماز اور تلاوت کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے وہ شاعری جو سیدھی دل میں اتر جائے۔ پسندیدہ الفاظ انسان اپنی توہین معاف تو کر سکتا ہے لیکن بھول نہیں سکتا اور خاص کرتب جب وہ ہستی قریبی ہوتی ہے اس لیے جب بھی بولیں سوچ سمجھ کر بولیں کیا پتا کسی نے آپ سے توقعات وابستہ کر لی ہو۔ آخر میں تمام جاننے والوں اور آنچل پڑھنے والیوں کو سلام اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

سلی اقبال

السلام علیکم! تمام ریڈرز اور رائٹرز کو خلوص دل

سے سلام ہو۔ سوچنے کا نام مت لیں سلامتی سینڈ
 کر دیں اس سے پہلے کہ لائٹ چلی جائے۔ جی تو
 مابدولت کو سہلی اقبال کہتے ہیں 'عبدالرحمان
 (بھانجا) نما اور عائشہ صدیقہ' (بھینجی) سہاں کہتے
 ہیں۔ میں اس دنیا کے حسن کو دو بالا کرنے کے لیے
 22 مارچ (موسم بہار) کو اس دنیا میں بلکہ کشمیر میں
 تشریف لائی۔ میری لائف بہار کا موسم ہی لگتی ہے
 بس مزے ہی مزے ہیں۔ آزاد کشمیر کے ایک
 گاؤں پنڈی جھونجہ میں پیدا ہوئی۔ ہمارا گاؤں
 سرسبز و شاداب اور خوب صورتی میں اپنی مثال
 آپ ہے۔ عمر 17 سال ہے سینڈ ایئر کی طالبہ
 ہوں۔ پسندیدہ شخصیات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ
 وسلم، علامہ اقبال اور میرے پیارے بھائی افضل
 احمد شامل ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ دل کی بہت اچھی
 ہوں، دوسروں سے بغض رکھنا مجھے پسند نہیں، حساس
 بہت ہوں۔ خامی یہ ہے کہ غصے کی بہت تیز ہوں
 بقول امی اس کا غصہ ہر وقت ناک پر رکھا ہوتا ہے
 جبکہ میری شہزادی صحنی آصف (بھانجی) کا کہنا ہے
 کہ میری خالہ دنیا کی بیسٹ خالہ ہیں، تھینک یو صحنی
 جان! پسندیدہ کٹر پریل، لائٹ پنک اور وائٹ
 ہے۔ پسندیدہ ڈش بریانی ہے۔ فیورٹ ٹیچرز میں
 ٹیچر مصباح بانو، ٹیچر ولیچہ اور ٹیچر افزانہ شامل ہیں۔
 لباس میں لائٹ شرٹ ٹراؤزر اور فرائک پسند
 ہے۔ پسندیدہ مشغلہ شرارتیں کرنا اور فرینڈز
 بنانا ہے۔ رافعہ رفیق، سہلی اکرم، ثانیہ خان، صحنی

بہنوں کی عدالت

فاخرہ گل

گلر کیا رہے مرتبم پوچھتی ہیں کہ آپ کو سسلے وار
 ناول، افسانے اور ناول میں سے کیا لکھنا پسند ہے؟
 مرتبم سہلی کہیں تو مجھے تو بس لکھنا پسند ہے سہلی افسانے کا
 دل چاہتا ہے تو سہلی ذرا تفصیل لکھنے کا موڈ ہوتا ہے۔ سسلے وار
 ناول اس لیے پسند ہے کہ اس میں تمام جزئیات کے ساتھ بات
 کی اور سمجھائی جاسکتی ہے لیکن کچھ ایٹوز لایے ہوتے ہیں جنہیں
 افسانے میں کوہر کرنا بہتر ہوتا ہے اگر افسانے کے قابل مواد کو
 کھینچ کر قسط وار ناول کی شکل دی جائے تو وہ قارئین میں
 آکھٹا پیدا کردیتا ہے۔ اسی طرح کچھ ٹائپس پر افسانہ لکھنا
 بعض اوقات پڑھنے والوں کو شہدہ رکھتا ہے۔
 دوسرے سوال میں آپ پوچھتی ہیں کہ فاخرہ آپ کے
 مزاحیہ ناول "خالہ سالا اور پوپالا" کو پڑھ کر بہت انجمنے کیا ہے
 کب تک کتابی شکل میں آئے گا اور بی بی میں لکھنے کے بارے
 میں کیا خیال ہے؟
 "خالہ سالا اور پوپالا" پر آپ کی تفصیلی تعریف اور پوپو کا
 بے حد شکریہ آپ کے جاندار سے میرے اندر مزاح لکھنے
 کی نئی توانائی پیدا کی ہے آپ کا یہ ریویو ان شاء اللہ کسی اور جگہ
 ایڈیشن کروں گی کتابی شکل میں کب آئے گا اس کا جتنی جواب تو
 فی الحال نہیں دے سکتی لیکن ہاں ان شاء اللہ بہت جلد یہ کتاب کی
 صورت میں آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور بقول آپ کے، آپ
 اسے اپنی نند کو گفٹ کر سکیں گی جو بہت کم مسکرائی ہیں، بی بی پر
 لکھنا تو ہے لیکن کب لکھنا ہے کچھ بھی فائل نہیں کہہ سکتی، جب
 مصروفیت کم ہوئی تو اس طرف ضرور دھیان دوں گی، فی الحال تو
 خالہ سالا اور پوپالا پڑھنے کے بعد کافی لوگوں نے سٹ کا حیر
 کے لیے بھی رابطہ کیا ہے مگر وہی بات کہ فی الحال میں فائل نہیں
 کہہ سکتی۔

آپ کی اب تک کتنی کتابیں آچکی ہیں؟

الحمد للہ میری شاعری کی ایک کتاب "سیاہ راتوں کے چاند
 میرے" کے عنوان سے پبلش ہوئی دوسری کتاب "میرے ہم
 سفر کو خبر کرو" ایک مکمل ناول اور تیسری کتاب بھی ان شاء اللہ یہ
 سطور پڑھنے کے وقت مارکیٹ میں "وہی ایک لمحہ زیست کا" کے

نام سے مارکیٹ میں ہوگی یہ ناول آنچل میں ہی چھپا تھا اور چند
 دوسری تحریروں کی طرح میرے دل کے بہت قریب ہے اس
 کے ساتھ ساتھ میرے تحریری سفر کے اوائل دور میں جیسے والے
 چند ناول بھی اس کتاب کا حصہ ہوں گے۔ آپ کی بیش قیمت
 دعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔

شازیہ فاروق احمد، خان بیلہ سے بڑی محبت سے
 پوچھتی ہیں کہ فاخرہ بی بی کیا آپ میری دوستی قبول کریں گی؟
 کیوں نہیں شازیہ! اتنے اچھے لوگوں کی دوستی سے بھلا کس کو
 انکار ہو سکتا ہے لیکن ہاں یاد رکھیے گا دوستی کر رہی ہیں تو بھائی بھی
 ہے ٹھیک ہے؟ بس تو آج سے دوستی شروع۔

ایسے الفاظ سے نواز لے جی ہمیشہ میرے ساتھ ہیں۔
 جس سے بھی میں محبت سے ملیں اپنے تمام تر جذلوں پر
 محبت کو حاوی ہونے دیجئے اس سب کی زندگی میں سکون پیدا
 ہوگا اور خدا سے رابطہ مضبوط ہونے لگے گا کہ وہ خود مکمل محبت
 ہے۔ دوسروں کی غلطیوں اور خامیوں کو معاف کر دیا کریں اور
 جس وقت اپنے رب سے ہم کلام ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ
 سب سے بڑھ کر باخبر ہے اسے خود بتائیں کہ اگلی فلاں، بندے کا
 فلاں عمل میں نے صرف تیری رضا کے لیے تیری محبت پانے
 کے لیے معاف کر دیا ہے تو بس مجھ سے راضی رہنا خوش رہنا ان
 شاء اللہ میرا ایمان اور اس کی رحمت سے امید ہے کہ اس طرح
 کرنے سے وہ ہماری بھی کئی خطا میں معاف کر کے عطاؤں
 میں بدل دیتا ہے۔ اللہ آپ کو زندگی و آخرت کی تمام خوشیوں
 سے مالا مال کر دے آمین۔

فاخرہ جی میں آپ کی تحریروں کو بہت پسند کرتی ہوں آپ کو
 کون سی تحریر نے متاثر کیا، کردار جتنا جگ بھی آپ کو یاد ہو؟
 بہت شکریہ شازیہ، بہت سی لکھی تحریریں ہیں جن کے خوب
 صورت طرز تحریر نے بہت متاثر کیا لیکن علم الحق جی صاحب کی
 لکھی ہوئی کتاب "عشق کا عین" ایسی کتاب ہے جو کئی برس پہلے
 پڑھی تھی مگر اتنی متاثر کن تحریر تھی کہ آج تک ساری جزئیات کے
 ساتھ یاد ہے۔

صندل رانا ڈھوڑ ہند کے سے انبی محبت کا اظہار اور
 تحریروں کو پسندیدگی کی سند دیتے ہوئے پوچھتی ہیں کہ وہ ایک
 لمحہ زیست کا" میں تاجی کا کردار آپ کا خود ساختہ تخلیق ہے یا
 حقیقت میں آپ کو تاجی جیسا کردار ترانے کے لیے ان جگہوں کا
 رخ کرنا پڑا جہاں سے اس کردار کی شروعات ہوئی؟

پیاری صندل آپ کے نام سے بے ساختہ صندل کی خوش بو یاد آگئی آپ کی ذرہ نوازی کا شکر یہ، ناجی کا کردار یقیناً ذہنی تخلیق ہے جسے مختلف جگہوں کا رخ کیے بغیر اپنی راسخنگ شکل پر ہی لکھا لیکن ہاں اس کی زندگی میں درخشاں حالات و واقعات میں سے ایک دو چیزیں ایسی ضروری ہیں جو میں نے کسی میں دیکھی تھیں یا یوں کہیے کہ کسی نے اپنے بارے میں بیان کی تھیں۔

آپ کے بانی سوالوں کے جوابات تو یقیناً طور پر آپ کو دوسرے سابقہ صفحات میں مل گئے ہوں گے دعاؤں میں ضروری یاد رکھیے گا۔

سردہ گل مہبک، پیر محل سے شامل ہیں ان کا پہلا سوال ہے کہ میں بکس جو سنا ہے کہ فیک بک ہوتی ہے تو اس کی خام کام آپ سے روپیہ؟ بھی دشوار محال کا سامنا ہوا؟

پیاری سردہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں بک ہوتی ہوگی لیکن میرا ماننا ہے کہ دعا میں تو یہاں کی بھی خالص اور سچی ہی ہوتی ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے تو میں بک پر بہت محبت ملی ہے۔ سب کا روپیہ بھی بہترین اور دوستانہ ہوتا ہے دشوار محال اور وہ بھی نہیں بک پر، نہیں میرا تو نہیں خیال کہ آج تک بھی کچھ ایسا قابل ذکر مسکہ ہوا ہو۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ شاعری میں آپ کا استدلال کون ہے؟ یا آج تک کسی سے اصلاح لی؟ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ شاعری میں کسی سے اصلاح لی ہو، اللہ کے فضل و کرم سے یہ ایک خداوند ہے جو جس طرح ذہن میں اتارتا ہے اسی طرح کاغذ پر منتقل کر دیتی ہوں ایک مرتبہ امجد اسلام امجد کو اپنی چند نظمیں سنانے کا اتفاق ہوا اور انہوں نے جن حوصلہ افزا الفاظ کے ساتھ سر لادہ میں بھول نہیں سکتی، اسی طرح محترم افتخار عارف نے میری ایک نظم سن کر جب یہ کہا کہ اس نظم سے یہ یوں شاعر کا اسلوب اور انداز بیان یاد آ گیا تو بہت خوش ہوئی کسی اس سب کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ میں کوئی بہت ہی اعلیٰ پایے کی شاعر ہوں بلکہ اس سب سے یہ مراد لی جائے کہ بڑے لوگ جب تعریف کرتے ہیں حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو بڑے ہی کھلے انداز میں دل کھول کر کرتے ہیں۔ اشدان صاحبان ادب کو سلامت مدد۔

تیسرے سوال میں آپ جاننا چاہتی ہیں کہ کہیں لکھتے ہوئے کیا کیفیت ہوتی ہے؟

سردہ ڈیڑھ نعت لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور ضروری نہیں کہ جو بندہ رومانوی شاعری کر سکتا ہو وہ نعت بھی لکھ لے

کیونکہ نعت لکھنا محض لفظ جوڑنے کے ہنر کا نام نہیں ہے نعت میں قافیہ اور ردیف کا کامیاب کھیل پیش کرنا نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ نعت کو لکھی ہی اس موقع پر جانی ہے جب سب کا نعت کی نگاہ خاص قلم کھائے ہاتھوں پر پڑ جائے اور جب ہی پاک مکتبہ کی شان میں خوب صورت ترین پھولوں جیسے لفظ و کی صورت ذہن میں اترنے لگیں اور پھر اس بات کا حیاں رکھنا جس کی انتہائی لازم کہ ایسا نہ ہو کہ مکتبہ کی محبت میں اس قدر مبالغہ ہو جائے کہ خلق اور خالق کا تعلق ممل واضح نہ رہ پائے یا خدا خواستہ کوئی ایسا لفظ یا استعارہ نہ لکھ دیا جائے جو ہی رحمت مکتبہ کے شایان شان نہ ہو۔

میں تو جانتی ہوں کہ اس معاملے میں مجھ پر اللہ کا خاص کرم ہے کہ میں نعت لکھنے کے ساتھ ساتھ مختلف محافل میں اپنی ہی لکھی ہوئی نعتیں پڑھتی بھی ہوں اور ایک دوسرے کو ایسا بھی ہوا کہ ملاذ شریف میں کسی اور کی لکھی ہوئی نعت پڑھتے پڑھتے لگا کہ اگلا شعر ذہن سے نکل گیا اور میں بھول گئی کہ آگے کیا پڑھنا ہے مگر اللہ نے اپنی رحمت سے میرے نعت پڑھنے کے دوران ہی ایک سیکند کا لفظ کیے بغیر نئے اشعار اتار دیے جنہیں اس وقت فی البدیہہ پڑھے اور سب نے بے حد سراہا بھی کہ آپ نعت کے نئے شعر سننے کو ملے۔

آپ کے باقی سوالات کے جواب تو یقیناً آپ کو دیگر صفحات پر مل گئے ہوں گے محبت اور دعاؤں کے لیے بہت شکر یہ اپنی امی کو بھی بقول ان کے ”باہر دانی“ کا سلام پہنچا کر میرے لیے دعا کا کہیے گا۔

فریحہ پردی پوچھتی ہیں کہ کوئی ایسا کردار بتائیے جو آپ نے حقیقت میں خود سے قریب پایا ہو؟

پیاری فریحہ ابھی تک تو ایسا کوئی کردار نہیں جو اس حد تک قریب ہو لیکن ہاں زیرِ قریب ایک ناول میں ایسی لڑکی کا کردار ضرور ہے جو مجھ سے بہت قریب ہے۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ لکھنا تو ہر کوئی ہے مگر اپنے لکھے ہوئے سے مطمئن کوئی کوئی ہوتا ہے بھی اچھا لکھنے کے باوجود بھی تنقید رہ جاتی ہے تو کیا آپ اپنے لکھے ہوئے سے مطمئن ہیں؟

ڈیڑھ فریحہ آپ کی بات کو سو فیصد رست ہے کہ اپنے لکھے سے مطمئن کوئی کوئی ہی ہوتا ہے اپنے تحریری سفر کے شروع میں ایک دو تحریریں ایسی ضرور ہیں جنہیں اب پڑھتی ہوں تو لفظوں میں غلامیوں ہوتا ہے سوچتی ہوں کہ اس میں بہت نجاش بھی میں اسے مزید بہتر کر کے لکھ سکتی تھی لیکن پھر وہی بات کہ ثبت

سوچ میرے اس خیال پر حاوی ہو جاتی ہے اور میں سوچتی ہوں کہ کہانی کا موضوع، اندازِ تحریر اور لکھنے کا انداز، تھنا جاندار ہوگا بھی تو ایڈیٹر نے تنقید کر کے لگائی حالانکہ نئے لکھنے والوں کے سر پر خاص طور پر ایک رنجش کی تلوار بھی لٹک رہی ہوتی ہے مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ اللہ کا شکر ہے کہ قارئین نے بھی سراہا تو یقیناً یہ کچھ بہتر ہوگی لیکن پھر یہ بھی ہے کہ اللہ کے فضل سے کچھ چند ایک تحریریں ایسی بھی ہیں جو بھی نظر سے گزریں تو مجھے خوشی ہوتی ہے کہ اللہ نے اس طرح کے لفظ جوڑنے کا موقع دیا۔ بھی بھار اپنی اسطور پر پڑھنے میں بھی مرزا ہے۔

آپ کا اگلا سوال ہے کہ کوئی ایسا ناول جسے پڑھ کر شمدت سے خواہش کی ہو کہ کاش یہ میں نے لکھا ہوتا؟

نہیں فریحہ، اس معاملے میں، میں بہت قناعت پسند اور شاکر ہوں اللہ نے جتنا ہنر دیا ہے اس پر بہت خوش اور شکر گزار ہوں، اچھی تحریر پڑھ کر سراہتی ضرور ہوں دل میں بھی دوسروں کے سامنے بھی اور ذاتی طور پر جس کی تحریر ہوا کہ تو اسے بھی خصوصاً منیج کر کے اس کا اظہار کرتی ہوں کیونکہ میں نفرت کے علاوہ ہر جذبے میں اظہار کی قائل ہوں کوئی اچھا لکے کسی کی کوئی بات یا عادت پسند ہو تو اسے برملا اظہار کر دیتی ہوں۔ لیکن یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کی پیڑ پیڑ میری ہو جائے۔

ایڈیٹر پوچھتا ہے صورت الفاظ؟

اچھی فریحہ، ماشاء اللہ آپ بہت سوٹ اور ان پیاری دوستوں میں شامل ہیں جن کی باتوں اور پیغامات میں بہت اہمیت محسوس ہوتی ہے، اللہ آپ کا نصیب بلند کرے آپ سے راسخی رہے اور آپ کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، مسکرائی رہے اور دوسروں کی مسکراہٹ کا سبب بنے۔

حلیہ زمان سعودی عرب سے بے شمار دعائیں دینے اور اپنی محبتوں کا بھر پور اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ جانتی ہیں کہ آپ کو کسی کی ڈیڑھ ساری دعائیں لگی ہیں جو آپ سنے کم عمر سے میں اتنی فیس ہوتی ہیں؟

پیاری حلیہ، سب سے پہلے تو اتنی بہت ساری محبتوں کے لیے میں آپ کی مشکور ہوں، فیس ہونے نہ ہونے کا تو معلوم نہیں ہے لیکن ہاں اتنا ضرور یقین ہے کہ امی ابویا گھر والوں کے بعد آپ جیسی پیاری دوستیں ہیں جن کی دعا میں ہمیشہ ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہیں اور بعض اوقات تو اتنی دعائیں، محبتیں اور خلوص محسوس کرتی ہوں تو آ نکھیں جھپک جاتی ہیں اور میں اللہ کا

شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے اتنے اچھے لوگ مجھے عطا کیے ہیں جو بن دیکھے بن جانے اس قدر محبت کرتے ہیں، صبح و شام کی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ حرم کعبہ اور مسجد نبوی جا کر بھی میرے لیے دعا کرتے ہیں اور یقیناً جانیے کہ اس وقت مجھے اللہ کے فضل سے اپنے نصیب پر رشک آتا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اسے پروہدگار ان محبتوں کو سدا سلامت رکھنا کیونکہ محبتوں کو زوال آجائے تو زندگی صرف دن گزارنے کے لائق رہ جاتی ہے، زندہ رہنے اور زندگی جینے کا لطف اور مزہ ختم ہو جاتا ہے۔

لکھیاں نہیں سوچاں بن لانی رہیں سوہنیا
چٹکی ہاں کہ مندی ہاں بھائی جانیں سوہنیا
آقادی غلاماں دی میں ادنی غلاماں
لوکی کیندے خاص میں تے عالماں وچوں دی عام ہاں
عزت ہنائی، آہنائی رہیں سوہنیا

آپ کا دوسرا سوال ہے کہ کیا آپ مزاج کی سخت ہیں؟

مزاج کی سخت ہوں نہیں، مگر بچپن میں عمر میں پورے خانمان میں غصے کی تیز مشورتیں، غلط بات پر خاموش رہنا نہیں آتا تھا یہ معلوم نہیں تھا کہ بعض اوقات ایک ہی بات کو غصے میں کہنے اور نرم مزاج سے کہنے میں کتنا فرق پڑتا ہے لیکن خیر یہ اسکول لائف کی باتیں ہیں پھر جیسے جیسے بڑے ہوئے تو یہی سمجھ میں آیا کہ غصہ تو ہر ایک کو آتا ہے لیکن اظہار کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں سو میں نے خاموشی کو چنا، نظر انداز کر دینے کو چنا شروع شروع میں میرے لیے یہ مشکل تھا لیکن جب مجھے اپنی خاموشی اور نظر انداز کرنے کے یہ بدلے دوسروں کی تملہاہٹ اور جھنجھٹا محسوس ہوا تو بڑا مزہ باز زندگی کے بعض معاملات میں ظاہر ہے کہ کبھی غصہ آ جاتا ہے لیکن میں کوشش کرتی ہوں کہ نظر انداز کرنے کے ہی پالیسی اپنائوں میں اپنے الفاظ اور وقت ان لوگوں پر ضائع کیوں کروں جو اس کے سختی کی نہیں، البتہ ایک دو ایسے قریبی لوگ بھی ہیں جن سے غصے کے وقت لڑنے کا بھی اپنا مزہ ہوتا ہے کیونکہ غصے کا خاتمہ ہمیشہ مسکراہٹ اور ہنسیوں پر ہوتا ہے۔

پیاری حلیہ، آپ نے اپنے غلوں اور محبتوں کو بیان کرتے وقت اپنی چھوٹی سرسبز شاعر بنی پسندیدگی اور محبت کا بھی بتایا ہے پڑھ کر خوشی ہوئی۔

پیاری ثنا آپ بھی خوش رہیے آج کل سے وابستہ رہے اور میری تحریریں پڑھ کر ہمیشہ اپنی قیمتی رائے سے ضرور آگاہ کرتی رہیے گا۔

سوئٹ حلیمہ عمر سے دور ان میرے لیے استیصال دعا کرنے پر میں آپ کی بھی شکر گزار ہوں اللہ آپ کو شاد و آباد رکھے

نو حکم سے زنیہ عمر کی کھتی ہیں کہ بیماری فاقہ تحریروں کے حوالے سے جتنے سوالات میں نے ترتیب دیے تھے وہ اکثر پوچھے جاتے ہیں تو سوچا میں آپ سے چند سوالات دشمن سے ہٹ کر پوچھوں، پہلے تو یہ بتائیں کہ اسکول، کالج، یونیورسٹی لائف کیسی گزری؟ جو بننا چاہتی تھیں وہ بن پائیں آپ کی شادی کیسے کر سکیں اور کن حالات میں ہوئی؟

اللہ زنیہ میرا ایک نام بہت ہی شاندار گزرا ہے اگر اب خود سے سب کچھ بتانے لگوں تو شاید مناسب نہ لگے ہو سکتا ہے پڑھنے والوں کو محسوس نہ ہو لیکن مجھے وہ اپنے من میں مضبو بننے والی بات ہی لگے گی لیکن مختصر آریہ بتانی چلوں کہ زمری سے یونیورسٹی تک اپنے پیچھے زکی آنکھوں کا تاریاری رہی، غیر نصابی سرگرمیوں میں سے کوئی ایسی ایکٹیوٹی نہیں تھی جس میں میرا نام سرفہرست نہ تھا، پڑھائی میں بھی ہمیشہ اگے ہی اور اب وہ نام یاد آتا ہے تو بہت خوش ہوئی ہے بعد میں ایک مرتبہ اپنے اسکول (حیدر آباد میں) جانے کا اتفاق ہوا اور جس طرح پرنسپل نے ہائی کلاس میں جا کر میرا تعارف کرایا وہ لحاظ بھی یاد ہے تب میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹ بھی اور اپنی ایک دوفرینڈز کے ساتھ ان سے ملنے گئی تھی۔

آج بھی نماز کے بعد اپنے اساتذہ کو ہمیشہ دعا میں یاد کرتی ہوں، جنہوں نے ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا، نڈان سب پر سلامتی اور رحمتیں نازل فرمائے۔

آپ کے سوال کا دوسرا حصہ ہے کہ جو بننا چاہتی تھی بنی کہ نہیں؟

بننا تو جو چاہتی تھی اس کا وقت ہی نہیں مل پایا کہ دوران تعلیم ہی شادی ہو گئی اور جب شادی ہوئی تب اتنا تنہا نہیں تھا کہ اپنی شادی ہو تو ایک شری لڑکی کو سر جھکا کر بلکہ شرابا کرت بنے پیچھے ہٹا جائے۔ سوچے ہی دھو لگی رہی گی میرا جوش و خروش دیکھنے والا تھا سب سے اونچی آواز میں ڈف، بجا بجا گانا گاتے دیکھ کر ”خجری“ امی کو لگی تھی اور انہوں نے موقع پر پہنچ کر مجھے روکا اور بھجایا کہ یہ شادی آپ کی اپنی ہے اس لیے گانے بجانے کے شوق سے پرہیز برتنا بہتر ہے۔ (بابی آپ اندازہ خود کر لیں)۔

شادی فرست کر ان سے ہوئی وہ میری خالہ کے بیٹے ہیں

شادی کے فوراً بعد پھر سے پڑھنے میں مصروف ہو گئی مگر تقریباً سو سال تک ہی پاکستان رہی اور پھر یہاں آ گئی۔

آپ کا سوال کہ کبھی اپنے رویے پر عتاب ہوئی ہو؟

جی ہاں، ایک مرتبہ یونیورسٹی میں ایک لڑکے کو ڈانٹا تھا اور پوری کلاس کے سامنے ڈاس پر کھڑے ہو کر ڈانٹا تھا جس پر اب بھی خیال آتا ہے تو سوچتی ہوں کہ خواجواہی ڈانٹا اتنا زیادہ روڈ ہونے کی ضرورت نہیں تھی جبکہ بات بھی کوئی خاص نہیں تھی ایک معمولی سا مذاق تھا بس اور اس کے بعد بواؤز دیکھتے ہی سائیز پر ہو کر رستہ دیتے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ کو انجوشن میں پڑھتے ہوئے لڑکیوں کو اپنا رویہ اسی طرح کا رکھنا چاہیے کہ کوئی بچی لڑکا فضول بات چیت کرنے کا سوچے بھی مت ہاں البتہ اسٹڈیز کے معاملات میں گروپ ڈسکشنز وغیرہ سے بھی انکار نہیں اور وہ ہماری کلاس کے شروع کے دن تھے مگر سب کے ذہن میں ایسا ایجینڈا تھا کہ لڑکیوں کے علاوہ باقی لوگوں میں مجھے روڈی اور پراؤٹر قرار دیا جاتا تھا چونکہ مجھے بالکل برائیاں لگتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں ان کے لیے ایسی ہی ہوں اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

کوئی قابل فخر ہے؟

بات کیونکہ یونیورسٹی کی چل رہی ہے تو چند اسٹوڈنٹس نے جب اپنے تھیمیز کا انتخاب میرے نام لکھا تو فخر تو نہیں لیکن ہاں خوشی ضرور ہوئی گی۔

کوئی دوست جس کو بھلا نہ پائیں ہوں؟

سینٹ یونا و نچرل حیدر آباد میں صوبہ سلطانہ اور فاطمہ بھٹی ان دونوں کو بہت مس کرتی ہوں شاید اس لیے بھی کہ ان سے رابطہ ایک دم اور چاکا ہی ختم ہو گیا میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طریقے سے ان کا کوئی اتنا چا کوئی فون نمبر، فیس بک آئی ڈی کچھ مل جائے لیکن کامیابی نہیں ہوئی، دعا ہے کہ دونوں جہاں ہوں خوش ہوں۔

زندگی گزارنے کے کوئی تین اصول؟

محبت، عاجزی، شکر گزاری۔

ڈیئر زنیہ، آپ کی بہت ساری محبت اور خوب صورت دعاؤں کا بہت شکریہ۔

رشنا بچوں، گرامی سے بہت ساری دعاؤں اور خلوص کے ساتھ جو کچھ پوچھتی ہیں وہ سب تقریباً پہلے پوچھا جا چکا ہے البتہ ڈیئر رشنا آپ کے سوالات کی ایسی لسٹ میں بیچ جانے

والے سوالوں کے جواب حاضر خدمت ہیں۔

اگر آپ کو لکھنے سے روک دیا جائے تو؟

پہلے ہی ابونے پھر پور حوصلہ افزائی کی پھر مسیوٹ نے بھی نہ کبھی روکا نہ ہی لکھنے پر کوئی پابندی لگائی تو اور کون ملایا کمال ہے جو روک سکتا ہے (ہاہاہا) اگر لکھنے سے روک دیا جائے تو یقیناً وہ وقت میرے لیے زندگی کا مشکل ترین وقت ہوگا کیونکہ اپنی مرضی سے اگر میں چار چار مہینے بھی نہ لکھوں تو شاید ٹینشن نہ ہو لیکن جب پتا ہو کہ کسی نے لکھنے سے منع کیا ہے پھر تو شاید ایک دن بھی گزارنا مشکل ہو۔

کس لیے لکھتی ہیں؟

اپنی ذہنی طمانیت کے لیے لکھتی ہوں کوشش کرتی ہوں کہ قلم کے ذریعے کسی کی زندگی میں نہ کسی سوچ میں ہی مثبت تبدیلی لانے کا باعث بنوں اور جب ہمیں کسی خط یا مہیج کے ذریعے اس بات کا ثبوت ملتا ہے تو خوشی ہوتی ہے۔

جنابیوں میں احتمال پندگی کی قائل ہیں یا شدت کی؟

اتفاق کی بات ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ میں احتمال پند رہوں لیکن شدت پندگی ہی حاوی رہتی ہے، میں ہر طرح کے جذبے میں شدت کی قائل ہوں محبت ہو تو بے حد ہو، بے پناہ ہو، یوں سمجھ لیں کہ کسی سے محبت ہو تو بس آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس محبت کے پیچھے چلنے والوں میں سے ہوں لیکن اسی طرح افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر کسی کے رویے یا عمل کے باعث دل میں بال آجائے تو پھر کوئی لاکھ کوشش کرے پہلے جیسی بات میں اپنے لی بیویز میں نہیں لا پائی معاف کرنے میں تھی ہوں معاف کر دیتی ہوں لیکن پھر ساتھ ہی رستہ بھی الگ کر لیتی ہوں کدو میں کسی کے لیے محبت باقی نہ رہے تو اداکاری کے طور پر محبت کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح کسی کے ساتھ دو دن بھی گزارنے ہوں تو خلوص اور محبت سے گزارنے جا ہیں جب میں دیکھتی ہوں کہ کوئی آپ کے خلوص کو کس یوز کر رہا ہے تو بڑی خاموشی سے وہ رستہ چھوڑ دیتی ہوں جس میں ساتھ چلنے والوں کی وجہ سے ہر وقت ذہنی لذت کا سامنا رہے۔

زندگی آپ کے لیے؟

اللہ کی طرف سے عطا کردہ حسین ترین تحفہ۔

رشنا آپ کی بے لوث محبت کے لیے بہت بہت شکریہ اللہ آپ کو سلامت و شاد رکھے آمین

عظمیٰ ظہیر، انڈیا سے لکھتی ہیں کہ فاقہ آپ اپنی کہتوں میں ہیرو کے کردار اور اس کی شخصیت کو تفصیل سے بیان نہیں کر سکیں کیا یہ آپ کی شعوری کوشش ہے، میرا مطلب ہے کہ جس طرح دوسری سائز ہر کے اٹھنے بیٹھنے سے لے کر سانس لینے تک کی جان کرتی ہیں۔

ڈیئر عظمیٰ تحریروں کی پسندیدگی کے لیے بہت شکریہ۔

واصل میں ہیرو کو شعوری طور پر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر اس لیے پیش نہیں کرتی کہ کم عمر لڑکیاں شخصیت کے انہی پہلوؤں کو ایک آئیڈیل کے طور پر اس طرح سمجھتی ہیں کہ پھر حقیقی زندگی میں ملنے والے رشتوں کو لاشعوری طور پر اس سے موازنہ کر کے جانچ لگتی ہیں۔ خواہش کرنے لگتی ہیں کہ کاش ان کی زندگی میں آتے والا ہیرو وہی ایسا ہو، انہی خوبیوں کا مالک ہو اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ کاش ان کے خوابوں کے ساتھ تھی ہو کر رہ جاتا ہے حسرت چمک جاتی ہے یا پھر کسی بندے میں ان خوابوں کا عکس نظر آنے لگے تو اسے ہی اپنا سب کچھ مان لینے کو بھی تیار رہتی ہیں۔

پتا نہیں کیوں لیکن کچھ بھی لکھتے ہوئے میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ احتمال پندگی رہے البتہ شخصیت کے جن پہلوؤں کو اجاگر کرنا ضروری ہوتا ہے وہ کر لیتی ہوں۔

کہانی لکھتے وقت ذہن میں کیا سوچ ہوتی ہے؟

کچھ بتاؤں تو کہانی لکھتے وقت اکثر میرے ذہن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ اگر ایو میری تحریر پڑھیں گے تو کیا سوچیں گے یا انہیں کیسا محسوس ہوگا، حالانکہ انہوں نے آج تک ”میں گلیاں دا روڈا کوڑا“ کے علاوہ میری کوئی کہانی نہیں پڑھی (کیونکہ وہ ناظر کے علاوہ باقی ہر طرح کی کتابیں پڑھتے ہیں) سو جب بھی میں کچھ ایسا سن لکھ رہی ہوں تو ہوں جہاں کردار کی ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ شاید اسے اور اس کے جذبات کو وضاحت سے پیش کیا جائے تو میرے ذہن میں ایو جی کا مسکراتا چہرہ آ جاتا ہے اور پھر کوشش ہوتی ہے کہ اس احتیاط سے لکھوں کہ اگر کسی روتی گردانی کرتے ہوئے ایو جی کے سامنے میری کسی اسٹوری کا صفحہ کھل جائے تو مجھے شرمندہ نہ ہو اور اللہ کا شکر ہے کہ اب تک اس میں کامیاب ہوں۔

زندگی میں اب تک جوملا اس سے مطمئن ہیں؟

جنتا دیار کا رنہ مجھ کو اتنی میری اوقات نہیں
 پتو کرم ہے ان کا رنہ مجھ میں تو ایسی بات نہیں
 اللہ بے حد مطمئن اور شکر گزار ہوں کہ میری اوقات
 میرے اعمال، میری خواہشات میری نیت اور میری سوچ سے
 بڑھ کر میرے مالک نے مجھے عطا کیا ہے، بس اللہ اٹھتے بیٹھتے
 شکر گزاری کی بھی توفیق دے گا مین

اور اب میری بہت پیاری دوست اور معروف رائٹر
 ساس گل بقی ہیں کہ زندگی سے کیا سیکھا؟ لکھنا آسان ہے یا
 زندگی کے ان مسائل کو برتنا آسان ہے جن کو آپ اپنی کہانیوں
 میں بیان کرتی ہیں۔

ڈیئر ساس کے حوالے سے یہ بتانی چلوں کہ میری اور ساس
 کی آج سے شاید چھ سات سال پہلے بات ہوئی تھی میں نے
 ساس کو بہت ہی برخلوں اور محبت کرنے والی دوست کے طور پر
 پایا اللہ میری دوست کو خوش رکھے۔

ساس اس میں بھلا کیا شک ہے کہ لکھنا آسان ہے
 بہ نسبت زندگی کے معاملات کو برتنے کے کیونکہ لکھتے وقت ہم
 خود اس دنیا کے کرتا رہتا ہوتے ہیں مرضی ہوتی ہے یاں کس
 کردار کو کس طرح ٹریٹ کرنا ہے اختتام خوشگوار رہیں یا
 افسردہ..... سب ہمارے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن اس کے
 برعکس حقیقی زندگی میں کب کون سا پیادہ زیر ہو جائے کہ خبر؟
 حقیقت میں ہم صرف ایک ایڈیٹر ہوتے ہیں دوسروں کے
 کیے گئے اعمال کے جوابدہ ہیں ہوتے ہیں جبکہ لکھتے وقت ہم اپنے
 ایک ایک لفظ کے جوابدہ ہوتے ہیں۔ اپنے نمبر کی عدالت میں
 بھی قارئین کے سامنے بھی اور پھر خدا کے سامنے بھی۔ بس دعا
 ہے کہ اللہ ہمیں تمام معاملات میں سرخو کروے تا مین۔

اور آخر میں ادوارہ آچل کا بہت بہت شکریہ جنہوں نے مجھے
 اتنی پیاری دوستوں سے ہم کلام ہونے اور اپنے بارے میں ان
 کے خیالات جاننے کا موقع دیا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آچل
 کے ساتھ ساتھ جواب کو بھی ترقی و کامیابی کی اعلیٰ ترین منزلوں پر
 لے جائے آپ کی محبت کی اور اخلاق کی میں دل سے قدردان
 ہوں اور سب کے سامنے اس بات کا اکثر اوقات اظہار بھی کرتی
 رہتی ہوں اس خوب صورت اخلاق کا اللہ کریم آپ کو اجر عظیم
 نصیب فرمائے تا مین۔

جاتے جاتے اپنی ایک لکھی ہوئی نظم آچل کے تمام قارئین
 کے ساتھ ساتھ رشتا، ام ہانی، حتا میر، جنین ملک، ستارہ کوئل،

عاصمہ مقبول، بس خان، رباب منظر، ندا حسین، سحرش فاطمہ، ماہ
 نور، بیہ صدیقی، مدیحہ نذیر، فریحہ شہیر، حلیمہ زمان، صوبیا طہر، بشری
 خان، صبا عیشیل، صائمہ جہاں، حمیرا، ملائکہ خان، ندیم نقیس،
 صائمہ جادو کش، فخرہ رباب، دھرن کن بلوچ، شاہین زماں، مٹی
 چوہدری، فیم، انجم، سلوی علی، ہادیہ شاہ، صائمہ قریشی، مسکان احزم،
 صائمہ سیم، افتخار، اریشہ فاروق، سائرہ وار، سدرہ آفاق، صاحبہ
 چیمہ سمیت باقی تمام دوستیں جن کے نام میں نہیں لکھ پائی
 (معذرت) ان کے ساتھ بطور خاص مہترمہ قیصرہ آرا صاحبہ کی پر
 خلوص محبتوں کی نذر آپ سب کے نام۔

یارب اس کی آکھلی رونق
 ہونٹ کی شوشی
 تن کا جو بن
 یارب اس کی آکھل کا جمل
 گال کی سرخی
 دل کی ہڑکن
 یارب اس کے سن کی خوشیاں
 دل کی چاہت، دھوک کی راحت
 اس کے سارے دشتے ناٹے
 سگی سائی دوست دہ سارے
 اس کے گھر کے کپڑے کے پتے
 قدموں سے مس ہوتے ڈبے
 اس سے جڑی ہر شے، ہر رشتہ
 ہر لہجہ، ہر گیت، ہر نغمہ
 اس کے سکھ کا ہر اک موسم
 یارب مدد سلامت رکھنا

فاخرہ گل
 اللہ ہماری محبتوں کو قائم رکھنے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔
 فاخرہ گل..... اٹلی

اگلے ماہ بہنوں کی عدالت میں پیش ہو رہی ہیں آپ
 سب کی پسندیدہ لکھاری ”نگہت عبداللہ“ جلد از جلد
 اپنے سوالات بذریعہ ڈاک ارسال کیجئے یا ای میل
 کریں۔ info@aanchal.com.pk

بیتے لمحے

ادارہ

- (۱) 2015ء میں آپ کی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی جس نے آپ کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا؟
- (۲) اس سال پیش آنے والا ایسا خوشگوار واقعہ جسے یاد کر کے اکثر مسکرائی ہیں؟
- (۳) 2015ء میں منانے جانے والے تہواروں میں کسی شخص کی کمی کو شدت سے محسوس کیا؟
- (۴) آچل کی رائٹر نے 2015ء میں اپنی تحریروں سے آپ کو کس حد تک مطمئن کیا اور آپ نے ان تحریروں سے کیا سبق حاصل کیا؟
- (۵) 2015ء میں کسی رائٹر کی تحریر میں آپ کو اپنی جھلک نظر آئی۔
- (۶) گزشتہ سال کون سی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ ہیں؟
- (۷) گھر والوں کی جانب سے کن باتوں پر عموماً تنقید کا سامنا کرتا ہوتا ہے اور کن باتوں پر تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں؟
- (۸) نئے سال کے آغاز کو گزشتہ سال کے اختتام پر کیا خواہشات ملی کے کل سے خود کو گزاری ہیں اور اپنی ذات کو کہاں دیکھی ہیں؟
- (۹) گزشتہ سال پیش آنے والا کوئی ایسا لمحہ جس نے آپ کو اپنے رب سے قریب کر دیا ہو۔

بڑھتا جا رہا ہے مگر غزل زبیدی کی اسلامی موضوع پر تحریر نے مجھے
 اب تک ایک بحر میں جکڑا ہوا ہے اتنی روح پرور اور ایمان کو تازہ
 کرنے والی تحریر پر مبارکباد۔

✦ میرا شریف طور کا سلسلہ وار ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ میری گڈ
 بک میں نمبرون پر ہے اس میں ان کے کردار میں مجھے اپنی جھلک
 نظر آتی ہے ویسے ہی میوڑی آتی ہے چڑوں کے پوزے سوا اور اپنے سے
 وابستہ رشتوں کے لیے خود دکھوں کو جھیلنا مگر بظاہر پر سکون اور
 مضبوط نظر آتا۔

✦ گزشتہ سال مستنصر حسین تارڑ کا ناول ”پرندے“ اشفاق
 احمد کا لویہ اور ”جنت کے تپے“ احمد کا ناٹک زیر مطالعہ رہا۔

✦ دلہا..... تنقید کی ایک بات پر نہیں بلکہ ہر بات پر سننے کو
 ملتی ہے بقول میری اہلی بکن سے دوچی نہیں جیسے تیسے اناسیدھا
 کام کیا اور بس کوئی کتاب ہاتھ میں پکڑ لی۔ بھائی کے بقول جلد باز
 بہت ہوں جس کی وجہ سے ہر کام غلط ہو جاتا ہے تعریفی کلمات
 خود اعتمادی معاملہ بھی اور بڑھائی میں بہترین اسٹوڈنٹ ہونے پر
 اکثر سننے کو ملتا ہے بقول خودی سے باغ باغ ہو جاتا ہے حاصل طور پر
 والدہ کے نہ سے نکلا کوئی عاصمہ اس کا تعریفی لفظ بھی میرے لیے بہت
 ہی قابل فخر اور خاص ہوتا ہے کیونکہ وہ تعریف بہت کم کرتی ہیں اور
 تنقید مت پوچھیں.....

✦ گزشتہ سال میرے رفیق والدہ 23 جولائی 2015ء کو انم
 سے چھڑ گئے۔ ایسا لگا اب زندگی بالکل ختم ہے اس سے پہلے بھی

☆ میرے خیال سے تو کسی لمحے کی ضرورت نہیں ہوتی اللہ تو ہماری شکرگاہ سے زیادہ قریب ہے ہمیں صرف محسوس کرنے کی ضرورت ہے اور عادل سے محسوس کر کے مانگیں وہ بھی ایک یقین کے ساتھ کہ میرا خدا مجھے ضرور روزگار (ان شاء اللہ) بے شک وہ دلوں کے مجید و خوبی جانتا ہے

☆ حراقہ فیسی..... ملتان

☆ تہذیبی.....؟

☆ تھا ایک چشمہ خاموش سا

☆ سراب دیتا تھا آب کا

☆ ایک نھا دلکش خاموش پرندہ

☆ پیاس کی تاب نہ لاتے

☆ عالم بے خودی میں

☆ لپکا اس کی جانب

☆ اسے لایق سرتھی

☆ آہ..... اسرار جب کھولا اس چشمے کا

☆ گر زیادہ مصمم اندھیرے میں

☆ گھلا اٹھا کر

☆ دل بوج کر پیاس نے مار ڈالا اسے

☆ کوئی ایسی خام تہذیب تو نہیں جس نے سرتاپا اس ناچیز کو بدلا ہوا اس ایسا ضرور ہے کہ اپنے فنی اقدامات کی چادر کو گھس دوڑاتا رہتا ہے اور ان مثبت پیش قدمیوں نے سرگزشت زریست کے باب کو بلاشبہ دلکش اور دلچسپ بنا دیا ہے اس نئے پرندے کی طرح اپنی خواہشات کی پیاس کو اتنا مت بڑھا نہیں کہ گرجا میں تو سنبھالنے والا بھی نہ ملے جیسے جیسے ہم بحرانی خوشگوار موجوں میں تہذیبیاں لاتی ہیں بالکل اسی طرح ہماری ذات کے ناچر بہ کارنامہ اتار چڑھاؤ ایک تباہ کن مستقبل کی کلید تھامے خبر کی بلند و بالا ٹہنیوں پر سایہ شکن ہیں (انٹرفلسفہ مت بھلاؤ لڑکی! یا یارمن کی کھلی آنکھیں بند ہونے لگی ہیں..... بوریست سے) شرعی پر دے کے عمل میں استقامت کی جڑیں مزید مضبوط ہو گئی ہیں پھر حقیقی حسن تو وہی ہوتا ہے ناں جس کے فرش پر آپ کے ظاہر و باطن دونوں یکساں ہیں بس ایسے ہی قبیلے سے آئے کل ہمارا کسرن بھی عیق و اوجا جاتا ہے

☆ خوشگوار لگتی ہے

☆ ہر وہ ساعت

☆ جس میں "تم" آئے ہو

☆ ہر وہ لقمہ..... جس میں تاثیر تمہارا لفظوں کی ہو
☆ ہر وہ کلہرؤ ہر وہ قدرت کا حسین منظر
☆ جس میں حسن تمہارا جھلکتا ہو
(یارمن کے لیے..... بقول جناب کے)

☆ خوشگوار واقعات تو ہمیں ہاں خوشگوار لکھوں کی فہرست پر نظر ڈالی جاسکتی ہے (یہ ایسے لمحات ہیں جب خوشی و غمی کی ملی جلی کیفیت اٹھنے والی ہوتی ملاحظہ کیجیے)

☆ جب لالہ رو (میری بھانجی) نے اس کائنات میں اپنی تشریف آوری کو ممکن بنالیا یوں لگا زمین سے پھوٹے بیج کو پھر بننے کی نوید مل گئی۔ جب بیٹ بیٹ بچہ (ہائے دی لوج) کا ایوارڈ و سند ملا (لڑکی تم واقعی قابل ہو گئی ہو یا بس لوگ سمجھتے ہیں کہیں اندر سے کوئی چمکے سے بولا اور ہم نے پتلون کی طرح آب پر آتے گھر (آنسو سرعت سے جن لیے ابوبکر کے بعد عمر (بھانجا) کا آنا ایک اور ذہن بیچ کا صفہ ہستی پر اضافہ (کیوں سر جی! ٹھیک کہا ناں) جب دو یا تین سال بعد شعاع کے ساتھ ساتھ اور خاموشی کو پیاس لے میں خود کو پایا (نا قابل بیان خوشی)۔ سندس کی رلے ہمیشہ معتبر رہے گی اپنے دل ناؤک کے نہاں خانوں میں ہر جاک اللہ حبیب من۔ مجھے کچھ زیادہ تواب یاد نہیں آ رہا لیکن اتنا ضرور علم ہے کہ رب سوچنے نے اپنے جذبوں کی سعادت میں صدق اور مقصد کی تکمیل میں لگن اور دائمی محنت کا عنصر رکھا ہے (پھر بعد اظہار تشکر سجدے میں کیونکر جا سیں۔)

☆ ہر اک شے ہر جھماکی گئی ہے

☆ ہوا بے خلق نہیں دیتی

☆ گل بے بو کھلتی نہیں

☆ بیج بے تہذیب نہیں ہوتا

☆ گفتگو بے ربط کا عنصر نہیں

☆ بہار بے خزان کے رنگ میں ہے

☆ رخ بے بے وقت

☆ روشنی بے ہی نہیں

☆ دیکھو جو نور سے

☆ جہاں بھی تیری یاد کے منظر نہیں ہیں

☆ وہاں جا بجا

☆ تیرگی کے سائے جاگزیں ہیں.....!

☆ امی جان! (ہر سرتعمم کامیابی کے لمحات میں شدت سے یاد آتی ہیں۔)

☆ رائز نے نہ صرف مطمئن کیا بلکہ اپنے لفظوں کی ملاحت و حلاوت اور کرداروں کے تغیرات سے یارمن کے حسن میں مزید اضافہ کیا۔ جیسے کوئی لطیف بادل چاند کے ہر گوش روپ کو اپنے اندر سولیتا ہے (جزاک اللہ)۔

☆ یارمن حرا جیسی شخصیت بھی تحریروں میں پائی جاسکتی ہے؟ جنت ہو یوں گار چاکلیٹ..... بس رہنمائی کیجیے

☆ قدرت اللہ شہاب کی "ماں جی" اشفاق احمد کی "زلوہ" مستقر صاحب کی "غار حرا میں ایک رات" یہ وہ کتابیں ہیں جنہوں نے اس ناچیز کم عقل کی ذات پر انکشاف کا ایک ڈھیر وا کیا کہ "ابھی تو کھنے کے معاملے میں اچھے خاصے کھے ہیں آپ کی حرا قریشی" بہر حال یہ رائز ہیں جو آپ کو سکوت کی دنیا سے شہر کی طرف لے جاتے ہیں اور شو بھی ایسا درانگیز اسراروں سے بڑھ دو عالم کے حقائق واضح کرتا آپ کو ایسی جگہ پر لے جاتا ہے جہاں تاجین حیات آپ گزر بسر کرنے کو مستعد ہو جاتے ہیں۔ جزاک اللہ اس لم بزل کا جس نے مجھ کی معلومات سے چند نادر و نایاب سیکے منتخب کرنے کا موقع فراہم کیا۔ جزاک اللہ اس رب سوچنے کا جس نے ان کی تحریروں کو ہری ذات میں مدغم کر کے بجز وانگاری کی جانب راغب کیا۔ جزاک اللہ اس پاک پروردگار کا جس نے ان اعلیٰ پائے کے رائز سے مجھے ملوا کر مجھ میں مرے خدو خدل کے اسرار میں ایک نادر و نادر قوت بھری جو دنیا سے نکال کر جنت کی طلب پر اسکا ہے اور رب سوچنے کی مزید قربت عطا کرتی ہے۔ جزاک اللہ یارمن کا جس کی بدولت مجھے ان مشاہدات کو منظر عام پر لانے کا موقع مل رہا ہے۔

☆ تنقید..... ارے لسی دسی ایک کی چار دو کی چھ تہنی چاہے انکھی کر لیں (جانتا شروع کیا ناں تو آپ اکتا جائیں گے اور ہمیں آپ کے شوق کا بخوبی پتا ہے ہلہلہ)۔ تعریفی کلمات ان لفظوں پر لگتے رہتے ہیں جو اشاعت کے مراحل میں آچکے ہیں۔

☆ کوئی نادر و نادر سا نقطہ ہے جو دل و دماغ کی کئی پر عیاں ہونے کا پتا دینے لگا ہے کب ظہور پذیر ہوگا؟ رب سوچنے سے بہتر کوئی نہیں جانتا بس مری ذات اسی نقطہ کے منکشف ہونے کی منتظر ہے۔ جہاں تک احتساب کا تعلق ہے تو اس کے لیے سال کے اختتام کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر اس دن ہر اس لمحے ہوتا ہے جب مجھے اپنی غلطی کا ادراک ہو جاتا ہے سو ان غلطیوں کے تذراک کے لیے کوشاں ہیں۔ (رب سوچنا حرا کو نیک ہدایت دے آمین۔ والدہ! اکثر لکھتی تھیں۔)

☆ مجھے معلوم ہے ابھی میں ان خوش بخت لوگوں سے دور ہوں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے ہیں۔ سہمی میں تسکین ہے بقول واصف کے "اللہ کی قریب ہونا ہے تو اس بندے کے قریب ہو جاؤ جو اللہ کے نزدیک ہے" آپ دعاؤں کا دامن حرا کے لیے کشادہ رکھیں۔ ہم ان لمحات کی پردہ نشانی کے لیے منتظر فرما ہیں جب کہیں اندر نہایت اندر رب سوچنے کی ذات کا نزول ہوگا۔

☆ سوؤ و ستو.....

☆ تمہیں نئے سال کی نوید ہو

☆ اس کی گھڑیاں سے

☆ تم وہ جو ہر حیات کشید کرو

☆ جو سامان زندگی کا خزانہ تھے

☆ جو تیرگی میں روشنی کا دامن تھے

☆ جو جھلنے پھولنے کو شبانی رنگ عطا کرے

☆ جو تھکے ہاروں کو ملی دولا سے کی امید دے

☆ بھوکوں کو رزق

☆ بوڑھوں کو جوانی

☆ نو بہاؤں کو باغین عطا کرے

☆ تم گریہ سب چاہتے ہو

☆ تو دست پر میرے دست اپنا رکھو

☆ باہم لسی قندیل جلا میں گے

☆ روشنی جس کی فلک کو چھوئے گی

☆ اور ہم.....

☆ آسمان کے پار اداس لوگوں کو مسکراہٹ دیں گے

☆ کچھ یوں.....

☆ نئے سال کی آہٹ دیں گے

☆ سب جانتے ہیں کہ سورج تمام عالم میں روشنی و حرارت کا منبع ہے لیکن وہ یہ کام نہیں کر سکتا جو شب کی تیرگی میں ایک چھوٹا سا لیپ سر انجام دیتا ہے لہذا امید کا دامن بھی نہ چھوڑیں۔ عروج و زوال کے رنگ سب کے لیے ہیں نیا دن سے منسلک لوگوں کے لیے ڈھیروں دعا میں آپ کی کوئی سی توجہ اور دعا کی طلب گار آپ کی اولیٰ سی خاکسار۔

☆ اقصیٰ مریم..... فتح جنگ

☆ 2015ء میں لوکی کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن 2013 میں جب میری بہن جیسی دوست کی وفات ہوئی تھی تو اس واقعہ نے مجھے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔

☆ میری کزن نے اس بار مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے رات بارہ بجے بڑھ ڈے شو کرے گی میری بڑھ ڈے 131 کتور کو تھی اسے کسی نے 30 کتور کو بتایا کہ کتور 30 کا ہوتا ہے اور کل یکم نومبر سے اس کو نوے فوراً سے مجھے ایس ایم ایس کر دیا بڑھ ڈے گا اور سوری کے ایس ایم ایس سینڈ کرنا شروع کر دیے کس نہیں رات بارہ بجے شو نہ کر سکی مجھے معاف کر دو اور پتا نہیں کیا کیا اس کے ایس ایم ایس بڑھ کر آئی ہلی پھر میں نے بتایا کہ میری بڑھ ڈے تو کل سے وہ بے چاری بہت پچھتاہی۔ میں نے اس کے ایس ایم ایس اچھی بھی موبائل میں رکھے ہوئے ہیں جب بھی بڑھتی ہوں بہت ہنسی آتی ہے بے چاری مجھے سر پرانز دینے کی چکر میں خود اوبین گئی۔

☆ اپنی دوست کی کمی میں ہر لمحہ محسوس کرتی ہوں ہر پل وہ میری یادوں میں ہوتی ہے۔

☆ اس بار میری مصروفیت کچھ زیادہ تھی اس لیے اتنا نام آچل کو نہیں دے سکی لیکن ایک اسٹوری سے مجھے بہت سبق ملا میرے خیال میں عائشہ نور محمد کی کہانی بھی نام ذہن سے نکل گیا ہے اس میں پیپڑ کے کردار سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے یہ کہانی بہت سبق آموز ہے۔

☆ سیرا شریف طور کے ناول "تونا ہوتا تارا" میں اتنا کے کردار میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے میں بھی اس کی طرح تصویر بے قوفی ہوں سب کہتے ہیں پر مجھے نہیں لگتا اہلہ۔

☆ اس سال میں نے میرا احمد کا ناول "میر کا کل" پڑھا ہے جتنا اس کے بارے میں سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا ہے بہت ہی زبردست ناول ہے ہمیں اسلام کی طرف مائل کرنے والا ناول میرا تو مشورہ ہے کہ جس کسی نے اسے اچھی نہیں پڑھا وہ ضرور پڑھے۔

☆ حجاب میں چھوٹی سی بات پر بھی رو پڑتی ہوں تو مجھے گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہیں اور میرے مزاج کی وجہ سے تعریف کرتے ہیں سب لوگ۔ میں خوش مزاج قسم کی لڑکی ہوں ہر کسی کے ساتھ اچھے مٹھ میں بات کرنا کسی سے چھٹو نہ کرنا اور ہر ایک کو خوش دیکھنا میری عادت ہے جس کی وجہ سے سب لوگ میری تعریف کرتے ہیں۔

☆ میرے چاچو کو اس سال حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی وہ رہتے بھی بہت زیادہ بیمار تھے جب وہ مکہ مکرمہ گئے تو وہاں پیش آنے والے کریں حادثے نے مجھے اپنے رب کے اور نزدیک کر دیا۔

عائشہ حسین..... گوجرانوالہ
☆ چیخ اکر پاز ہو تو زندگی سنوئی چلی جانی ہے لیکن اگر نیکیو ہو تو..... پھر اللہ ہی مالک ہے میں اچھی خاصی بے پروا پڑاؤ ڈی اور سیانی ہوتی تھی مگر اب میں آس اور پاس کے درمیان لنگ رہی ہوں۔ اپنے مستقبل کا خوف پریشان رکھتا ہے حالانکہ میں پریشان نہیں ہوتا چاہتی (بخدا مجھے کوئی بوڑھی عورت نہ سمجھا جائے کہ میرے گھر والے میری شادی کر دے ہیں ناں تو سرال نامی بلا جان بھیج رہی ہے) شادی شدہ خواتین اسے مشوروں سے نواز سکتی ہیں) آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہے بس یہی فکر مجھے پہلے والی عائشہ سے مختلف کرنی جاری ہے ویسے آپس کی بات ہے تبدیلی زندگی کا دوسرا نام ہے۔

☆ خوشگوار واقعات نے ری زندگی اچھی چلی میرے کی زندگی تھی رنج کے خوش گوار سارا سوا دی گوجر گیا اب تو (چی) اچھا ایک بتائی ہوں جو کی کوئٹہ پتا میرا جیتے جاگتے انسان (شیر) رمضان میں انیسویں روزے کو چھت پر ملکی ہلی پاش میں میں کپڑے اور ری تھی وہ شیر چھت پر روٹی لایا ہوا تھا کھانے کے لیے ایسے اچھا وہ روزہ تھا اس نے مجھے کہا کہ (آئی توئی کھانا) آئی روٹی کھانا میں کھلائی گی پتا ہی نہ چلا کہ خود بھی کھانے کی کھالی گئی کھالی گئی روٹی ختم ہوئی تو خود بھی پانی پیاتی پھر کے اور شیر کو بھی پلا یا بعد میں یاد آیا کہ میرا اور روزہ تھا (جس میں چھوٹی گئی تھی) اور میں نے خالی پیٹ روزہ کھا ہوا تھا صبح سات بجے جا کی تھی ناں سحری بدوقت جاگ نہیں سکی تھی (اللہ نے روزہ پکا کر دیا) بہت ہنسی آتی ہے یاد کر کے اور میں نے کسی کو بتایا بھی نہیں نیچے کر (اظہار کی کتاب میں چوری چوری ہنسی رہی)۔

☆ 2015ء میں بھی اودا سندھ تمام زندگی میں بھی اپنی ایسوں (دوای ہیں ناں) کوئی مس کروں گی میری دہوں ماما کی وفات ہو گئی جہاں ان کے علاوہ میرا کوئی کس کیا۔

☆ مطمئن تو نہیں ہوں کیونکہ پرانی راز راز زیادہ اچھا لکھتی تھیں نورا راز زندگی اچھا لکھتی ہیں مگر اب پہلے جیسے بات نہیں خیر ہمت مردان مدد خدا لگے ہوئے ناں آپ لوگ مزید بہتر ہوتا جائے گا (ان شاء اللہ) اور سبق سیکھنے والی ہستیاں تو کوئی اور ہوں گی ہم تو سکھانے والوں میں سے ہیں (جسٹ گڈنگ) اب میں بات کی گہرائی میں نہیں جاتی جیسے کوئی بات کہتا ہے اس بات کو ویسے ہی اڈاپٹ کرتی ہوں۔ یاد گہرائی میں جانے سے بھی اپنا نقصان ہوتا ہے بات کہنے والا اپنی مرضی کی بات کرتا ہے اور یہ جاوہ

جا فائدہ دو گئی سوچیں سوچنے کا سطحی لوگ سطحی باتیں اور سطحی طلبہ بزرگ جو کہتے تھے کہ ہر بات کی تہہ میں ایک بات ہوتی ہے اور وہی اصل بات ہوتی ہے یہ بات اس دور پر تو پلائی ہوتی نظر نہیں آتی مجھے۔

☆ میں نے بھی خود کو بوڑھی سمجھا ہی نہیں میری صرف ناولز فلز یا راز میں ہوتی ہیں حقیقت میں تو بس عورت ہوتی ہیں جسے مختلف کردار ملے کرنے کو مل جاتے ہیں (بلا معاوضہ) بھی ماں کا بھی بیٹی کا بھی بیوی اور بھی بہن کا میں باڈی کی تحریر میں جھلکنے سے نہیں۔

☆ بہت سی کتابیں زیر مطالعہ بلکہ زیر محاورہ ہیں ایک تو یارمی شہر دل بیکلی راجپوتان کی مکملہ حاصل میری ذات ذرہ بے نشان بشر مشن آخری معرکہ مقدس اور بھی ڈھیر ساری کتابیں پڑھی ہیں۔ کس کس کا بتاؤں اور کس کو کچھ پڑوں۔

☆ سماء جتنی ہے کھانا بنا سکو ضرور لگے گھر جا کے اپنا سر رکھاؤ گی۔ کبھی کہتی ہے روئے کا تہہ مارا شوہر جب روزہ صبح دوپہر شام ریسیچر بدل بدل کے مختلف نام لپٹے پاس سے ہی رکھ کے تم اسے آئیٹ بنا کے کھلاؤ گی یا پھر کبھی ہی کر لیا کرو تمہاری غڑ کر لائی چاہے اور رات کو سوتے ہوئے جتنی چاہا (بال) کیوں سمجھ رہے ہیں ایسے نہیں ہوں گے ان کو سب ڈال کے بانہا کر دوڑ رہی کیا کرو اور بھی بہت کچھ کیا کتابتاں (اپنی بھی عزت ہے) ہاں آخری کتابیات ہمیشہ بلکہ اکثر میرے لیے باہر کے لوگ ہی کہا کرتے ہیں یا ناں تو گھر کے لوگ تو نایدہ خامیاں بھی بتاتے ہیں۔ مجھے اسٹریڈ ڈیپلن (جو ہے ہی نہیں مجھ میں) پر اچھی ڈرنگ چو اس پر پینچنگ کے بیٹھ پڑ کر تعریف سننے کو ملتی ہے اور ہاں یاد آیا خوب صورتی پڑھی۔

☆ سچ بتاؤں روشن لائف گزارتے پتا ہی نہیں چلتا کب محرم آیا کب گیا کب جنوری آیا اور کب گیا دے پاؤں وقت گزرتا ہی چلا جاتا ہے ہاں رات سوئے کے وقت دعا میں پڑھتے ہوئے سامنے دن کے گناہ گار کے معافی مانگتی ہوں اللہ تعالیٰ سے اور جناب اپنی ذات تو تنہا میں نہ تیرہ میں۔ بہت فکر میں گزرتے ہیں روز و شب بھی تو کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی اپنی ذات۔

☆ اپنی خالد جان اور ان کی فیملی دیکھ کر بے اختیار اللہ کے قرب کی چاہ کی اللہ کا دیسب کچھ ہے مگر کسی بدخواہ کی نظر کھائی جارہی ہے خدا سے پناہ مانگی ہوں کہ وہ میرے وقت سے بچا جائے سنا پ کو مجھے اور ہم سب کو دور رکھے آمین۔

قوة العين کمبوه..... راجہ رام
☆ 2015ء کا سال بلاشبہ بہت بھاری رہا ہے بہت سی یادوں کے انٹ نفوش چھوڑے یہ سال رخصت ہوا ہے بہت سے لوگوں کے اس دنیا سے چلے جانے سے زندگی بہت بدل گئی ہے اور زندگی نے ایک دم بہت بڑا کر دیا ہے صبر کرنا آ گیا ہے ہر چیز پر اور رب کی رضا میں ماضی ہونا سیکھا ہے۔

☆ اس سال کے حوالے سے کوئی خوشگوار واقعہ ذہن میں نہیں ہاں مگر فیس بک کے حوالے سے بہت سی خوشگوار یادیں ہیں ہوا کچھ یوں کہ میں نے اپنی پام لائن پر فرحان ناز ملک کے حوالے سے بہت سی پوسٹ لگائی تھیں وہی میں اور پروفائل پر پچھری عبد اللہ ذہیل اور حفصہ کی لگائی رہی پہلے سال تو سب لوگ مجھ کی رشتہ دار مجھے لگے اتنی ریلکٹس لسنے ان باکس سو مجھے ہمیشہ ہنسی آ جاتی تھی اور میں سوچتی ہوں کہ انہیں کیا جواب دوں ایک اور واقعہ یہ ہے کہ میری دوست نے مجھے کھانے پر فوائٹ کیا اور جب میں پچھنی تو سب کھانا مجھے ہی تیار کرنا پڑا کیونکہ اس کے سر پر ولات تھے مجھے اور وہ انہیں ناگہم سے لگ گئی یہ بات جب بھی یاد آتی ہے تو ضرور ہنسی ہوں۔

☆ اس سال کی دونوں عیدوں پر میرے بھائی ہمارے ساتھ نہیں تھے ایک جاب کی وجہ سے نہیں آ سکے اور دوسرے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے عید بہت لاکھوری رہی۔

☆ سب سے ناولز بہت اچھے تھے مگر اقبال بانو کا "اے چشم غم تو نہ چھلک" نے بہت زیادہ متاثر کیا ایک یادگار فسانہ اور امر میمن کی کی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

☆ تونا ہوتا تارا کی اناس میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے۔

☆ کتابیں تو ہر وقت ہی زیر مطالعہ رہتی ہیں اس سال ابو جی خان کی کتاب "پیارنگ لاگا مقدس" بچپن کا دوسرا بیکلی راجپوتان کی مکملہ پڑاؤ پائنٹ اور بھی بے شمار پڑھی ہیں۔

☆ میرے گھر والوں کو ہمیشہ مجھ سے شکایت رہی ہے کہ میں اپنی ہم عمر دوستیں نہیں بناتی میری ساری دوستیں مجھ سے بڑی ہیں اور وہ وہ بچوں کی مائیں ہیں اور مالدت اچھی تیس سال کی بھی نہیں ہوئیں۔ گھر کو بہت اچھے سے سنبھالا ہوا تھا اس پر تعریف سننے کو ملتی ہے۔

☆ 2015ء کے حوالے سے کچھ بھی یادگار نہیں صرف اتنی تبدیلی آئی ہے کہ میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا اور نئے سال میں خود کو مصروف دیکھی ہوں کہ پڑھائی اور ڈائجسٹ کے علاوہ شاید ہی کوئی سرگرمی ہو۔

☆ فرحانہ ناز ملک کا اس دنیا سے چلے جانا اور اپنے پیچھے بہت سے لوگوں کو دھوا چھوڑ جانا میں آپس میں بھی نہیں بھلا سکتی اور میں اس حادثے کو جب بھی سوچوں تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور میں ایک لفظ بھی نہیں بولی پاتی۔ وہ میری دعاؤں میں ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اللہ ان کے درجات بلند کرے آمین۔

اس طرح دل کے زردا لنگن میں تیری یادوں کے دباغ جلتے ہیں جیسے ندی میں ٹوٹی قبروں پر سب سے سب جراغ جلتے ہیں

اجازت..... وقت آپ سب کو سلامت رکھے آمین

ضمیمہ فار..... فتح جنگ

☆ گیا سال 2015 مجھے ایسا زخم دے گیا ہے جس نے مجھ سے میری پیاری امی جان کو چھین لیا 18 نومبر سردت ہم پر ایک قیامت ٹوٹی جس کی یاد میں زندگی بھر خون کے تسو لانی رہے گی۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ امی مر گئی ہے۔ میں کہتی ہسپتال میں ہے اور کبھی کہتی ہوں کہ امی جان ابھی مجھے آواز دے گی "تمہیں بیٹا بھائی صبح ہوگی تمہارا پرہو قرآن مجید کی تلاوت کرو" کون کہتا ہے موت آئے گی تو مر جاؤں گا میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا میری امی کی شخصیت مہمان نوازی، سچائی، لگاتار داری اور اخلاق کی لوگ تعریف کرتے ہیں۔ نماز کی پابندی، روزے کی پابندی، دین سے رخصت ہوتی ہیں قرآن پاک کی صبح و شام تلاوت کرنی دیتی تھی۔ ہم بہن بھائیوں سے بہت محبت کرتی تھیں جس طرح میری امی نے بڑی بہادری کے ساتھ بہادری کا مقابلہ کیا وہ بھی کیا قابل ذکر ہے۔

☆ ایسا کوئی خوشگوار واقعہ اس سال نہیں ہوا اس سال نے ہمیں غم دیئے ہیں۔

☆ 2015 میری پیاری امی جان اور نانی اماں کی کمی کو شہادت سے محسوس کیا نانی اماں کی وفات 20 اکتوبر اور امی جان کی وفات 18 نومبر کو ہوئی۔

مرنے والے مروت جاتے ہیں مگر فنا ہوتے نہیں یہ حقیقت ہے وہ ہم سے جدا ہوتے نہیں

☆ آج کل کی رائج نئے ہمیں بہت مطمئن کیا "توٹا ہوا تارا" موسیقی محبت شب جگر کی چوٹی بارش "بہت زبردست سلسلہ وار ناول چل رہے ہیں۔ ان کی تحریروں سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے

بلا وجہ کی پر شک نہ کرے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ سے کرے۔

☆ کبیر اشرف طہ "توٹا ہوا تارا" اور سب اس گل "محبت دل کا سجدہ ہے" کی تحریروں میں اپنی جھلک نظر آتی۔

☆ گزشتہ سال اسلامی کتابیں زیر مطالعہ رہیں ان کتابوں میں سیرت النبی ﷺ پسند آئی۔

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد علیہ السلام رقم نہ ہوتا یہ ماہ ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح قلم نہ ہوتا

☆ گھر والے خصوصاً امی اور ابو جی رات کو رسالہ (آج کل) پر عموماً تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کم شدہ چیزوں کو ڈھونڈ لیتی ہوں اور ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آتی ہوں تو تب تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں۔

☆ سال کے آغاز میں بہت شوق چنچل ہوا کرتی تھی لیکن 18 اکتوبر کو امی جان کی موت نے ہماری مسکراہٹ کو غم میں بدل دیا۔

18 اکتوبر کی رات میری پیاری امی جان کو ہم سے چھین کر چلی گئی۔

گزر گئے وہ رات دن چھڑ گئیں وہ ساتھی

مگر یہ کیا کہ دل پر یہ جہاں ثبت ہو گئے

☆ امی جان کی موت نے ہمیں دھلا کر رکھ دیا ہم سوچ بھی نہیں

سکتے تھے ہماری امی جان دل کے قریب رہتے بھی نہیں چھوڑ کر جاسکتی

ہے امی جان پانچ سال کے عرصہ میں جس بہادری کے ساتھ

بہادری کا مقابلہ کرتے کرتے خاک کا لہری اور موت جیت گئی۔

مجھے اس بات پر بڑی خوشی ہوئی کہ میری امی جان کا آخری دم

کلہ طیب اور کلہ شہادت پڑھنا نصیب ہوا۔ کلہ شہادت پڑھ کر اپنی

خالق حقیقی سے جا ملی۔ امی جان کی لبوں پر مسکراہٹ بتا رہی ہے

کہ ان کا رب ان سے راضی ہے اور انہیں جنت کی خوش خبری

سنائی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور سورۃ یسین کی تلاوت سے

اپنے رب کے نزدیک کرو یا اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہنے کا

اجز ثواب آخرت کی امید میں صبر کر رہی ہوں۔ دنیا فانی ہے ہم

سب کو لوٹ کر امی جگہ پر جانا ہے۔

رخصت ہوا تو باب مری جان لے کر گیا

جو اس کے پاس تھا وہ مجھے دان کر گیا

چھوڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(بیٹے کے کاغذیہ حصہ ماہنامہ حجاب کے شمارے جنوری میں پڑھیں)

☆

پس منسلک
رفعت سراج

آنکھیں جن کو دیکھ نہ پائیں سپنوں میں بکھرا دینا

جنتے بھی ہیں روپ تمہارے جتنے بھی دکھلا دینا

دل ساگر ہے دل دریا ہے اس دریا کی، اس ساگر کی

ایک ہی لہر کا آنچل تھاے عمر یہ ساری بتا دینا

”اے لو..... پھر چلی گئی کم جنت..... خبر نہیں سرکارا

احسان بھی کیوں کرے ہے اپنی بتی اپنے کئے کو بلکہ سر پر رکھ کرناچ.....“ میٹھن بوا کی نیند میٹھن جھن کرتے پھروں سے ٹوٹی تھی۔ اک اک حرف بھڑکتے تنور سے نکلتا تھا۔

”توبہ ہے بوا..... اب تو عادی ہو جانا چاہیے ہر گھنٹے بعد ایک سی تقریر کرتے آپ گھنٹی نہیں؟“ پیاری نے چار اور پھیلے گپ اندھیرے میں اندازے سے رخ دان کی طرف بڑھتے ہوئے گوشت کے عالم میں کہا۔

”اے نہیں تھکتے..... صبح دوپہر شام بولیں گے تو جزیئر ٹھیک ہوگا..... ورنہ کس کو پروا ہے پچھڑوے ہے تو ماں دودھ پلاوے ہے..... مشہود میاں بڑے نیم پیواری بنے پھرتے ہیں اپنے کسی لوٹے لپاڑے کو گھر بیچ کر یہ موا جزیئر اٹھوائیں، کارگر کیوں گھر آنے لگے ہندی لگی ہے تلووں میں..... وہ چین جاپان کی بتیاں بھی جل بجھ تک مریں.....“ میٹھن بوانے نیکی کے نیچہ پایا ہوا ہاتھ کا پتھکا نکالا اور یوں ہوا کرنے لگیں گویا شعلوں کو ہوا دے رہی ہوں۔ پیاری اتنی دیر میں رخ دان میں لگی بڑی سی شمع روشن کر چکی تھی۔

مشہود کی کسانٹنٹ جانے والی تھی اسے دن رات کا ہوش نہیں تھا، تین ایمر جنسی لائٹس خراب پڑی تھیں ایک واش روم کے لیے ریزرور بھی جاتی تھی۔

جب سے میٹھن بوانے واش روم میں موسم بتی سے فلیش نینک جلا لیا تھا..... اس دن سے اتنا ڈر گئی تھیں کہ موسم بتی لے جانے سے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانا بہتر

”اے لو..... پھر چلی گئی کم جنت..... خبر نہیں سرکارا

احسان بھی کیوں کرے ہے اپنی بتی اپنے کئے کو بلکہ سر پر رکھ کرناچ.....“ میٹھن بوا کی نیند میٹھن جھن کرتے پھروں سے ٹوٹی تھی۔ اک اک حرف بھڑکتے تنور سے نکلتا تھا۔

”توبہ ہے بوا..... اب تو عادی ہو جانا چاہیے ہر گھنٹے بعد ایک سی تقریر کرتے آپ گھنٹی نہیں؟“ پیاری نے چار اور پھیلے گپ اندھیرے میں اندازے سے رخ دان کی طرف بڑھتے ہوئے گوشت کے عالم میں کہا۔

”ارے بیٹا کون ہے؟“ میٹھن بوا کو کسی کل چین نہ پڑتا تھا۔

”وہ..... دانیال ہیں بوا.....“

”ارے تو بیٹا کواڑ کیوں نہیں کھولتیں..... یہ تو ہمارا اپنا بچہ ہے۔“ پیاری تو جیسے اشارے کی منتظر تھی۔ جھٹ گیٹ کا ڈیلی گیٹ وا کر دیا۔

”دانیال..... آؤ بیٹا آؤ..... اندھیر مگر چو پٹ راج ہے اس دخت تو..... سمل (سنہیل) کے باؤں دھرتا میرا بچہ.....“ میٹھن بوا کی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔

دور سے آتے ہوئے کسی ہیوی ویٹل کی ہیڈ لائٹس لمحہ بھر کو پیاری پر پڑی تھی۔ دانیال نے اس لمحے کو قید کر لیا ضائع نہیں کیا۔

زرد گلابی احتراج کے جدید تراش کے ملبوس میں پیاری اسم بائسکی دکھائی دی۔ گھبرائی گھبرائی پلکیں جھپکتی ہوئی۔ دانیال نے قدم اندر رکھا اور پیاری نے پٹ بند کر دیا۔

”السلام علیکم بوا!“ دانیال نے بوا کی آواز سے سمت کا تعین کر لیا تھا۔ کیوں کہ شیخ اندر لاؤنج میں جل رہی تھی۔ باقی سارا گھر تاریکی کے جم و کرم پر تھا۔

”جیتے رہو..... سنا ہے آپ انجینئر ہو..... انجینئر تو مشینیں ٹھیک کرتے ہیں۔ بیٹا ہمارا جزیئر تو چالو کر دو اللہ آپ کا بھلا کرے۔“ پیاری نے گویا اپنا سر پیٹ لیا۔

”بوا یہ وہ انجینئر نہیں ہیں آپ سے بھی بس حد ہے۔“ پیاری تکلف میں غصے کا بھر پورا اظہار نہ کر پائی۔

”اچھا اچھا تو پھر یہ وہ انجینئر ہیں جو زمین سے تیل نکالتے ہیں۔“ بوانے از خود ہی سب کچھ سمجھ لیا اب وہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھیں اور تخت کے نیچے پڑا پاندان بھی اٹھا لیا تھا۔

”یہ ان تلوں سے تیل نکالتے ہیں جن میں تیل نہیں ہوتا۔“ پیاری کی حس لطیف انگریزی لے کر جاگ چکی تھی۔ اس نے دانیال کو یوں چھیڑا گویا سر چھیڑ رہی ہو۔ دانیال خفیف سے انداز میں مسکرایا مگر اس نے پیاری کی طرف

”یہ ان تلوں سے تیل نکالتے ہیں جن میں تیل نہیں ہوتا۔“ پیاری کی حس لطیف انگریزی لے کر جاگ چکی تھی۔ اس نے دانیال کو یوں چھیڑا گویا سر چھیڑ رہی ہو۔ دانیال خفیف سے انداز میں مسکرایا مگر اس نے پیاری کی طرف

”یہ ان تلوں سے تیل نکالتے ہیں جن میں تیل نہیں ہوتا۔“ پیاری کی حس لطیف انگریزی لے کر جاگ چکی تھی۔ اس نے دانیال کو یوں چھیڑا گویا سر چھیڑ رہی ہو۔ دانیال خفیف سے انداز میں مسکرایا مگر اس نے پیاری کی طرف

ابھی تک ایک ارادی نظر بھی نہیں دوڑائی تھی۔

”میں سول انجینئر ہوں بوا جو یلوے ٹریکس پل اور بڑی بڑی بلڈنگز بناتے ہیں۔“ دانیال نے ذرا وضاحت سے جواب دیا۔

”اوئی اتنی بڑی بڑی چیزیں بناتے ہیں آپ..... یہ موا چھوٹا سا جزیئر بنانا بھی سیکھ لیا ہوتا۔“ ہمیں کتنی سہولت ہو جاتی آپ سے۔“ بوا کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔

مشہود میاں تو آج کل ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں۔ مار جس کی لگام ہی نہ ہووے..... گھر میں نکلیں تو گھر کے کام دیکھیں۔“

”آپ کے لیے چائے بناؤں یا شہنشاہ چلے گا؟“ پیاری نے اب جلدی سے مداخلت کی تاکہ اگلے پیرا گراف سے بچت ہو جائے اور آنے والے کو احساس ہو کہ گھر میں بوا کے علاوہ بھی کوئی ہے۔

”تو ٹھیکس..... میں مشہود سے اس کا سیل فون لینے آیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک سیل گھر میں فالتو پڑا ہے۔“

”اوہ تو آپ بھائی کا سیل لینے آئے ہیں.....“ ”کل تک کے لیے۔“ دانیال نے فوراً بات کاٹ کر پیاری کی طرف نظر کے بغیر جواب دیا۔

”مکچو نیلی شام کو گن پوائنٹ پر میرا سیل اور والٹ چھین گیا..... اور مجھے کچھ لوگوں سے تنک کو بیٹک میں رہنا ہے۔“

”ارے خدا کی مار لوٹ لیا بچہ کو..... بیٹا پیسے کتنے تھے؟“ بوانے دہل کر دانیال کے چہرے کے تاثرات اندھیرے میں دیکھنے کی سعی کی۔

”آج کل پیسے کون جیب میں رکھ کر پھرتا ہے پیسے زیادہ نہیں تھے ہزار دو ہزار ہوں گے بس۔“

”اللہ کی شان ہے آج کل ہزار دو ہزار بس ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو ہزار دو ہزار کی بڑی سی موٹر آ جاتی تھی۔“

”تو بوا آپ کا زمانہ بھی تو ہزار دو ہزار سال پہلے کا ہے۔“ پیاری شرارت سے کہتی ہوئی وہاں سے لاؤنج کی

”تو بوا آپ کا زمانہ بھی تو ہزار دو ہزار سال پہلے کا ہے۔“ پیاری شرارت سے کہتی ہوئی وہاں سے لاؤنج کی

MOM & ME®

for baby's delicate skin



MOM & ME کی مکمل شہدائے مائیں تحقیق کا مجموعہ ہے جو اپنے محفوظ ترین اجزاء کی بدولت بچوں کی نازک جلد کی مکمل نگہداشت کیلئے مائیں کی اولین پسند ہے۔

MOM & ME کی مکمل رشتہ بہہ بچوں کیلئے مکمل بڑوں کیلئے بھی محفوظ ترین اور موثر ترین ہے۔

facebook.com/snscares

اتنے نازک مزاج رشتے داروں کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ سفر کی تھکن سمیٹ کر غم زدہ بچوں کو تسلیاں دینے لگے۔ بگاڑا ہوا اپنے بہشت آفریں مسکنوں سے باہر نکلیں۔ البتہ U.K میں مقیم مگی خالہ ایسہ کو اپنے نام کی لاج رکھنے کا خیال آ گیا۔ انہیں یاد آیا کہ U.K (سینٹل ہونے سے پہلے ان کے شوہر کی اناپا دایہ (جو آج کل گورنس وڈ وائف کا روپ دھار چکی ہے) بہشتیں بوا جو برسوں سے ساتھ رہ رہی تھیں واپس اپنی بیٹی کے پاس گاؤں چلی گئی تھیں..... مگی بھی فون پر داماد کی بے مروتی کا رونا رو یا کرتی تھیں اور اللہ سے پردہ ڈھانپنے کی دعا میں مانگا کرتی تھیں۔

ایسہ نے جھٹ انہیں سر پرستی سے محروم بھانجے اور بھانجی کے پاس پہنچا دیا تاکہ معصوم بچی کے ساتھ گھر میں کوئی عورت جو قابل اعتبار بھی ہو مستقل رہے مرحوم پروفیسر وجود حسین تنخواہ دار تھے..... مال جمع کرنے سے بھی رغبت نہ رہی تھی طبیعت میں بلا کی سادگی تھی نمود و نمائش کا فلسفہ زندگی بھر سمجھ نہ آیا شاید بیوی کی وجہ سے دنیا داری کی ولیدل میں اترنا ہی پڑ جاتا مگر وہ بے چاری بھی پلنگ پکڑ کر بیٹھ گئیں ان کے انتقال کے بعد یونیورسٹی سے جو واجبات ملے مشہود نے اس جمع پونجی کو بہت سمجھداری سے استعمال کیا پڑھائی کے ساتھ ساتھ پوش اریاز میں ٹیوشن بھی پڑھاتا رہا، بہن ایک ہی مگر وہ اپنی اس ذمہ داری کو بہت شدت سے محسوس کرتا تھا۔

اسلام نے یتیم و مسکین کے لیے خصوصی تاکید کی ہے ماں باپ سے محرومی کو بہت بڑی بلکہ سب سے بڑی محرومی تسلیم کیا ہے کہ ماں باپ کی شفقت سے بہت جلد محروم ہو جانے والے بچے غیر معمولی حساس ہوتے ہیں بچپن ہی میں بوڑھے ہو جاتے ہیں یہی وجہ مگی کے مشہود نوجوان بوڑھا تھا احساس ذمہ داری سے جس کے کندھے جھکے تھے اس نے کیا کرنا ہے؟ بہت جلد اپنے کیریئر کی سمت طے کر چکا تھا انڈسٹریل انجینئرنگ کا میدان چن لینے کے بعد وہ آگے دوڑنا چلا گیا اور سیدھا اپنے نارگٹ

طرف بڑھ گئی تھی۔
”ارے بیٹا! آپ کا بس چلے تو حضرت نورح کی کشی میں بٹھادیں آپ تو ہمیں ہماری عمر کے پیچھے پڑی رہتی ہیں ہر دوخت.....“ بوا رہا مان گئیں۔
بوا جل بھن کر بول رہی تھیں اور دانیال کی سماعتیں پیاری کی آئیں گن رہی تھیں۔ بوا کیا کہہ رہی تھیں وہ سب سر سے چار ہاتھ اونچا ہو کر گر رہا تھا۔

مشہود اور ہمیشہ (پیاری) گزشتہ دس برس سے والدین کی شفقت سے محروم زندگی گزار رہے تھے۔ ماں جو عرف عام میں عمو آپا جانی جانی تھیں سالوں سے بریسٹ کینسر میں مبتلا تھیں ان کا تو کسی وقت اچانک چلے جانا گویا طے ہو چکا تھا کیونکہ جس وقت کینسر ڈائمنوز ہوا پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا مگر بہترین علاج معا لے اور محبت بھرے ماحول کی وجہ سے بگڑی حالت سنبھلتی رہی اور سنبھل سنبھل کر بگڑتی رہی۔ بلا آخر دھوپ چھاؤں کا یہ کھیل ایک دن تمام ہو گیا..... خاک و خمیر کا ملن ہو گیا ٹھیک ان کی وفات کے چھ ماہ بعد مشہود اور پیاری کے شفیق و خرم خود والد محترم پروفیسر وجود حسین کا ٹریفک حادثے میں انتقال ہو گیا۔

اس وقت مشہود کی عمر اٹھارہ سال اور پیاری کی عمر گیارہ سال تھی۔ بہت بڑا دوھیال تھا اور تقریباً اتنا ہی بڑا نہضیال..... دونوں طرف خوش حالی بھری دوپہر کی دھوپ کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ اور یہ انسان کی بڑی عجیب فطرت ہے پیٹ بھرا ہوا کم از کم دوپشٹوں کے لیے اکٹھا بھی رکھ لیا ہو تو غماز گندم کا نشہ توڑنے والی ہر شے مزاج پر کوہ گراں کا بار بنتی ہے۔

حسن تو بے چارہ یونہی بدنام ہے کہ خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آتی جانی ہے خدا جب تو نگری دیتا ہے تو بہت زیادہ نزاکت آ جاتی ہے۔ لوگ تو اپنا ۱۰۰ گرام کا پاؤچ اٹھانے اور سرگرمیٹ سلگانے کے لیے بھی نوکر رکھ لیتے ہیں گویا نازک مزاجی کی کوئی حد نہیں رہتی۔

تک پہنچا۔

مردہ صنعت کو زندہ کرنے کا آرٹ ہاتھ آ گیا تو اس نے ایک ایسی فیکٹری خریدی جس کے کئی تالے زنگ کی وجہ سے تبدیل کیے جا چکے تھے۔ پاکستان اور ہندوستان میں جب جائیدادیں قلم ہوئیں یہ اس وقت کی یادگار تھی مالکان یورپ میں بے ہوئے تھے تو کروں کے تھے لگ گئی جن کو اس کی قدر و قیمت کا ادراک ہی نہیں تھا۔ کوڑیوں کے دام بیچنے لکے تو مشہود کے ہاتھ لگی جو اپنی استطاعت کے مطابق کچھ ایسا ہی تلاش کر رہا تھا۔ ۶۰۰ گز کے رقبے کے مرکز میں کھڑی یہ یادگار ایک نظر میں یوں دکھائی پڑتی تھی گویا سر جان مارشل نے مومن جو دارو کے ساتھ ساتھ یہاں بھی کھدائی کرا کر بازیافت کی تھی۔

دوسال کی جان توڑ مشقت کے بعد اب محنت کا پھل ملنا شروع ہو گیا تھا۔ پہلے تو اس نے اس ویرانے میں سبزہ اگانے کا اہتمام کیا تب بعد میں مرض الموت میں مبتلا اس فیکٹری کو آسجین دینا شروع کی تھی۔ ناکامی سے اذہد نفرت اس کی قوت بن گئی تھی نفرت بھی قیامت کی قوت ہوتی ہے اس کے شکستے میں کسا ہوا وجود یوں ہوتا ہے جیسے کسی دیو کی مٹی میں چڑیا یا ردوستوں نے جی بھر کر مذاق اڑایا..... جھٹی پاگل کے القاب سے نوازا مگر اس کے نل عزم نے معجزہ کر دکھایا تین سال کی مختصر مدت میں اس فیکٹری سے دوسو مزدوروں کا روزگار وابستہ ہو گیا۔

اسی بھاگ دوڑ کے دوران اس کی ملاقات دانیال سے ہو گئی تھی وہ ایک رئیس زادہ تھا باپ بانی پاس کرانے U.S گیا تو چند ماہ کے لیے اسے باپ کی سیٹ سنبھالنا پڑی مشہود کی پٹنی کو انوشری تلاش بھی اور اس تلاش نے اسے دانیال کے باپ کمال فاروقی تک پہنچایا تھا کمال فاروقی کے بیرون ملک روانہ ہونے کے بعد مشہود کی ملاقاتیں دانیال سے ہونے لگیں۔ دانیال کو مشہود کی شخصیت نے بہت متاثر کیا تھا۔ دوسرے ہم عمری کا عنصر انہیں مختصر عرصے میں ایک دوسرے کے قریب لے آیا۔ دانیال کی

آمد گھر میں ہوئی تو بیٹھن بوانے اپنی وضع داری سے اسے جیت لیا۔ دل جیتنے کے لیے یہاں کوئی اور بھی تھا مگر دوست کی عزت کا پاس ایک اصول کی طرح اس کے ساتھ رہا۔ بھی جرات دے باکی سے اس ماہ رو کے چہرے کو نظر جھا کر نہیں دیکھا۔ وہ خود بھی کبھی جم کراس کے سامنے نہیں بیٹھی مشہود کے ہوتے ہوئے بھی گھر جانے کا اتفاق ہوتا تو بس وہ جھلکیاں دکھا دکھا کر ادھر ادھر ہوجاتی تھی۔ البتہ اس کے رنگین آنچلوں کی مہک اسے یوں اپنے حصار میں لے لیتی تھی کہ کئی بار چالان کوٹیا کئی بار باپ کی تریاں لگا کر جان چھڑائی ایک مرتبہ ایک بانیک بھی ہٹ کی سواری مرہم پٹی بھی کرائی تھانے پولیس سے بچنے کے لیے کچھ اس کے ہاتھ پر بھی رکھا۔ مگر جمال ہے جو مشہود کے گھر میں گھنٹوں بیٹھنے کے باوجود کسی لحاظی بے مروتی کا مظاہرہ کیا ہو وہ سامنے نہ آتی ہو تو اسے نظروں ہی نظروں میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہو۔

ہاں کبھی کبھی اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس نے ویک اینڈ کے کئی گھنٹے مشہود کے گھر گزارنے کا روضہ کھیلے شطرنج کی بساط بچائی بیٹھن بوا کی ہجرت کی کہانی مکرر دہرائی کا حوصلہ کیا۔

مگر جمال ہے جو دل کا بھید چہرے کے پردے سے جھلکنے دیا ہو جس جگہ بیٹھتا وہیں سے اٹھ کر چلا آتا۔ احتیاط کا یہ عالم کہ کبھی کن انھیوں سے ادھر ادھر نہ دیکھا..... کہ کن انھیوں سے دیکھنا تو دل میں کوئی چور ہونے کا چشم کشا ثبوت ہوتا ہے۔

رات گئے اپنے لکڑی بیڈروم میں سی ڈی پلیئر پر نصرت فتح علی کی گانگی ہوئی بہت پرانی قوالی کئی بار سننا اس کے معمول کا حصہ بن گیا تھا اکثر وہ اس قوالی کے ایک ایک شعر پر یوں غور کرتا جیسے کسی خلائی گاڑی کی ایجاد کے لیے انکیشن ٹینس کر رہا ہو یا کسی فارمولے میں نئی جمع کی بار بار غلطی ہو رہی ہو۔

سانسوں کی مالا میں

سروں میں پانی کا نام
اپنے من کی میں جانوں
اور پانی کے من کی رام

یہ مدھر الفاظ سماعت سے ٹکراتے تو آتش شوق بھڑک اٹھی۔ ایک سوال ابھرتا اتنی خوب صورت باوقار لڑکی اس کے دل میں کیسے جھانکا جائے؟ آخر اس کا بھی تو ایک دل ہے جو ان لڑکی کا دل خشک کنواں کبھی نہیں ہوتا مصونی تو دل کے دریا کو سمندر سے بھی گہرا بتاتا ہے اور اس عمر میں تو خواب کسی افتاد کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں وہ کیسے خواب دیکھتی ہے؟ وہ کیا سوچتی ہے؟

ان سوالات کے جوابات جاننے کا شوق اسے گاہے لگا ہے اس دروازے پر لے آتا تھا یہ لگ بات یہاں پہنچ کر اس کی حالت یوں ہوجاتی جیسے کوئی اتر پورٹ پہنچ کر اپنا سر پینے کہ پاسپورٹ تو گھر میں بھول آیا۔ سارے سوالات مشہود کے گھر کے مین گیٹ کے پرے رہ جاتے تھے۔ جمال پر بلال کے سامنے وہ خود کو خالی ہاتھ محسوس کرتا تھا۔

ایک باعفت احیا دوشیزہ کے جلال کے سامنے توکل الہی بھی اپنا جلال بھول جاتے ہیں باعفت عورت کی نگاہ میں قدرت نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ وہ نظر اٹھا کر دیکھ لے تو مرد کا پتہ پائی کر دے۔ اب تک کی ساری زندگی رنگ برنگی ہم عمر لڑکیوں کے درمیان گزری تھی کو انکیشن کا سلسلہ یونیورسٹی تک جاری رہا۔ اور وقت نے اسے بہت خوب صورتی سے سمجھا دیا تھا کہ جو عورت کے پھل کی طرح جھولی میں گرنے کو بے تاب ہو فطرت اسے نسوانیت کے منصب سے معذور کر دیتی ہے۔ پھر وہ چاہے بڑھاپے تک بارہ گز کا خیمہ بھی پہن کر دکھائے منصب بجال نہیں ہوتا۔

بس یہی ایک ایسی خوبی تھی جس نے دانیال کو بے بسی کی حد تک دل کا غلام بنادیا تھا۔ اس کو پانے کی تڑپ نے اتنا محتاط کر دیا تھا کہ کھونے کا تصور زندگی کھونے کے مترادف تھا۔

یہ جاننے کے بعد کہ مشہود ایک گھنٹہ لیٹ بیچنے کا دانیال کو اس کی غیر موجودگی میں بیٹھنا مناسب نہ لگا۔ بیٹھن بوا کے لاڈلار لڑکی کی جمائیوں میں بدل گئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب میں چلوں گا..... آپ پریشان نہ ہوں کل میں اپنے ڈرائیور کے ساتھ ملینک کو بیچ دوں گا جزیئر ٹھیک ہو جائے گا۔ مشہود واقعی آج کل بہت بڑی ہے وقت نکالنا اس کے لیے مشکل ہوگا۔“

”جیتے رہو بیٹا اللہ آپ کی مہیا کا کچھ ٹھنڈا رکھے۔ مار گری بھی تو بھی بلا سلمان نازل ہوئی گھر میں چار چارے سی لگے ہیں پھر بھی آگ میں جل رہے ہیں۔ ارے پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔“ بیٹھن بوانے ہاتھ کا پکھا اتنی تیزی سے دانیال بائیں گھمایا جیسے اپنے ہنر کو بھی ہوا کر رہی ہوں۔

”اچھا..... اللہ حافظ۔“ دانیال نے بڑے اہتمام سے اللہ حافظ کہا یوں جیسے درپردہ کسی سے سامنے آنے کی درخواست کر رہا ہو درخواست قبول ہو گئی پیاری شمع دان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

”بھائی آ جاتے تو میں کھانا لگا دیتی آپ ایسے ہی جارہے ہیں اچھا نہیں لگتا۔“ پیاری نے آداب میزبانی نبانے کی کوشش کی۔

اور دانیال اچھا برا سوچنے لگا شاید اسے بھی کچھ اچھا لگتا ہے تب ہی تو کچھ اچھا بھی نہیں لگتا۔

”کوئی بات نہیں پھر سہی۔“ یہ کہتے ہوئے وہ گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شمع دان کے قریب کھڑی پیاری کے چہرے پر شمع کی کانپتی لو کے سنہرے سائے بہت چاہ سے دیکھنے کی تڑپ دل میں چھپائے

اٹھ کر تو آگئے ہیں تیری محفل سے مگر یہ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں پیاری چند لمحے خاموش کھڑی رہی دانیال کے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز

سماعت پذیر ہوئی۔ پیاری نے کھل کر سانس لیا اور بیشتن بوا سے مخاطب ہوئی۔
”بوا..... اندر جا کر سو جائیں لائٹ بس آنے ہی والی ہے۔“

”اے بیٹیوں کہا کرو کہ بس آ کر جانے والی ہے۔ ایسے تبرک کی طرح بتی بانٹ رہے ہیں مانو ہماری سات پشتوں پر احسان کر رہے ہیں۔“ بیشتن بوا نیند سے بے حال ہو کر شعور کی دنیا میں الوداعی کلمات ادا کر رہی تھیں۔ پیاری مزید گویا ہوئی پھر اس طرف دیکھنے لگی جہاں کسی کے نقش قدم یوں چمک رہے تھے جیسے صحرا کی رات میں آسمان پر ستارے۔

”دیکھا آپ نے مانو آپا نے کیا حرکت کی؟“ سعدیہ نے صبح کا تازہ اخبار پڑھتے ہوئے اپنے شوہر کمال فاروقی پر غضب ناک نظر ڈال کر کہا۔
”تم کیوں ان کی حرکتوں پر نظر رکھتی ہو اپنے کام سے کام رکھا کرو۔“ کمال فاروقی نے بیگم پر ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی اور اخبار کا صفحہ پلٹنے لگے۔

”میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں اخبار ایک طرف رکھ کر بات کریں۔“ سعدیہ پھٹ پڑیں۔
”میں ایک انتہائی اہم خبر کا بقیہ ڈھونڈ رہا ہوں تم اپنی بات جاری رکھو میرے کان کھلے ہوئے ہیں۔“ یہ کہہ کر کمال فاروقی نے بقیہ کی فہرست پر نظریں دوڑانا شروع کر دیں۔

”میں بھی ایک خبر ہی سنارہی ہوں۔ اس اخبار میں قتل و غارت گری کی خبروں کے علاوہ بھی کچھ ہے؟“ سعدیہ نے چڑ کر شوہر کی بے نیازی پر اپنا سر پیٹا۔
”سناؤ سناؤ یہ خبروں کا ہی وقت ہے۔“ کمال فاروقی نے بقیہ پڑھتے ہوئے کہا۔

”آپ سے ایک مرتبہ نہیں دس مرتبہ میں نے رشنا کا ذکر کیا ہے ناں دانیال اور رشنا کی جوڑی بہت مچھے گی۔ کب سے اس پر میری نظر ہے مانو آپا کو بھی اچھی طرح پتہ

ہے پھر وہ اپنے چہیتے عالی جاہ کا رشتہ کیوں لے کر چلی گئیں؟ ذرا شرم نہ لائی جیسے کا حق مارے ہوئے۔“ سعدیہ نے اب پھپھو لے پھوٹنے شروع کر دیے۔
”ارے ہم نے کون سا بچی رسید کرائی تھی۔ جو کلیم کریں عالی جاہ بھی اپنا بچہ ہے۔“ کمال فاروقی نے یوں کہا جیسے اسن مذاکرات کی کمیٹی کا چیئرمین پریس کو بریفنگ دے رہا ہو۔

”آپ نے تو نکاح نامے میں لکھوا تھا کہ ہر بات میں مجھ سے الٹ چلیں گے۔ بہن سات کل بھی کر دے گی تو معصوم رہے گی میری سیدھی سی بات میں بھی جرائم تلاش کیے جائیں گے۔ آپ ابھی مانو آپا کو فون کریں ورنہ میں تو یہ شادی نہیں ہونے دوں گی۔ پوری ہسٹری بتا دوں گی عالی جاہ کی۔ کیڈٹ کالج سے Spel ہوا تھا۔ پیرس ائر پورٹ سے ڈی پورٹ کیا گیا تھا۔ تین سال سائیکا ٹرسٹ کے پاس جاتا رہا اس کی ایک گرل فرینڈ اپنی شادی والے دن سوٹ کیس اٹھا کر مانو آپا کے گھر آ گئی تھی اور.....“

”بس.....“ کمال فاروقی نے ایک دم ہاتھ فضاء میں بند کر کے سعدیہ کو اسٹاپ کیا۔

”عالی جاہ میرا سگا بھانجا ہے میرے سامنے اسے ذلیل کر رہی ہو ارے دنیا میں کیا ایک ہی لڑکی رہ گئی ہے اگر دانیال کی شادی رشنا سے نہیں ہوگی تو کیا قیامت آجائے گی تم کوئی اور لڑکی دیکھ لو وہ بھی عالی جاہ دانیال سے عمر میں بڑا ہے پہلے اس کا حق بنتا ہے۔“ کمال فاروقی بھانجے کی اتنی بگاڑتے دہل بے عزتی برداشت نہ کر سکے بری طرح برس پڑے۔

”مانو آپا ضد میں رشتہ مانگنے گئی ہیں انہیں پتہ تھا کہ میں رشنا کو دانیال کے لیے پسند کرتی ہوں۔“

”تو کیوں ضد دلانی ہوا ان کو وہ بڑی ہیں تو انہیں بڑا مانو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر رہے تو مسئلہ نہیں ہوتا تمہیں تو پہلے دن سے وہ ہٹکتی ہیں۔ میری بڑی بہن ہیں میں ان سے نہیں الجھ سکتا۔ بلکہ میں تو ان سے پوچھوں گا کہ رشتہ

لے کر گئیں تو مجھے ساتھ لے کر کیوں نہیں گئیں؟“ کمال فاروقی نے اخبار ٹیبل پر بٹخا۔

”وہ واردات کرنے گئیں تھیں چوروں کی طرح بتا کر کیسے جاتیں؟ مگر میں بھی ہار نہیں مانوں گی دانیال کی شادی رشنا ہی سے ہوگی چاہے مجھے کچھ کرنا پڑے اپنی خوشی کی کتنی بڑی قیمت دینا پڑے آپ کے سامنے بیٹھ کر ایسی اللو چو کر رہی ہیں جو ہم سے نہیں ہوتی اپنے بڑے پن کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔ آپ کی ہوگی بہن میری تو آستین کا سانپ ہیں۔“ اتنا کہہ کر سعدیہ پیر پختی اندر چلی گئی تھیں۔

”اللہ بچائے عورتوں کی سیاست سے۔“ کمال فاروقی نے گویا زچ ہو کر اپنے کان چھو لیے۔ آخر اس بے چارے عالی جاہ کی شادی بھی تو نہیں نہ کہیں کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆
بیشتن بوا کو شوگر فیکٹری بے پچیس تیس سال ہو گئے تھے۔ اب تو معمولی بد پریشی فیکٹری کی پیداوار میں آنا فانا اضافہ کر دیتی تھی۔ ذرا کی ذرا ہاتھوں میں آ جاتی تھیں۔ مشہور چوہیں کھنے کے لیے کسی کنوینینس میں شرکت کے لیے دوڑی گیا تھا اور بیشتن بوا نے بڑوں سے آئی منگنی کی مٹھائی کھا کر اپنے گھر میں کڑوے کھانے کا تقریباً پورا بندوبست کر لیا تھا۔ ڈاکٹر بک سے کہہ رہا تھا کہ انسولین لینا شروع کر دیں ورنہ خطرہ ہے کہ ایک نہ ہو جائے، مگر وہ تو انسولین کا نام سن کر کالوں کو ہاتھ لگاتی تھیں۔

”اپنے ہاتھوں اپنے ہی تن کو سوسنی سے چھید لیں؟ اے ہٹاؤ..... جتنی چاہی بھری ہے پتلی اتنی دیر ہی تپا ہے گی۔“

مشہود نے بہت سمجھایا کہ بوا اچھی طرح ناچ لیں بغیر انسولین تو لنگڑے کا فرض ہوگا مگر بوانہ مائیں۔ اور آج وہی ہوا جس کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ پیاری اپنے کمرے سے نکل کر پکن کی طرف جاری تھی اسے بمادے سے عجیب سی غراہٹ سنائی دی پہلے تو یہی خیال آیا کہ شاید کسی کو نے میں بھی ملی کسی وجہ سے غرا

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

انچل نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیرانہ فراہم کر سکتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ، امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

6000 روپے (الگ الگ منگوانے پر)

میدل ایسٹ ایشیائی، یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

5500 روپے (الگ الگ منگوانے پر)

رقم ڈیمائڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام ویزن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسریہ پیجیز عذاب اللہ ہادون روڈ کراچی۔

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

رہی ہے پھر بھی اس نے ایک نگاہ دیکھ لیتا ضروری خیال کیا۔ اور پھر وہ منظر دیکھا کہ ہاتھوں کے چڑیا طوطے کبوتر، فاختا، مینا، سب اڑ گئیں۔
 ہوا آدمی اپنے تخت طاؤس سے لگی ہوئی تھیں یعنی آدھا درخت پر اور آدھا فرش پر آنکھیں پٹھلی ہوئی، حلق سے غراہٹ کی آواز پیاری کے منہ سے ایک بے ساختہ چیخ بلند ہوئی، ایسی چیخ جس کی شنوائی کو گھر میں کوئی موجود نہ تھا، ہوا کی حالت دیکھ کر پریشانی سے زیادہ خوف کی کیفیت طاری ہوئی پہلے تو اس نے بلا سوچے سمجھے ہوا کو ٹھیک سے تخت پر لٹانے کی کوشش کی مگر حال یہ تھا گویا ہوسے لدے ٹرک کو جس کے چار ٹائرول کی ہوائ لگی ہوئی ہو موٹر پائیک سے کھینچنے کی سعی کی جائے وہ اتنی حواس باختہ ہو چکی تھی کہ آؤ دیکھنا نہ تو مشہود کو فون کر دیا جو کنکشن میں شرکت کے لیے ہونک سے نکل رہا تھا۔

”اچھا پریشان مت ہو۔۔۔۔۔ میں گھر پر کسی کو بھیجتا ہوں، ایوبو لنس کے ساتھ۔“ اتنی دور بیٹھ کر یہی حل نکالا جاسکتا تھا۔
 پیاری کسی کے انتظار میں بیٹھ کر بڑی لاچاری وبے بسی سے بے ہوش ہوا کو تنکے لگی۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت ہو گزرا تو کانوں میں ایوبو لنس کی آواز آئی اور کسی نے کال بل بھی رنگ کی۔

گیت چلتے ہی دانیال کے ساتھ دونو جوانوں نے اندر قدم رکھا تھا۔ دانیال کو سامنے دیکھ کر پیاری ذہنی طور پر یوں مطمئن ہو گئی جیسے میلے میں گھڑا بچہ اپنے سر پر ستوں کے پاس بخیر وعافیت پہنچ گیا ہو۔
 جب مشہود نے کہا کہ وہ کسی کو بھیجتا ہے تو اس کے دل نے فوراً قیاس آرائی شروع کر دی تھی کہ مشہود کا حال تو یہ ہے کسی کا نام لوں لب پہ تہہ ارا نام آئے کیونکہ وہ دانیال پر اندھا اعتبار کرتا تھا۔
 ہوا کو ایوبو لنس میں لٹانے کے بعد وہ کھڑے کھڑے پیاری کے پاس آیا۔
 ”آپ ساتھ چلیں گی؟ ویسے آپ کو چلنا چاہیے ایسے

پیشہ کے ساتھ ایک انٹینڈنٹ کی لازمی ضرورت ہوتی ہے۔“ پہلی بار اس گھر کی چھت تلے دونوں آمنے سامنے تھے۔ آج نہ گھر میں مشہود تھا نہ ہوا۔۔۔۔۔ مگر صورت حال فراز کی روحانی شاعری کا حصار تو ذکر فیض کی انقلابی عملی شاعری میں ڈھل چکی تھی۔
 دانیال کے چہرے سے احساس ذمہ داری اور سنجیدگی کا تاثر بالکل اسی طرح بے ساختہ اور فطری تھا گویا بچے کے پہلے قدم پر ماں کی فطری خوشی یا بڑھاپے میں جوان بننے سے محروم ہو جانے والے ماں باپ کا غم۔۔۔۔۔ فطری خوشی فطری غم کی طرح ایک فطری احساس ذمہ داری ہوتا ہے جو اس وقت دانیال کی شریاںوں میں دوڑ رہا تھا۔
 ”جی۔۔۔۔۔ میں گھر لا کر کے بعد میں آ جاؤں گی گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔“ پیاری نے بھی دانیال کے منہ سے روپ کو قبول کرتے ہوئے بڑی متانت سے کہا۔
 ”ٹھیک ہے آپ گھر میں لا کر وغیرہ لگا کر تیار رہیے گا گاڑی سمجھا دوں گا کیونکہ ایڈمٹ پیشہ کے ساتھ انٹینڈنٹ کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے اور خواتین کے ساتھ خواتین انٹینڈنٹ ہی کی اجازت ہوتی ہے۔“ اس کے بعد دانیال وقت ضائع کیے بغیر بیٹھن ہوا کو لے کر ہاسٹل روانہ ہو گیا تھا۔

”بات یہ ہے مانو آپ میں آپ کو گھر بلا کر بات نہیں کر سکتا تھا سعدیہ کی موجودگی میں سوائے تو تو میں میں کے کچھ ہاتھ نہ آتا۔“
 ”آخر معاملہ کیا ہے مجھ سے کھل کر بات کرو۔“
 سعدیہ نے زمین آسمان ایک کرنے کا سلسلہ دراز کیا تو کمال فاروقی اپنی بڑی بہن میمونہ عرف مانو آ کے پاس چلے آئے۔ وہ اپنی سمجھدار اور بہت محتاط زندگی گزارنے والی بہن سے حقائق جاننا چاہتے تھے جن کے بارے میں ان کا دل کہتا تھا وہ ہمیشہ جذبات کو کنٹرول میں رکھ کر کام کرتی ہیں۔
 ”بات صرف اتنی ہے کمال عالی جاہ نے اپنے منہ

سے رشتا کے لیے رشتہ لے جانے کے لیے کہا اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ رشتا بھی ایسا کچھ جانتی ہے۔ اب خود ہی بتاؤ میں سب کچھ جان کر کیا خاموش بیٹھی رہتی۔ عالی جاہ کی پسند اس کی کرن بیوی بن جاتی تو سوچو دونوں بھائیوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے فاصلے پیدا نہیں ہو جاتے؟ دانیال کو تو رشتا میں کوئی دلچسپی نہیں اس نے تو شاید آج تک رشتا ٹھیک سے دیکھا تک نہیں، بس سعدیہ نے اپنے گھر میں بیٹھ کر آپ ہی تیل کی آپ ہی مٹی کی کرلی اور پھر شور شرابا بھی شروع کر دیا۔ ”ماؤ آپا نے سب بھائی کے سامنے سارے حقائق من و عن رکھ دیئے۔

”اوہ..... اگر عالی جاہ اور رشتا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو آپ کا فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔ دانیال کا تو کوئی حساب کتاب ہی نہیں بنتا۔“ کمال فاروقی نے سچائی کو فوراً ہضم کر لیا اور ہر تصدیق مثبت کر دی۔

”میں نے سعدیہ کی وجہ سے تم سے صلہ مشورہ نہیں کیا“ ورنہ میں تمہیں بتائے بغیر رشتہ لے کر چلی جاتی؟ لے دے کے ایک ہی بھائی تو سامنے ہے باقی دو تو پرانے دیس جا کر پرانے ہی ہو گئے۔“ ماؤ آپا نے اپنی کوتاہی کی وجوہات بھی بیان کر دیں بھائی کے دل میں میل آنے کا ہر دروازہ بند کرنا ضروری خیال تھا۔

”کوئی بات نہیں ماؤ آپا..... مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں آپ جو کام کرتی ہیں بہت سوچ سمجھ کر کرتی ہیں۔“ کمال فاروقی نے بہت احترام سے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں مطمئن کیا۔

”جیتے رہو..... اللہ تمہیں اپنے گھر میں ہر طرح کا سکھ چین دے بس سعدیہ کے سامنے ذکر نہ کرنا کہ رشتا بھی عالی جاہ کو پسند کرتی ہے پرائی پچی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا۔ ویسے تو وہ بہت نیک شریف بچی ہے۔ عالی جاہ سے کبھی اسکیے میں نہیں ملی نہ راتوں کو اسے نیلی فون پر لے کر کئی گھنٹے ہے۔ بس اس کے اٹھنے بیٹھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس رشتے سے خوش

ہے۔“ ماؤ آپا نے ہونے والی بہو کی عزت و توقیر کی نیت سے کچھ کلمات ادا کرنا ضروری سمجھا کہ جو کسی کو اپنی عزت بناتا ہے تو پہلے خود اس کو عزت دیتا ہے۔

”بے فکر رہیں“ آپ کو تو پتہ ہی ہے بولنے کے لیے اپنی باری کا انتظار ہی کرتا رہتا ہوں۔“ کمال فاروقی کے لفظوں میں لطیف سچا طنز پوشیدہ تھا۔

ماؤ آپا مسکرائیں پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی شفقت و پیار سے کمال فاروقی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”وہ اپنی عقل سمجھ کے مطابق زندگی گزار رہی ہے تم اپنے اوسان سنبھالو..... اس میں بھی سکون ہے۔“ بہن کا پیش اندازہ شدید جس میں ہلکی ٹھنڈی پھوار جیسا تھا۔

”ڈاکٹر کہہ رہے ہیں ایک دو دن تو انڈر آ بریویشن رکھنا ہوگا۔“ پیاری کے ہاسٹل پہنچتے ہی دانیال نے اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا۔

”دو دن..... پھر گھر پر کون رہے گا آج کل تو حالات بھی ایسے ہیں کہ.....“

”آپ فکر نہ کریں میں دو دن آپ کے گھر رک جاؤں گا۔“ دانیال نے ایک نظر پیاری پر ڈال کر تسلی دینے میں بڑی جلدی کی تھی۔ ابھی ابھی مترددی کیفیت میں پلکیں جھپکاتی پیاری اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ جی چاہا بس دیکھتا ہی رہے۔ مگر بہت سی اخلاقی قیود و حدود اس کے احساسات کو زنجیر سے باندھ کر رکھتی تھیں۔

”دو دن کی بات نہیں ہے آج نہیں تو کل دن میں مشہود بھائی واپس آ جائیں گے آپ بھی یہاں ہوں گی اور بوا بھی مشہود کا خیال کون رکھے گا؟ سنا ہے اسے تو سینہ دوج بنانا بھی نہیں آتا۔“ دانیال نے ایک اڑتی پڑتی نظر پیاری پر ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”ان کا اپنا کام اتنا سخت ہے کہ میں نے انہیں گھر کا کام کبھی کرنے ہی نہیں دیا۔“ پیاری نے بھائی کے تصور میں کھوکھو بہت محبت سے کہا۔

”بس اب آپ مشہود کی شادی جلدی سے کر دیں بوا

اب قابل نہیں رہیں آپ چلی گئیں تو مشہود کو بہت مسئلہ ہوگا۔ نوکروں پر گھر نہیں چھوڑے جاسکتے جس گھر میں صرف نوکروں وہاں ٹیپلٹی بلز بہت آتے ہیں۔ ٹی وی اور اے سی کے بغیر تو کوکر رہتے ہی نہیں ہیں۔“ دانیال کو اس تنہائی میں اس سے بات کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا اس کے اوجھل ہونے ہی چاند سورج کو گرہن لگ جائیں گے۔ روشنی کے برقی لقی ہے؟

”میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔“ پیاری نے بلاسوچے سمجھے بھائی کی محبت میں ڈوب کر کہا۔ دانیال نے پھر کراٹھیں اس کی طرف دیکھا۔

”جب تک فائل کارروائی نہیں ہو جاتی سب بہنیں یہی کہتی ہیں۔ کچھ عرصے بعد پھر بھائیوں سے کہتی ہیں بچوں کی چھٹیاں ہوں گی تب آنے کی کوشش کروں گی۔ اگر ان کو وقت نہ ملا تو اگلے سال آنے کی کوشش کرنی ہوں۔“ دانیال کی رگ ظرافت پھڑکی اس نے چیخڑ چھاڑ کا یہ نہری موقع گنونا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ پیاری کے چہرے پر پیاری پیاری گلایاں گھر گئیں۔

”میں ڈاکٹر سے پتہ کر کے آئی ہوں۔ بوا کب تک ہوش میں آ جائیں گی۔“ سانسوں کی روہم سے روح کو رنگ پہناتی وہ ہلکے بالے کی طرح پلک جھپکتے وہاں سے غائب ہوئی۔

اور وہ گہری سانس لے کر چپکتے فرش کو یوں گھورنے لگا گویا بوند باندی کے بعد گیلی زمین کو دیکھ کر سوچ رہا ہو کہ بس پھوار پڑی بارش اب بھی نہیں ہوئی۔

”دانیال لڑکا ہے لڑکی نہیں ہے جو تم اس کی شادی کے حتیٰ فیصلے کرتی پھر رہی ہو تم نے بھی اس ٹاپک پر اس سے بات بھی کی ہے۔ اس زمانے میں شادی کے فیصلے ماں باپ نہیں کرتے۔ بچے خود فیصلے لیتے ہیں اور انعام کرتے ہیں۔“ کمال فاروقی نے آج بڑے سخت لہجے میں سعدیہ سے بات کی تاکہ اس روز کی کل کل کا منطقی انجام ہو۔

”میرے بیٹے میں یہ گٹس نہیں ہیں۔“ سعدیہ نے بلا کے اعتماد سے جواب دیا۔

”تمہارے بیٹے میں نہیں ہیں کسی لڑکی میں تو ہو سکتے ہیں۔ وہ اسے شادی کی آفر کر سکتی ہے۔ یہ آج کل ہر جا ہے۔ لڑکا ہر لحاظ سے اچھا ہو تو لڑکیاں خود اس کے پیچھے لگ جاتی ہیں۔“ کمال فاروقی نے ٹھوس دلیل کے ساتھ جواب دیا۔

”ایسی لڑکی کے ساتھ میں اپنے بیٹے کی شادی کروں گی؟ وہ تو پہلے ہی دن میرے بیٹے کو مجھ سے دور کر دے گی۔“ سعدیہ نے بڑھتی سی سے جواب دیا۔

”الٹرا ماڈرن لک بٹا کر جب تم ایسی دقیقہ نوسی باتیں کرتی ہو تو جان جلتی ہے میری اس منافقت پر والدین بچوں کا گھر اس لیے بساتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی خوشیوں کے ساتھ گزاریں۔ شادی ہر انسان کا پرستل میٹر ہوتا ہے خواہ اولاد ہو، نہ ہو تمہارے بیٹے کو شاید تم سے دور نہ کرے مگر تمہاری یہ ڈکٹیٹر شب ایک دن تمہیں تنہا کر دے گی۔“ کمال فاروقی نے اٹھ کر اب اپنے لیپ ٹاپ کا پلگ لگایا۔ وہ دلائل مکمل کر چکے تھے۔ اب مزید کچھ کہنے کے موڑ میں نہیں تھے۔

”سیدھے سیدھے یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ نے ماؤ آپا کا ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔“ سعدیہ نے سچ کر کہا اور ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل فون کی طرف گھورنے لگیں۔ ایک ٹیکسٹ میج ٹاپ کرنے بیٹھی تھیں مگر ابھی تک تین لفظ ہی ٹاپ کر پائی تھیں۔ اب تو سب کچھ ذہن سے ہی نکل گیا تھا کہ وہ کیا لکھنے کہنے کے لیے بیٹھی تھیں۔

”اصولی بات ہے وہ رشتہ دے چکی ہیں بات نیت سے پرکینیکل پر آ چکی ہے اگر عالی جاہ کی شادی رشتا کے ساتھ ہوئی تو ماؤ آپا کے ساتھ میرا رشتا ختم ہو جائے گا۔ وہ صرف ضد بازی میں یہ سب کچھ کر رہی ہیں۔“

”تمہیں اپنے بارے میں ہر طرح کے فیصلے کا اختیار ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم ماؤ آپا کو مثیلی نارچہ دینے کے بجائے ان سے ہر طرح کا کومیکٹ ہی

ختم کر دو ہر طرف سکون ہو جائے گا۔“ کمال فاروقی نے قسمی دونوں انداز میں یوں بات کی کہ اب سعدیہ کو بولنے کا یارا نہ نہیں تھا۔

☆☆☆

لوشیڈنگ کے ہاشمی کا پاؤں شہر کے سینے پر تھا۔ شہر کراہ رہا تھا کچھ گھروں میں یو پی ایس سے آسجین کی سپلائی جاری تھی اور کام بلا روکاٹ انجام پا رہے تھے۔ کچھ گھروں میں نصب جزیر ماحول کی آلودگی میں اضافہ کرنے کا فریضہ انجام دینے کے لیے فوراً ہی تیار ہو چکے تھے۔ اعصاب شکن آوازیں کام سے پہلے انسانوں کو تھکا مار رہی تھیں۔

روشنیوں سے نہائے دوئی سے جب مشہود نے نام نہاد عروس البلاد میں قدم رکھا تو یوں لگا..... گویا روشن دن کو سادوں کے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ دیا ہو اندھیرے راستوں سے گزر کر جب ہاسٹل پہنچا تو قدرے طمانیت کا احساس ہوا۔ ہیوی ڈیوٹی جزیر کی درندے کی طرح غیر اہل تھا۔ مگر ہاسٹل میں بھر پور روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ سامنے ہی اسے دانیال مل گیا۔ جو یوں تپاک سے گلے ملا گویا سالوں بعد ملقات ہوئی ہو۔

”کیسی طبیعت ہے بوا کی پیاری کہاں ہے؟“ دو سوال ایک ساتھ کرنے کے بعد اس نے چہرہ اطراف نظر بھی دوڑائی۔

”دو گھنٹے پہلے ہوش آ گیا تھا۔ پیاری انہی کے پاس ہے۔“ دانیال نے جواب دیا۔

”تھینک گاڈ..... تم چاہو تو اب گھر جا کر آرام کر سکتے ہو۔ تمہارے لیے لفظ شکریہ بہت چھوٹا ہے کچھ بڑا کرنے کا سوچتے ہیں۔“ مشہود نے دانیال کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تشکرانہ لہجے سے دانیال کی عزت افزائی کی۔

”وزیر اعظم بنانے کا تو ہرگز نہ سوچنا..... اس ملک میں تو اس کی کرسی باقی رہتی ہے۔ صدر بھی بننا نہیں چاہتا“ ڈکٹیشن لے لے کر بور ہو جاؤں گا۔ میرے لیے کوئی ریاست فتح کرو اور مجھے وہاں کا بادشاہ بنا دو۔ دو چار ایٹم بم

ضرور رکھوادینا“ ایٹمی طاقت کے بغیر تو بادشاہت میں بھی طاقت نہیں۔“ دانیال نے کہا اور ہنستے ہوئے مشہود کو گلے سے لگایا۔

”تم جیسے سینئر دوست کے لیے اس سے بھی زیادہ کچھ ہونا چاہیے۔“ مشہود نے بھی دانیال کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے کہا۔

دانیال کے تمام حسین خواب آنکھوں کے جھروکوں سے باہر سانس روک کر کھڑے ہو گئے..... وہ اپنے اخلاص کو ترازو میں تولنے لگا۔ سارے سوئے سے پیاری کو الگ کرنا پڑا کاٹنا خود خود متوازن ہو گیا۔ جبکہ ایک کاٹنا دل میں ترازو ہو گیا۔



”آخر تمہارے اس دوست میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں؟ گھر کا کوئی ہوش ہے نہیں؟“ دانیال نے گھر میں قدم رکھا اور سعدیہ نے دیکھتی ہی چڑھائی کر دی۔

”مئی کوئی شوق میں ہاسٹل میں نہیں بیٹھتا“ چوہینش ہی ایسی تھی میں گھر نہیں آ سکتا تھا۔ آپ کو فون تو کرتا رہا ہوں پھر اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں پایا کا غصہ مجھ پر اتارا جا رہا ہو۔“ دانیال نے صوفے پر گر کر تے ہوئے بہت غور سے ماں کا چہرہ دیکھا پھر تھکے تھکے انداز میں پاؤں سے شوز اتارنے لگا۔

”میں ماں ہوں..... بچہ گھر سے باہر ہوتا سودھڑ کے لگے رہتے ہیں۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ اولاد کیا شے ہوتی ہے کل کو باپ بونگو تو پتہ چلے گا۔“

”میں اتنی ابیر غشی میں باپ بننا نہیں چاہتا“ میں نے ابھی شادی پلان نہیں کی آپ باپ بننے کی بات کر رہی ہیں۔“ دانیال نے ماں کا موڈ ٹھیک کرنے کی نیت سے چھیڑ چھاؤ شروع کر دی۔

”شادی پلاننگ سے نہیں ہوتی، یہ تو بس قسمت سے ہوتی ہے میرا بس چلے تو آج ہی تمہاری شادی کر دوں۔“ سعدیہ کے موڈ پر خاطر خواہ اثر دکھائی نہ دیا۔

”کیا ہو گیا ہے مئی..... آپ اتنی جلدی میں کیوں ہیں؟ آج شادی کل بچے پرسوں کیا کرنا ہے یہ بھی جلدی سے بتادیں۔“ دانیال نے شوشی سے مسکرا کر پوچھا۔

”ارے بس چھوڑو یہاں تو سارے ارمان ہی لوگوں نے ٹھنڈے کر دیئے۔ پانچ سال سے رشنا پر میری نظر تھی مگر تمہاری پھوپھی نے سینے میں چھپا کینہ پٹ آخر کار نکال ہی دیا۔“ دکھ کی شدت یا ناکامی کی ذلت نے سعدیہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک پیدا کر دی تھی۔

”یہ رشنا کون ہے؟ اور آپ اس پر نظر کیوں رکھتی تھیں۔ کیا اسے شاپ لفٹنگ کی عادت ہے؟ ایسے لوگوں سے بچنا چاہیے مئی سنا ہے یہ لوگ سانیکو ہوتے ہیں۔ لیکن اس کیس میں آپ مانو پھوپھو کیوں انو لو کر رہی ہیں۔“

”تمہیں بے وہ تمہاری پھوپھی نہیں ہے اپنے ٹکے بیٹے کا رشتہ لے کر پہنچ گئیں ایسے لڑکے کو تو دھوبی گھاٹ میں رشتہ نہ ملے تمہیں تو پتہ ہے ناں عالی جاہ کے بارے میں؟“ ”نہیں میں نے آج تک اس کی وی نہیں دیکھی۔“

دانیال نے کمال سادگی سے بچ بول دیا۔ سعدیہ نے غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورا۔

”اس کی سی وی میں کیا دھرا ہے ناں شیخیاں مارتی ہے کہ میرا بیٹا کاروں کا ڈیلر ہے ہر چار مہینے بعد کار بدلتا ہے دیکھ لیتا ایک دن کار چوری کا مقدمہ بنے گا اس پر وہ سائیکل چمچکر کی دکان تو کھول سکتا ہے کاروں کا برس نہیں سنبھال سکتا۔“ سعدیہ تو آنا فانا کف اڑانے لگیں۔ دانیال حیران پریشان ماں کی شکل دیکھنے لگا۔

”مئی بے چارے عالی جاہ نے آپ کا کیا لگاڑا ہے کیوں بد دعائیں دے رہی ہیں؟“

”میں نے رشنا تمہارے لیے پسند کی تھی اور تمہاری پھوپھی کو یہ بات پتہ تھی اس کے باوجود وہ عالی جاہ کا رشتہ لے کر پہنچ گئیں۔“

”میرے لیے رشنا پسند کی تھی مگر کیوں؟ میں کسی کو منہ بولی بہن نہیں بنا سکتا۔ سگی بہن ہی ٹھیک رہتی ہے۔ اب اللہ نے نہیں دی تو کوئی بات نہیں۔ گزرا کر لیں

گے آپ ٹینس نہ ہوں۔“ دانیال اندر سے پہلے شاکد ہوا پھر اس نے ہنسی میں بات اڑانا زیادہ بہتر سمجھا۔ بات سیریس تو تب ہوئی جب اس کا رشتہ رشنا کے لیے لے جانے کی بات ہوئی، وہ تو تہ دل سے مانو پھوپھو کا شکر گزار ہوا جنہوں نے اسے عظیم ذہنی مشقت سے بچالیا تھا۔ ماں بیٹے کے رشتے میں دراڑیں پڑتے پڑتے رہ گئیں۔ یہ سب مانو پھوپھو کے کریڈٹ پر تھا۔

”میں ذرا ریاست کر لوں پھر عالی جاہ کو مبارک باد دینے جاؤں گا۔“ وہ جان کر انجان بن رہا تھا۔ اسی میں بچت تھی۔

”خبردار جو تم مانو آ پاکے گھر گئے۔“ ”میں عالی جاہ کے شوروم چلا جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔“

”میں سیریس ہوں دانیال مجھ سے مذاق مت کرو۔ اب ہمارا ان لوگوں سے کوئی واسطہ تعلق نہیں۔“ سعدیہ نے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا۔

”مئی اتنا ایفوقٹیل ہونے کی ضرورت نہیں میں تو پھوپھو کا شکر یہ ادا کرنے ضرور جاؤں گا۔“

”کس بات کا شکر یہ؟“ سعدیہ تو جیسے ہونق سی ہو گئیں۔

”مئی کہ انہوں نے مجھے رشنا سے بچالیا۔ میرے لیے تو وہ کلینا کی ہنگامی ہوئی بدروح جیسی ہے وہ عالی جاہ ہی کو مبارک ہو۔“ یہ کہہ کر دانیال اب رکا نہیں بلکہ سر پر پاؤں رکھ کر اپنے ہیڈروم کی طرف بھاگا۔

سعدیہ تو اپنی جگہ یوں بیٹھی تھیں جیسے کوئی جبر لگا گیا ہو سگٹل ہی اسٹاپ ہو گئے ہوں۔



”بوا آپ نے تو خوب دوڑیں لگوا دیں اگر آپ قیامت تک سوئی رہ جاتیں تو ہم اپنی پیاری سی خالہ کو یہ پیاری پیاری شکلیں کیسے دکھاتے؟“ مشہود بوا سے مذاق کر رہا تھا۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں جنت میں طوائف فرشتے

بھی ضرور ہوں گے۔ بھاشانی اور ڈھاکہ سوئٹ کو بھول جائیں گی وہاں جا کر..... ذرا صبر سے کام لیں گرم گرم حلوہ پوری کا ناشتہ کرنا گرم گلاب جامن.....

”اسٹاپ.....“ اچانک پشت سے پیاری کی آواز سماعت سے غرائی۔

”جنت میں کوئی چیز گرم نہیں ملے گی ساری آگ تو دوزخ میں لگی ہوئی ہوگی۔“ پیاری بڑے اٹھائے سامنے آگئی وہ بوا کے لیے سوپ بنا کر لائی تھی۔

”اولیٰ مار کیا جنت دوزخ لگائی ہوئی ہے تو بہ کرہ بچوں تو بہ دوزخ کا تو نام بھی نہیں لیتا چاہے ہر وقت دعا پڑھتی چاہیے۔ اہم اجر من النار“ بوا تو ایسی گھبراہٹ میں کہ ٹھنڈے سے وجود میں زندگی کی حرارت یوں دوڑنے لگی گویا منگڈا ڈیم سے کنکشن جوڑ دیا گیا ہو۔

کہاں تو گھنڈہ بھر سے اے ہائے کئے جاری تھیں کہاں خود ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں اور بے اختیاری کیفیت میں سوپ کا پیالہ تھانے کے لیے ہاتھ بڑھا دیئے۔ مشہود کا قبضہ بہت بے ساختہ تھا۔ بڑھا پا موت سے قریب تر ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے اور بڑھا پے ہی میں موت کا لفظ سن کر زیادہ گھبراہٹ ہوئی ہے۔ پیاری نے بہت احتیاط سے ٹرے بوا کے سامنے رکھی اور شرارت سے بوا کی طرف دیکھ کر مشہود سے مخاطب ہوئی۔

”بھائی وہ آپ کے دوست ہیں ناں ایس بی حیدر خان ان کے ہاں سے آج چار پونڈ کا فریش کریم ایک آیا ہے ان کی کوئی مکمل ہوئی ہے اس خوشی میں مٹھائی کے بجائے ایک بانٹ رہے ہیں۔ آپ کے لیے لے آؤں؟“

”میں فریش ہو کر فریش کریم ایک کھاؤں گا۔ ایسا کرو بوا کو کھلا دو۔“ یہ سن کر بوا کے سینے میں عجیب سی آہل پھل ہوئی حرکات و سکنات سے بے قراری۔ ٹھکی پھر فوراً ہی خود کو سنہال کر جڑ بڑی ہو کر بولیں۔

”ارے ہم نہیں کھاتے پولیس والوں کا مال۔“

”ارے بوا سب پولیس والے رشوت خور نہیں ہوتے“

کچھ ایمان دار بھی ہوتے ہیں۔ ”مشہود نے بوا کے لب و لہجے سے خطا اٹھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”ارے ایمان داری میں کوٹھیاں نہیں بنتیں یہ سب اوپر کی کمائی ہوئی ہے۔“ بوا نے سڑکی آواز سے سوپ حلق سے نیچے اتار کر اور بہت جمل بھن کر کہا۔

”ایسی بات نہیں ہے بوا بڑے بڑے زمیندار اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتے ہیں ان کا کوئی بچہ ڈی سی بن جاتا ہے کوئی پولیس افسر دولت کی کمی نہیں ہوتی بس شوق میں سرکاری نوکریاں کرتے ہیں۔“

”ارے ہٹاؤ..... ہم نے بھی یہ چونڈا دھوپ میں سفید نہیں کیا اللہ بخشے ہمارے پھوپھا کو وہ پولیس تھے۔“

”آپ کا مطلب ہے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔“ مشہود نے لقمہ دیا۔

”ارے ہاں وہی..... ہوا رے سے پہلے کی بات بتا رہے ہیں آپ کو میاں گرم سالہ کتروں میں دھرا ہوتا تھا اناج گھر کے کیڑے مارتے مارتے پھوپھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔“

”اناج گھر.....؟“ پیاری نے مشہود کی طرف دیکھا۔

”Means pantry“ مشہود نے وضاحت کی۔

”تو پھوپھی کیڑے کیوں مارتی تھیں۔ گھر کے باقی کام شاید تو کر کرتے ہوں گے۔“

”بیٹا..... دو دو سال کے لیے چاول دھرے ہوتے تھے۔ پرانے باستی کی بات ہی اور ہوئی ہے۔“

”بھئی کے بیٹے تھے پھوپھا..... تو کہاں سے آتا تھا یہ سب کچھ پھوپھی کہتی تھیں ہم تو نہیں لینے لوگ خود ہی تھے دے جاتے ہیں جب جب فصل تیار ہوتی ہے ہمارے ابا نے تو کبھی بہن کے گھر میں نوالہ نہیں توڑا۔ بہت متقی پرہیزگار تھے۔ اللہ مغفرت کرے۔“ یہ کہہ کر بوا نے جلدی جلدی سوپ پینا شروع کر دیا۔

”سن لو پیاری اگر تم نے کسی پولیس افسر سے شادی کی تو میں تمہارے گھر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ کان کھول

کر سن لو۔“

”تو بہ بھائی۔“ پیاری کا چہرہ گلگلوں ہونے لگا۔

”اے خوب یاد دلایا ارے بیٹا..... بہنا کے ہاتھ پیلہ کر دیا اب ہم سے نہیں ہوتی چونکی داری جوان جہان لڑکی کا کب تک پہرہ دیں گے آج گھر میں نظر آرہے ہو خیر ہے تو یہ بات کر رہے ہیں۔ صبح سے رات تک مار بھاگے پھرتے ہوئے لگا دو بی ہوئی ہے یا قیامت سر پر کھڑی ہے۔“

”آپ اچھا سارشتہ دیکھ لیں کرویتے ہیں شادی کوئی مسئلہ نہیں۔“ پیاری خود کو موضوع بننا دیکھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

”رشتہ دیکھنے کی خوب کہی ارے دانیال ہیرے جیسا بچہ ہے اس کی طرف کیوں نہیں دیکھتے۔ ایسا نیک بچہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔“

”اف.....“ پیاری کے دل کی دنیا تہہ دھالا ہونے لگی۔ یوں لگا گویا بوا کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

”کیا کیا.....؟“

”دانیال.....؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بوا.....“ مشہود کی آواز میں گہری خجندی کا کس تھا۔

”یہ کیا بولے میاں؟ انجان اور غیر کو کہاں چھانٹے پھر اس کے آپ؟ دیکھا بھالا ہے خاندانی ہے نیک ہے شریف ہے۔“

”مگر وہ میرا دوست ہے میں دوستی کو رشتہ داری میں بدلنے کا قائل نہیں ہوں البتہ اس سے یہ ضرور کہوں گا کہ وہ پیاری کے لیے کوئی اچھی شے کی لا کر لاتا ہے۔“

”کیا ہو گیا ہے میاں.....؟ رشتے ناتے جان پہچان والوں ہی میں کیے جاتے ہیں؟“ بوا تو بھونچکی سی رہ گئیں۔

دانیال پر نظر پڑتے ہی کیسے کیسے حسین خیال آتے تھے مشہود نے تو یوں بلا تکلف اختلاف کیا گویا وہ تو ایسا کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا اور یہ کہ جیسے بوا نے کوئی بات میسر اٹھل بات کی ہو پیاری کا ایک ہاتھ اپنے بیڑوم کے دروازے کے پینڈل پر تھا پینڈل کی دھانی ٹھنڈک ایک

دم جلتا تو این مگی۔

خواب جلتے ہیں تو دوزخ کی آگ بھڑکتی ہے جس کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں جو صرف ان آنکھوں کو نظر آتے ہیں جو خواب بننے کا طفلانہ جرم کرتی ہیں۔



سعدیہ تو ابھی تک کم کم تھیں یا کوئی نے غبارے میں پن چھو کر ساری ہوا ہی نکال دی تھی۔ قیامت کی نیریت تھی وہ تو کمال کے سامنے یہ سب دہرائی نہیں سکتی تھیں۔ دیواروں کے علاوہ کوئی نہ تھا جس سے اپنی چٹا بیان کرتیں۔ جس بیٹے کی سعادت مندی کی تعریف میں وہ رطب اللسان رشتی تھیں وہ تو گویا زبان ہی کاٹ کر چلا گیا۔ شوہر اور نند کے سامنے محرم رکھنا دو بھر نظر آرہا تھا۔

”نہیں..... نہیں میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں کہ اولاد کے سامنے ہتھیار ڈال دوں اس کا تو باپ بھی کرے گا۔“

لاحول ولا قوۃ وہ کیا اول نول سوچنے لگیں۔ انہوں نے خود پر نفرین بھیجی اسی لیے کہتے ہیں حد سے زیادہ جذبات بھی لے ڈوتے ہیں مگر..... میں اب آرام سے نہیں بیٹھوں گی رشتائی میری ہو بونے گی۔ انہوں نے عزم میم سے خود اپنے تئیں سلی کا اہتمام کیا اور بس اس کے ساتھ ہی شریانوں میں برقی دوڑنے لگی۔

برقی دھجی وہ جفا شیالوں کو کتا ہے۔



مشہود میاں تو اپنی ہی کہہ گئے مارنہ بولنے سے پہلے تولانہ بعد کو سوچا..... دو راتیں آنکھوں میں کٹ گئیں۔ مجھ بڑھیا کا کیا بھر دیا آج مری کل دوسرا دن..... جوان بہن کو پہرہ دیں گے یا روئی روزی کو بھاگے پھریں گے۔ بیستین بوا..... از حد تقریرات میں گہری بظاہر خود کلامی میں جلتا تھیں مخاطب پیاری ہی تھی جوان تمام بستی خیالات کو دل جمعی سے سن تو سکتی تھی مگر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتی تھی اگرچہ رواں رواں اشک بار تھا اور اس اشک باری میں لوشیدنگ کا بھر پور تعاون حاصل تھا۔

”ارے دو چار لوٹے سامنے دکھائی پڑ رہے ہوں تو انسان سوچے یہ زیادہ ٹھیک ہے باقی کسی کام کے نہیں لے دے کے ایک دانیال میاں ہی دکھائی دیے اور تمہارے بھیا کو منظور نہیں۔“

”بوا آپ نے دوا کھائی تھی ناں۔ بھول تو نہیں گئیں؟“ پیاری کو اس ایک طرفہ گفتگو سے بوجھ محسوس ہونے لگا۔ اس نے نئی بات نکالی۔

”اے ہاں۔۔۔۔۔ زہر مار کر لی۔ اب تو گولیاں ہی رہ گئی ہیں نصیب میں۔“ بوانے اپنے رقت آمیز خیالات کے درمیان گولی کا ذکر سنا تو جیسے آگ بگولہ ہی ہو گئیں۔ وہ تو لاشعوری طور پر پیاری سے کچھ ایسا سنا چاہتی تھیں جو ان کے خیالات کی تائید کرتا ہو اور ڈھارس کا باعث ہو۔

”اے بیٹا“ ایک بات بولیں برا تو نہیں مانو گی؟“ بوا نے تذبذب کی کیفیت میں تمہیدی سی باندھی۔

”نہیں بوا۔۔۔۔۔ آپ ایسا سوچیے بھی مت۔۔۔۔۔ کیسے“

”وہ بات یہ ہے کہ بیٹا۔۔۔۔۔ یہ جوان بچوں کو محبت و محبت بھی تو ہوجاتی ہے۔۔۔۔۔ خود ہی منہ سے بول پڑتے ہیں ہم یہاں بیاہ کریں گے۔۔۔۔۔ وہاں نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ ارے تمہیں ایسا کچھ نہ سوچھا۔۔۔۔۔؟“ بوانے ہچکچاتے ہوئے پہاڑ سے گلیشیر لڑھکھ دیا۔

پیاری آنکھیں پھاڑ کر بوا کی طرف دیکھنے لگی۔ سیاہ اور سرخ پرنٹ کے شلواری قمیص دوپٹے میں گیلے بال کمر پر پھیلائے وہ کسی مصوری کی مدھوشی میں بنائی گئی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔

”ارے میں عورت ہو کر واری صدمے ہونے لگتی ہوں“ دانیال میاں کو یہ ایرانی گڑیا دکھائی نہیں پڑتی۔ ”بوا کو دانیال کی کوریجی پرتاؤ آنے لگا۔ آج تک تو وہ اس حسین سنے میں تھیں کہ کچھ دن جاتے ہیں اور مشہود پیاری کو دانیال کے سنگ رخصت کرتا ہے۔

اتنا پختہ خواب ایک جھٹکے سے نہیں دھماکے سے ٹوٹا تھا۔ دھماکہ بھی ایسا جو گہری نیند میں بھی آس پاس کو گونجنے محسوس ہو۔ بازداشت بن کر رہ جائے بوانے انجانے میں

پیاری کی دھکتی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔

محبت تو ہو گئی ہے بوا۔۔۔۔۔ مگر کیسے بتائیں کہ محبت ہو گئی ہے۔ انسان کا شاید یہ بہت بڑا امتحان ہوتا ہے۔ یہ روگ کی طرح قبر تک ساتھ چلتی ہے پھر دنیا میں چہروں میں اختلاف نظر نہیں آتا۔ ہر چہرہ اسی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ ایک چہرے کی عادت ہو جاتی ہے حتیٰ کہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتو لگتا ہے۔ یہ میں نہیں ہوں وہ ہے۔ ایک خیال کی گرفت میں رہنا پاگل پن ہے اور محبت سے بڑا پاگل پن کیا ہوگا؟

”بیٹا۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو۔۔۔۔۔ معاف کر دینا۔۔۔۔۔“

یہ موا بڑھاپا۔۔۔۔۔ خطی ہو گئی ہوں۔“ بوا پیاری کو عین مرقعے میں دیکھ کر پریشان ہو گئیں اور احساس جرم میں مبتلا ہو گئیں۔

”میں اپنے لیے چائے بنا رہی ہوں آپ پیئیں گی؟“

پیاری کو جواب نہ سوچھا تو چائے سو بھگ گئی۔

”نامایا اب یہ پھسکی چائے نہیں پنی جاتی۔۔۔۔۔ راجیسے دوزخی گرم پانی پی رہے ہیں۔“ بوانے بلا درود کد جواب دیا۔

”سکرال سے پیٹھی تو ہوجاتی ہے مگر آپ کو اچھی نہیں لگتی۔۔۔۔۔ کیا کریں۔۔۔۔۔“ پیاری نے لازوال جدائی کے کرب کو کالج کی طرح روح میں اتارتے ہوئے زبردستی کی بشتاٹ ظاہر کی۔

”ارے یہ سب سودا بیچنے کے بہانے ہیں۔۔۔۔۔ چینی کا پوڑ بنادیا اور نیا نام رکھ دیا۔ پاکستان میں کوئی کام سیدھا نہیں سب اونڈھے ہیں۔ اب تو اس وطن کا نا۔۔۔۔۔ بے ایمان رکھ چھوڑو۔ پاک صاف تو یہاں سے بھی کے سدھار گئے۔ چلو تم چائے پیو۔ میں ذرا وضو کر لوں۔ عصر کا سے تو یوں جاتا ہے جیسے بے موسم کا بادل اڑتا ہے۔“ بوا بڑبڑاتے ہوئے پاؤں لٹکا کر اپنے سلپر ٹوٹے لنگھیں۔

پیاری پگن کی طرف بڑھ گئی۔

○.....○.....○

محبت ذکر تک تو آ گئی تھی اتنا ادراک تو ہوا تھا کہ کون کس مقام پر کھڑا ہے۔

”بات سنو تم فیصلے سنانے والے کون ہوتے ہو؟ میں تمہاری گورنر ہوں جو تمہیں پال پوس کر جوان کروں پھر کسی اور کا بچہ سنبھالوں؟ ماں ہوں تمہاری۔۔۔۔۔ میرا سب سے زیادہ حق بنتا ہے تم پر سنا۔“ سعدیہ نے تو گویا یا اللہ یا اللہ کرتے ہوئے دانیال پر چڑھائی کر دی تھی۔ وہ آج کئی دن بعد جیم خانہ گیا تھا۔ سوئنگ بھی کی تھی بہت تھک گیا تھا۔ سوچا تھا گھر جا کر شاہر لے گا اور تکیہ بغل میں دبا کر سپنوں بھری حسین نیند میں کھوجائے گا۔

مگر سعدیہ نے تو نیا نیا ایجنڈا ترتیب دے دیا تھا۔ بہت تسلی سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی تھیں کہ جب تک معاملات حسب نشاء طے نہیں ہو جاتے دھرنا جاری رہے گا۔

”ممی۔۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا حق سب سے زیادہ ہے مگر شادی بندے کا پرسنل میٹر ہوتا ہے اس کے علاوہ آپ جو بھی حکم دیں سر آکھوں پر۔“ دانیال نے نڈھال لہجے میں اپنا اور اپنے حقوق کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

”کہاں سے پرسنل ہو گیا؟ ماں باپ کی ضرورت تو شادی کے بعد بھی رہتی ہے۔ میاں بیوی لڑ پڑتے ہیں تو معاملہ ماں باپ ہی سنبھالتے ہیں بچے ہو جاتے ہیں تو داؤا داری ذمہ داریاں شیر کرتے ہیں۔“ سعدیہ بھڑک کر گویا ہوئیں۔

”یہ سب مہربانیاں ہوتی ہیں ماں باپ کی۔۔۔۔۔ آپ کیا مجھ سے اپنی خدمات کی قیمت چاہیں گی۔۔۔۔۔ پھر آپ میں اور گورنر میں کیا فرق رہ جائے گا؟

ماں۔۔۔۔۔ ماں ہوتی ہے جو بغیر غرض مطلب کے اولاد کی پرورش کرتی ہے۔“ دانیال نے اب سکون سے سمجھانے کی کوشش کی اور اپنے حساب سے انٹرنیشنل لا سے دلائل ڈھونڈ نکالنے کی سعی کی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ماں کی خدمات کا یہی صلہ ہوتا ہے کہ اس کے جذبات کا احترام کیا جائے اسے دکھ نہ دیا جائے۔“ سعدیہ پر کوئی دلیل کارگر نہ ہوئی۔

”ہم نے تو یہی سنا ہے کہ ماں باپ کے لیے اولاد کی خوشی سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی۔“ دانیال کے انداز میں اب بے بسی تھی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ایک اچھی بیوی تمہیں ملے گی اور تم خوشیوں بھری زندگی گزارو گے تو یہی ہماری سب سے بڑی خوشی ہوگی۔“

”شادی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔ یہ بہت مشہور قول ہے۔“ دانیال نے کہا۔

”لیکن ہم اپنے تجربے کی بنیاد پر انسان کو پرکھ سکتے ہیں اور تم ابھی دنیا کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ جانتے ہو۔ لڑکی میں کچھ نظر آ رہا ہے تو تمہارے سر ہور ہی ہوں۔“

”مگر مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔“ دانیال نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا اور بمشکل جمائی روکی۔ نیند کا غلبہ ہو رہا تھا۔

”شادی تو تمہاری رشانی سے ہوگی۔ وہ کسی صورت مانو آ پا کی بہو نہیں بن سکتی۔ عالی جاہ اتنی اچھی لڑکی ڈیزرو نہیں کرتا۔“ سعدیہ نے گویا فیصلہ سنایا۔

”آپ رشنا کو صرف اس لیے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں کہ مانو پھوپھو نے بھی اس کا انتخاب کر لیا ہے۔ آپ کی اس ضد بازی میں آپ کے بیٹے کا نقصان ہو جائے گا۔“ دانیال نے پھر جمائی روکی۔ وہ اس وقت بالکل پرسکون ہو کر بات کر رہا تھا۔ کیوں کہ اسے سو فیصد یقین تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ کر نکاح نہیں پڑھایا جاسکتا۔

سعدیہ چند لمحے دم بخود سی دانیال کی طرف دیکھتی رہیں۔ پھر عجیب سے لہجے میں گویا ہوئیں۔

”کیا تم اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتے ہو۔۔۔۔۔ کسی کو پسند کرتے ہو؟ صاف صاف بات کرو۔“

بات مطلب کی تھی مگر موقع نہیں تھا۔ دل اچھلا چھلا مگر نوک زبان پر پیاری کا نام نہ آیا۔ وہ اس ماحول میں جبکہ ماں بھری پیٹھی تھی۔ کسی صورت پیاری کو ڈی گریڈ ہونا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماں نے تو اس کا پیچھا چھوڑ کر پیاری

سمجھ دار ماؤں کا انتخاب

Shield® Baby Diapers
NEW
Medium
Feels like cloth, dryer for longer
Wetness Indicator
Available in: Small - Medium - Large
[Regular, Bachat Pack & Super Bachat Pack]
ShieldBabies | www.shield.com.pk Call Free: 0800-BABYS(22297)

”آپ بلال بھائی سے رشنا کی شادی کرا دیں۔“
دانیال گویا اب نیند میں بول رہا تھا۔
”اس نے اگر امریکن سے شادی نہ کی ہوتی تو یہی کرتی۔ مگر وہ اس شادی سے وہاں اسٹیکل ہو گیا ہے۔ سٹیزن شپ مل گئی ہے۔ اس نے فائدے کا سودا کیا ہے۔ جب چاہے اپنے پیرنٹس کو بھی بلا سکتا ہے۔ میں اس شادی سے خوش ہوں۔“ سعدیہ نے اظہارِ طمینان کہا۔

”دوسری شادی لوکل سے کرا دیں..... اللہ نے اتنا دیا ہے ان کی چار بیویاں بڑے سے گھر میں آرام سے چھین چھپائی کھیل سکتی ہیں۔“ دانیال ہنوز اوندھا پڑا تھا۔ سیدھا ہوتا تو شاید سعدیہ ایک جڑی دیتیں۔

”میں تمہارے باپ کو بھی تمہارے پیچھے لگاتی ہوں۔ ورنہ پھر امریکا کا ویزہ لگواتی ہوں۔ ایسی اولاد کے ساتھ زندگی گزارنے کا کیا فائدہ جسے ماں کا خیال ہی نہ ہو۔“ سعدیہ نے نیند کی وادی میں قدم رکھنے والے دانیال کو گھورتے ہوئے دھمکی پر کارروائی کا اہتمام کیا۔

○.....○
رات کے سرگہرے ہو رہے تھے۔ ہر فرد نیند کی وادیوں کی طرف محو سفر تھا۔ بے شمار تھکی ماندی روچیں ان سروں کے تعاقب میں چل پڑی تھیں مگر دل پر پہرے بٹھانے والوں نے سماعتوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ رات کے سران سے اتنے ہی دور تھے جتنا ان کا محبوب.....

○.....○
پہاری پشتمن بوا کے تخت پر دراز پورے چاند کی چاندی میں آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ پورے چاند کے سامنے وہی آنکھیں بند کرتا ہے جسے بند آنکھوں سے اپنا محبوب چاند کی طرح روشن دکھائی دے رہا ہو۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا اس شعر کے مصداق وہ ہرگز نہیں تھی..... وہ دانیال کو ہاتھ بڑھا کر چھو سکتی تھی مگر حیا مان تھی۔

کے پیچھے بڑ جانا تھا۔ جو منہ میں آتا کہہ سکتی تھیں یوں بھی ماں کو اس لڑکی میں سارے جہان کے عیب نظر آتے ہیں جو اس کے خیال میں اس کے بیٹے کو اس سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے۔

”مئی..... ابھی فرصت ہی کہاں ہے کہ شادی وادی کے بارے میں سوچا جائے۔“ دانیال کو بلا خر مناسب جواب سوچھ گیا۔

”شادی فرصت سے نہیں ہوتی، قسمت سے ہوتی ہے اور قسمت کوشش کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔“ سعدیہ نے تو ہار نہ ماننے کی قسم کھائی تھی۔ ہر بات کا جواب یوں تیار تھا گویا پہلے سے اسکرپٹ لکھا گیا ہو۔

”مئی میں بہت تھک گیا ہوں..... بس آپ سے پھر وہی بات کہوں گا جو آج دن میں کہی تھی..... رشنا..... عالی جاہ کو مبارک ہو..... میں تو اسے بھابی بنا کر بہت خوشی محسوس کروں گا۔ خواہ ساری زندگی میری شادی نہ ہو۔ اگر آپ نے مجھے زیادہ پریشہ افزا کیا تو میں اسے ابھی سے بھابی ماں کہنا شروع کر دوں گا۔“ دانیال کے لہجے میں کمال بیزاری کے ساتھ دھمکی کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

”لگاؤں کی ایک پکڑ کر۔“
”لگا دیں.....“ دانیال اب تکیے پر اوندھا گر گیا۔
”یہ تو تم جانتے ہو ناں میں اگر کچھ ٹھان لوں تو پیچھے نہیں ہٹتی اور خبردار جو آئندہ تم نے یہ بھابی ماں کا لفظ منہ سے نکالا۔“

”کیوں..... کیا وہ میری منکوحہ ہے۔ بھابی ماں کہنے سے نکاح ختم ہو جائے گا۔ پھر تو بے لے کر دوبارہ کرنا پڑے گا؟ مفت میں مٹھائی کا خرچہ ہوگا۔“ دانیال نے ماحول کی تنجید کی کو دھوکے کی طرح اڑانے کی کوشش کی۔
”شادی تو تمہاری ہر حال میں رشنا سے ہی ہوگی۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں خودکشی کی دھمکی نہیں دوں گی بلکہ بلال کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امریکہ چلی جاؤں گی۔ ساری زندگی میری صورت کو ترسو گے۔“ سعدیہ نے بہت ہی خوف ناک دھمکی دی۔

وہ شادی نہیں کرے گی، کچھ بھی بات بناوے گی، مگر منافقت کی زندگی ہرگز نہیں گزارے گی۔

چند روز قبل دانیال مشہود کے پاس سڈے منانے آیا تھا، دونوں نے ٹینس بھی کھیلی، شطرنج بھی اور تاش کے 52 چٹوں کی بھی درگت بنائی۔ وہ مختلف موضوعات پر باتیں بھی کر رہے تھے۔ دلچسپ جملے بازی بھی چل رہی تھی، پیاری سامنے نہیں تھی مگر سارا وجود تو خود ہی ساعت بنا ہوا تھا۔ دانیال کی آواز گھر میں گونج رہی تھی۔ لگتا تھا گھر میں چراغاں ہو رہا ہے۔

کھانے کے برتن سمیٹتے ہوئے پیاری نے سنا وہ کسی کلاس فیلو کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

”یار زویا نے آخر کار اپنے پیڑنس کی پسند سے شادی کر لی لی۔ ہادی تو آج تک ڈپریشن میں ہے سنا ہے سائیکو ہو گیا ہے۔“ دانیال کہہ رہا تھا۔

”اسٹوڈنٹ زویا اس وقت اپنے شوہر کے دو بچوں کی ماں بن چکی ہے۔“ مشہود نے ملامت کے انداز میں کہا۔

”ویسے یار..... اسے سمجھانا چاہیے زویا کے بچوں کا روحانی باپ تو وہی ہے شاید یہ سن کر اس کی بیٹری پھر سے چارج ہو جائے۔ یہ بھی تو ایک آنر ہے۔“ اس کے ساتھ ہی دونوں کے زبردست تہقہ بلند ہوئے تھے۔

”ویسے پارکی نے ٹھیک ہی کہا ہے کامیاب عاشق ابو جان نا کام عاشق ماموں جان اب تم جا کر ہادی کو بتاؤ کہ وہ ماموں بن گیا ہے۔“ دانیال نے کہا، دونوں پھر ہنسنے لگے تھے۔

”یہ لڑکیاں بھی بڑی منافق اور ڈرامے باز ہوتی ہیں۔ ماموں بناتے دیر نہیں لگا تیں۔“ مشہود نے ہنسنے اپنی ہنسی روک کر کہا۔

”ماموں بنانا کوئی ان سے سیکھے۔“ دانیال نے برجستہ کہا۔

”ویسے یار آپس کی بات ہے اگر تم خدا خواستہ نا کام عاشق بنے تو کیا کرو گے؟“ مشہود نے بڑے پیار پھرے شریر لہجے میں سوال کیا۔

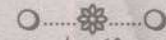
(ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



”ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ ماموں نہیں بنوں گا۔“ دانیال کے انداز میں شوخی، شرارت، برجستگی سب ہی کچھ تھا۔

”اے بیٹا..... ماموں تو نصیب والے بنتے ہیں۔ پر آپ کی کوئی بہن ہی نہیں جو اللہ کی مرضی..... وہ دانیال سے مخاطب تھیں جس نے ماموں بننے سے انکار کیا تھا۔ بیہشتن ہوا کی نیند ٹوٹی لفظ ماموں سن کر ہی انہوں نے نشست سنبھال لی تھی۔ اس کے جواب میں دانیال اور مشہود کے زبردست تہقہ بلند ہوئے تھے۔

پیاری نے آنکھیں کھول کر پورے چاند کو دکھا۔ منافق لڑکیاں..... دانیال نے اسے سوچ دی تھی خوف دیا تھا۔ محتاط کیا تھا۔ چاند میں دانیال کا چہرہ تھا، چاندنی گویا اس کی نظر کا نور تھا، جس کے ہالے میں اس کی روح منور ہو رہی تھی۔



معمول کے مطابق وہ فجر کی پہلی اذان پر ہی اٹھ گئی تھی لیکن آج طبیعت میں وہ تازگی نہیں بھی جوا نکھلتے روح پر پھوار کی طرح برستی محسوس ہوتی تھی۔ ہاتھ پاؤں ہلانا یوں لگ رہا تھا گویا اس سے جبری مشقت لی جا رہی ہو پھر بھی وہ اٹھ گئی۔ باہر برآمدے میں نظر پڑی بوا اپنی تہجد کے بعد تسبیحات میں مصروف تھیں۔ بڑا سا مکمل کا دوپٹہ لپیٹے ہوئے مغرب کی طرف منہ کیے یوں مل رہی تھیں جیسے فرشتے جھولا جھلارہے ہوں۔

سر مراقبے کے انداز میں جھکا ہوا اور آنکھیں بند تھیں۔ استغراق کا وہ عالم تھا کہ پیاری کے قدموں کی چاپ سے کوئی تغیر واقع نہ ہوا۔ پیاری نے وضو کر کے نماز ادا کی دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو چاند ہاتھوں کے پیالے میں اتر آیا۔ اس نے لاشعوری طور پر چاند کی تمنا ہی تو کی تھی۔

مجھ سے بچھڑ گیا جو گئے سال کی طرح
اس کا بھی حال ہوگا میرے حال کی طرح
آیا نہیں وہ رہ گئے رستے سجے ہوئے
یہ سال بھی گزر گیا ہر سال کی طرح

گزشتہ قسط کا خلاصہ

معید صاحب برین ٹیمپریج کی وجہ سے انتقال کر جاتے ہیں اور ان سے کینیڈا کی پولیس کا تارچہ برداشت نہیں ہو پاتا، معید صاحب کی بیوی عارض کو فون پر یہ خبر سناتی ہیں۔ عارض معید صاحب کی موت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتا ہے اور صفر کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اگر آغا جی بروقت کینیڈا چلے جاتے تو معاملات بہتر ہو سکتے تھے۔ شرمین جاب کے لیے مختلف کمپنی میں انٹرویو دے کر گھر پہنچتی ہے تو سامنے کا منظر اس کو ششدر کر دیتا ہے۔ صبح احمد کے بچے ہوئے ڈبے سے چیزیں فرش پر پھری ہوئی ہیں شرمین کا ایک بار پھر ذہن بچھلی باتوں میں الجھ جاتا ہے۔ اذان کو صبح احمد کی بھیجی ہوئی چیز دیکھ کر دکھ ہوتا ہے اور اس کا اظہار وہ شرمین سے کرتے ہوئے چیزیں واپس بھیج احمد کو بھیجے کو کہتا ہے۔ آغا جی کو ہوش آ جاتا ہے اور ہوش میں آتے ہی وہ عارض سے اپنا مابائل مانگتے ہیں تاکہ وہ منیجر معید صاحب کی خیریت معلوم کر سکیں۔ زیبا صفر کو خلع کا نوٹس بھیج کر اشتعال کا شکار کر دیتی ہے صفر غصہ میں عارض کو نوٹس دکھا کر زیبا سے چھٹکارے کا کہتا ہے جس پر عارض اس کو سمجھانے کے ساتھ خود بات کرنے کی ہامی بھرتا ہے۔ صفر اب مطمئن ہے کہ اس طرح زیبا کی غلط بیانی سامنے آ جائے گی۔ شرمین آغا جی کو دیکھنے اسپتال آتی ہے جس پر آغا جی کو خوشی ہوتی ہے اور وقتی طور پر وہ عارض کو بھول کر شرمین کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور باتوں کے درمیان آغا جی شرمین کو سنا کا بتا کر حیران کر دیتے ہیں۔ عارض شرمین کو دیکھ کر اپنے دل میں ایک بار پھر اس کے لیے محبت کے جذبات محسوس کرتا ہے لیکن درمیان میں حائل اپنے الفاظ اور ان سے کہیں زیادہ اذان کا وجود اس کے ہاتھ میں حائل ہو جاتا ہے وہ صفر کو اذان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو کہتا ہے جبکہ صفر اب اپنی الجھن میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ محبت میں ایک بار پھر شرمین کا دل موم ہو رہا ہوتا ہے وہ صبح احمد کی یاد میں پھل رہی ہوتی ہے اسے صبح احمد کے ساتھ گزرے لمحات یاد آ رہے ہوتے ہیں اس لیے وہ اذان کا بھی زیادہ خیال رکھ رہی ہوتی ہے۔ جبکہ اذان کی پھوپھو (کشف) اذان کو تلاش کر رہی ہوتی ہیں اور ایک ملاقات میں کشف شرمین سے اس کا ذکر بھی کرتی ہے۔ عارض زیبا سے بات کرنے کے لیے اس کے گھر آتا ہے لیکن زیبا سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ دوسری طرف صفر بے چینی سے عارض کا انتظار کرتا ہے صفر کو بھی زیبا سے محبت ہو گئی ہوتی ہے اور زیبا کے گناہ کو نظر انداز کرتے وہ اب زیبا کو صرف عبدالصمد کی ماں ہونے کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



آغا جی نے کمرے میں مکمل اندھیرا کر رکھا تھا۔ عارض نے لائٹ آن کی تو آغا جی کو چپٹے لیے چھت کو گھورتا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں خوف زدہ سا ہوا، دائیں ہاتھ والی کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکایا تو کمرہ روشن ہو گیا۔ مگر آغا جی نے کوئی حرکت نہیں کی، تو اسے پوچھنا پڑا۔
”بابا، کھانا لگواؤں۔“ وہ کچھ نہیں بولے تو اس نے ان کا ہاتھ تھام کر پھر کہا۔
”بابا کیا بات ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“
”ہاں زندہ ہوں حالانکہ مر جانا چاہیے تھا۔“ وہ بہت کرب سے گزرتے ہوئے بولے۔
”اللہ نہ کرے۔“ وہ ایک دم بولا۔
”کیوں نہ کرے، ہم خدائی فوجدار بن کر کچھ بھی کرتے پھریں وہ کچھ نہ کرے۔“ وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھے۔
”بابا کیا ہوا ہے؟“
”کیا نہیں ہوا، میرا بیٹا باپ سے جھوٹ بولتا ہے دھوکہ دیتا ہے باپ کو لا علم رکھ کر سمجھتا ہے کہ باپ بے وقوف ہے۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے، بتائیں کیا بات ہے؟“
”یہ خط دیکھو، منیر معید نے اپنے وکیل کا بندوبست کر کے لکھوایا ہے۔ معید صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے آپ کو پتا تھا پھر بھی مجھ سے چھپایا۔ چھپانے سے کیا ہوا کیا وہاں کی پولیس نے کیس ختم کر دیا، انہوں نے معید کی ڈیڈ باڈی دی ہے کیس ختم کرنے کی بات نہیں کی، مجبوراً اس بے چاری عورت کو وکیل کا انتظام کرنا پڑا اور ہم یہاں عیش کر رہے ہیں۔“ وہ شدید غصے میں دھاڑے تھے جو کہ ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں تھا۔
”بابا پلیز، غصہ نہ کریں میں آپ کو سب بتاتا آپ کی طبیعت کی وجہ سے.....!“
”اس سے بہتر تھا کہ اپنے ہاتھوں سے زہر دے دیتے۔“
”بابا آپ کی طبیعت اس قابل نہیں تھی۔ اب آج کل میں، میں آپ کو سب بتا دیتا، بلیوی میں خود بہت شرمندہ ہوں، میرے ضمیر کی ملامت نے جینا حرام کر رکھا ہے۔“
”ہنہ..... ضمیر کی ملامت۔“ انہوں نے طنز کیا۔
”بابا حالانکہ اس قصے سے میرا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے، کہ میں اس کو بے سہارا سمجھ کر پائٹمنٹ میں رہنے کی اجازت دی۔“

”دوسرے نظموں میں اسے سہارا دیا نا۔“
”نہیں، وہ محبت کی دعویٰ اڑھی سو اس پر اعتبار کیا۔“ وہ گردن جھکا کر نظریں چراتے ہوئے بولا۔
”عارض مان لو کہ تم اس کی محبت کے چکر میں تھے۔“
”نہیں بابا محبت تو آج بھی صرف اور صرف ایک ہی سے کرتا ہوں۔“
”اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے تم لائق ہی نہیں۔“
”بابا یہ آپ کہہ رہے ہیں۔“
”فوری طور پر میری سیٹ کنفرم کراؤ میرا وہاں جانا ضروری ہے، میئرنگ میں ہونا ضروری ہے۔“ وہ بولے۔
”مگر.....“
”کچھ نہیں جو کہا ہے وہ کرو، ورنہ میں منیجر صاحب کو کہوں۔“

”او کے پہلے مگر ڈاکٹر صاحب سے رابطہ نہ کر لیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں، نہیں مرنے میں۔“

”سوری بابا۔“

”جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ انہوں نے سختی سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

صفر سے صبر نہ ہوا تو خود ہی عارض کی طرف آ گیا، گھر میں انتظار کے لمحے بہت کڑے گزر رہے تھے۔ امی کی سوائے نظریں اپنی اپنی چینی جس کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے مناسب یہ لگا کہ عارض کے پاس جا کر بیٹھ کر پوچھا جائے، مگر یہاں عارض کی رونی صورت دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ زیبا نے عارض کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا ہوگا۔ عارض نے اسے اپنے کمرے میں ہی بٹھایا۔ ملازم کو کھانا لانے کا کہا۔

”میں نے تمہیں فون کرنا تھا۔ مگر گھر میں منظر ہی اور نکلا۔“ عارض بولا۔

”مطلب.....؟“

”آغا جی کو معید صاحب کی وفات کا پتا چل گیا سزمعید نے وکیل کیا ہے اس نے خط بھیجا ہے اور بس بابا کا غصہ ناقابل برداشت ہے۔“

”اوہ..... کب آیا خط۔“

”آج ہی بابا کو ملا ہے اب بابا کی توپوں کا رخ میری طرف ہے۔“

”یہ تو ہوتا ہی تھا۔“

”میری نیت یہ تھی کہ بابا ٹھیک ہو جائیں تو بتاؤں مگر بابا کو یقین ہے کہ میں نے جھوٹ بولا دھوکہ دیا اور میں فراڈ ہوں۔“

”اصل میں اتفاقات ایسے ہی حالات خراب کر دیتے ہیں۔“ صفر نے کہا۔

”اب بابا فوری طور پر نیویارک جا رہے ہیں، تب تک وہیں رہیں گے جب تک کیس ختم نہیں ہوتا۔“ عارض نے بتایا۔

”اور کیس تب ختم ہوگا جب سبنا پکڑی جائے گی کیونکہ اصل فساد کی جڑ تو وہ ہے۔“ صفر نے کہا۔

”ہاں لیکن بابا کو تو لگتا ہے کہ میں سبنا سے محبت کرتا ہوں۔“ عارض گلوگیر لہجے میں بولا۔

”خیر کچھ چیزیں وقت خود ثابت کر دے گا۔“ صفر نے کہا۔

”میں معلوم کیا ہوگا، خیر تم سناؤ پریشان لگ رہے ہو۔“ عارض نے اس سے پوچھا۔

”ہاں تمہارے فون کا انتظار کر کے تا پڑا۔“ صفر نے کہا۔

”میں گیا تھا، بھائی کی امی سے ملاقات ہوئی، وہ تو بالکل نہیں چاہتیں کہ بھائی خلع لیں تم سے بہت پیار کرتی ہیں

بھائی کوئی برا بھلا کہہ رہی تھیں۔“ عارض بولتے بولتے رکا۔

”اور زیبا۔“ صفر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”زیبا بھائی سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

”کیا مطلب؟“ صفر کو شک لگا۔

”بھائی کہیں گئی ہوئی تھیں۔“

”یعنی زیبا سے تمہاری ملاقات ہی نہیں ہوئی اور وہ نوٹس۔“

”وہ میں واپس لے آیا ہے چاری خالہ جی لاعلم تھیں اور پھر وہ تو ایسا چاہتی ہی نہیں تمہیں سمجھانے کا کہہ رہی تھیں

پھر ان سے میں کیا بات کرتا۔“ عارض نے بتایا۔

”یہ تو حقیقت ہے کہ زیبا کی امی ایسا نہیں چاہتیں۔“

”تم چاہتے ہو؟“

”میں..... وہ زیبا تو ایسا چاہتی ہے۔“ وہ ہلکایا۔

”یار..... تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں..... میں نہیں معلوم، لیکن پہلے تم اس سے ملو، پھر فیصلہ ہوگا۔“

”میں تو خیر پھر چلا جاؤں گا۔ لیکن میرا خیال ہے گھر جاؤ۔“ اس نے مشورہ دیا۔

”بات کچھ اور ہے۔“ صفر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”بات جو بھی ہے کوشش کرو کہ گھر فک جائے.....!“

”تم اب کب جاؤ گے۔“

”پہلے تو بابا کی سیٹ کنفرم کرانی ہے، وہ چلے جائیں تو پھر۔“

”ٹھیک ہے مگر جیسی جلدی ممکن ہو سکے نوٹس پر جواب کی تاریخ دیکھ لینا۔“

”چھوڑو یار ہمیں گھر نہیں خراب کرنا تم درگزر سے کام لو۔“ عارض نے کہا تو صفر نے کچھ نہیں کہا صرف اسے دیکھتا رہا۔

”کھانا کہاں رہ گیا۔“

”آغا جی کے ساتھ کھاتے ہیں۔“ صفر نے کہا۔

”ٹھیک ہے دیے ان کا موڈ آف ہے آؤ۔“ عارض نے چلنے کا اشارہ کیا۔

☆.....☆.....☆

عبدالصمد کو کندھے سے لگائے لگائے زیبا تک گئی تو نبضی نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ سوچ کا تھا زیبا نے رست و اوج پر نگاہ ڈالی تو کافی وقت گزر چکا تھا۔ ان دونوں نے تو مختلف اشارے سے کافی کچھ کھایا تھا۔ لیکن نبضی کا خیال تھا کہ خالہ حارہ کے لیے بریانی پک کر ایسی زیبا اسی وجہ سے اکیلی بریانی لینے چلی گئی۔ نبضی وہیں عبدالصمد کو لیے بیٹھی تھی۔ زیبا کو گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ بدحواس اور نیم پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی خالی ہاتھ واپس آ گئی اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور نظریں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔

”کیا ہوا، کیا بات ہے؟“ نبضی ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”وہ..... وہ ادھر آ میرے ساتھ۔“ وہ نبضی کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف بھٹک رہی تھی۔

”کیا ہے، کون ہے خیر تو ہے۔“ نبضی اس کے ساتھ لڑکھرائی، کرتی پڑتی چلتے ہوئے بولی۔

”وہ وہاں وہ منحوس تھا میں نے خود دیکھا۔“

”کون؟“

”میں نے جس سے محبت کا فریب کھایا۔“ وہ زیادہ ہجوم والی طرف گھس گئیں نبضی ہانپنے لگی اس نے ماشاء اللہ گول

مٹول سے عبدالصمد کو اٹھا رکھا تھا۔

”زیبا اب میں نہیں چل سکتی پلیز۔“

”اچھا میں آتی..... وہ..... میں!“ وہ ٹوٹا پھوٹا کہہ کر غائب ہو گئی۔ ننھی کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی نسبتاً رش والی جگہ پر آ گئی خالی بیچ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

کافی دیر تک وہ نہ آئی تو اسے پریشانی لاحق ہوئی۔

”آخر زیبا نے کس کو دیکھ لیا کیوں اس پر وحشت سی طاری تھی۔“ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا اس کے پاس سوائے انتظار کرنے کے۔

تقریباً بیس پچیس منٹ بعد وہ ٹھکست خوردہ سی لوٹی اور اس کی آنکھوں سے چھماچھم برسات شروع ہو گئی ننھی اور

زیادہ پریشانی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

”زیبا..... زیبا کیا مسئلہ ہے، کیوں رو رہی ہو؟“

”چلو یہاں سے۔“

”اچھا، مگر بتاؤ تو۔“

”بس چلو، لاؤ مجھے دو عبدالصمد کو۔“ وہ روتے روتے بولی۔

”بتاؤ چلے بات کیا ہے۔“

”مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا۔“ وہ غم و غصے سے بولی۔

”کون۔“

”میری خوشیوں کا قاتل۔“

”تمہارا مطلب۔“

”ہاں اس نے میری عصمت کی نیلای کی۔“ وہ پھر رو دی۔

”اللہ غارت کرے اسے رو نہ بند کرو لوگ عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔“ ننھی نے کہا۔

”مجھے دیکھتے ہی بھاگ گیا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہی تھا۔“

”ہاں کاش میرے ہاتھ لگ جاتا تو اس کا منہ نوچ لیتی۔“

”چھوڑ، گندگی میں ہاتھ ڈال کر کیا ملے گا۔“

”کیسے چھوڑوں؟“ اس نے محبت کی توہین کی۔

”محبت تم نے کی تھی اس نے تو مطلب نکالا تھا۔“

”ہاں مگر وہ نہیں جانتا کہ میں اس سے اب نفرت کتنی کرتی ہوں۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے رکشہ روکا اور

دونوں بنارکشے والے سے کوئی بات کیے رکشے میں بیٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ کمرے میں گھس کر اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔ ننھی نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اس پر چڑھائی شروع کر دی۔

”کیا اس سے محبت جاگ گئی ہے اس کے لیے تڑپ پیدا ہو گئی جو آنسو بہا رہی ہو، ارے اس پر تو تھوکتا چاہیے تھا۔“

”نہ عشق ہے نہ محبت اپنی بے بسی کا ماتم ہے بس اور کچھ نہیں، اس کی وجہ سے آج میں اس حالت میں ہوں، اس کی وجہ سے میرا وجود لودہ ہوا یہ میرا قاتل ہے۔“ وہ روتے ہوئے بولتی چلی گئی۔

”ہو گیا، یہ ماتم، گزر گیا وہ تمہاری زندگی سے محبت کا فریب دے گیا پھر اب لکیر پینے سے کیا حاصل؟ اس سے کیا واسطہ اب اصل مجرم تو وہ ہے جس نے تمہاری پاکیزگی کا خون کیا۔“ ننھی نے کہا۔

”لے کر تو یہ گیا تھا۔“ زیبا چلائی۔

”بھول جاؤ سب کچھ جتنا اس موضوع پر سوچو گی الجھتی جاؤ گی عبدالصمد سے توجہ ہٹتی جائے گی۔ اب اس باب کو

ہر طرح سے بند کر دو یہی بہتر ہوگا۔“

”میری زندگی حرام ہو گئی ہے۔“

”اس لیے اس کا ایک ہی حل ہے بہت ہو چکا، اب صفر بھائی سے بھی کوئی امید کوئی تعلق نہیں رکھنا، انہیں بھی

چھوڑ دو اس دائرے سے نکلو میں خود صفر بھائی کو کھری سناتی ہوں۔ ضرورت کیا ہے خاک چھانے کی۔“

”اور وہ میری سچائی۔“

”کوئی سچائی بتانے کی ضرورت نہیں، رشتے اس پر نہیں بنتے۔ صفر بھائی کے اندر جو جھٹن بھری ہے وہ نہیں نکل

سکتی۔ بس اب انہیں صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں وہ ان کا دوست ہے پوچھیں نہ پوچھیں کوئی فرق نہیں پڑتا جو ہونا

تھا ہو گیا، اب راستے الگ ہونے بہتر ہیں۔“ ننھی پہلی مرتبہ اس قدر مشتعل ہوئی تھی۔ زیبا نے اپنی ہیکل آنکھیں رگڑ

کر صاف کیں اور اس کی طرف دیکھا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں زیبا اب جس گلی جانا نہیں اس کا راستہ مت پوچھو، سب چھوڑ دو تمہیں عبدالصمد چاہیے وہ

تمہیں مل رہا ہے بس باقی کچھ مت رکھو، تمہارے ساتھ جس نے جو کیا اسے بھول جاؤ، کیا ہو جائے گا چ بتا بھی چل

آنچل کی پہلی آنچل کی بھولی

حجاب

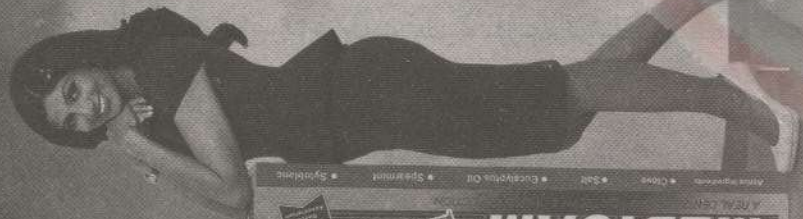
الحمد للہ
شائع ہو گیا ہے
آج ہی اپنے قریبی ایجنٹ یا
ہا کر سے طلب فرمائیں
اور
پرچاند ملنے کی صورت میں ان نمبرز پر رابطہ کریں
03008264242+02135620771-2

10 PROBLEMS SOLUTION

Medicam Dental Cream

Medicam Dental Cream

میڈی کیم ڈینٹل کریم جیسے۔۔۔ دانتوں کی لائف ٹائم انشورنس۔



گیا تو صفدر بھائی کا دل صاف ہو جائے گا یہ ممکن نہیں وہ اپنے دل کو صاف کرتے تو پہلے ہی تمہیں معاف کر دیتے ان کو اب چھوڑنے کا فیصلہ درست سمجھو۔۔۔ ”نھی نے اسے سختی سے باز رہنے کی ترغیب دلائی۔“

”میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ بتاؤ کیا تصور تھا میرا؟“

”ہنہ، وہ تو جیسے نہیں بتاتا تھا ہمارا تصور محبت کے مکھن زدہ لفظوں پر اعتبار تھا مگر وہ ہر جانی اور کم ذات تھا اسے تو محبت کی ہوا چھو بھی نہیں سکتی۔“ ”نھی کا لہجہ کڑوا ہٹ سے بھر گیا۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو، مجھے کسی سے نہ کچھ پوچھنا ہے اور نہ کچھ بتانا ہے۔“ ”زیبا نے بڑے حوصلے سے کہا۔“

حاجرہ بیگم ان دونوں کا کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے کے بعد خود وہیں آ گئیں، انہوں نے دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ اندر سے بند ہونے پر کچھ حیران ہوئیں اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں ”نھی نے مسکراتے ہوئے جلدی سے دروازہ کھول دیا وہ اندر آ گئیں۔“

”خیریت ہے تم دونوں کمرے میں کیوں بند ہو گئیں کیا کھانا نہیں کھانا۔“

”نہیں ہم نے وہاں بہت کچھ کھایا اور میں آپ کے لیے بریانی گرم کر کے لاتی ہوں۔“ ”نھی یہ کہہ کر جانے لگی تو انہوں نے روکا۔“

”نہیں بھئی میں نے تو ایک روٹی پکا کر بھی کھائی ہے بہت دیر کر دی تم نے آنے میں اور زیا تمہیں کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں بس تھک گئی ہوں۔“

”ٹھیک ہے آ رام کر لو چائے پی لو، پھر بات کرتے ہیں۔“

”نہیں بولیں خیریت۔“

”دیکھو زیا ابھی تو مقدر لوٹ لوٹ کر تمہارے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اس کی قدر کرو، بعد میں پچھتاؤں کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔“

”بات کیا ہے؟“ ”نھی نے پوچھا۔“

”صفدر کا دوست آیا تھا کہہ رہا تھا کہ بھابی کو سمجھائیں۔“

”صفدر کا دوست؟“ ”نھی نے تعجب سے پوچھا۔“

”کون تھا، کیا نام تھا؟“ ”زیبا نے حیرت سے پوچھا۔“

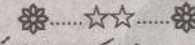
”نام تو مجھے نہیں بتا بس بہت بھلا نوجوان تھا تم سے ملے آیا تھا۔ پھر آنے کا کہہ گیا ہے۔“

”آپ نام تو پوچھ لیتیں۔“

”بس ذہن سے نکل گیا اچھا خوب صورت تھا ہمیں اس کے نام پر نہیں آنے پر غور کرنا چاہیے۔“ حاجرہ بیگم نے کچھ طویر انداز میں کہا۔

”مگر بتاؤ چلے خالہ کون تھا؟“ ”نھی نے کہا۔“

”بس فی الحال اتنا سن لو کہ تمہارا اور صفدر کا خیر خواہ تھا صفدر کی طرف سے سمجھانے کا پیغام لایا تھا۔ میں نے اسے بھی کہہ دیا ہے کہ صفدر کو بھی سمجھاؤ، وہ اپنے رویے میں تبدیلی لائے۔“ ”وہ بولیں تو زیا اور ”نھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔“



رات حاجرہ بیگم کے سونے کے بعد جیسے ہی وہ دونوں کمرے میں آئیں تو دونوں کے ذہن میں صرف ایک ہی

سوال چل رہا تھا۔
”کون ہوگا۔“

”صفدر کو نوٹس نے ہلا کر رکھ دیا شاید، اس لیے کسی کو بھیجا ہوگا۔“ زیبانے طنز یہ کہا۔
”اس کا مطلب وہ علیحدگی نہیں چاہتے۔“ بھی بولی۔
”لیکن وہ کچھ اور بھی نہیں چاہتے۔“ زیبانے جواب دیا۔
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ بھی کوئی کہانی ہے۔“
”میرا خیال ہے کہ وہ خالہ کو نوٹس کا بتا کر نہیں گیا۔“
”ہاں، پھر لیکن کیوں آیا۔“

”سیدھی سی بات ہے مجھے کچھ حاصل حصول نہیں، صفدر نے کسی چالاکی کسی کو بھی دوست بنا کر بھیج دیا ہوگا۔“
”خیر کسی کو تو نہیں کوئی قریبی دوست ہی ہوگا۔ اتنے وضع دار تو ہیں وہ۔“
”قریبی تو وہی منحوس ہے۔“
”کون؟“

”بے غیرت عارض۔“

”نہیں وہ، وہ تو تمہارا سامنا ہی نہیں کر سکتا اور پھر گھر بچانے کے لیے وہ کیسے بات کر سکتا ہے۔“
”یہ بھی تو ممکن ہے کہ صفدر نے اس سے پوچھ لیا ہو اور وہ میرا منہ بند کرانے کے لیے آیا ہو، ہم تھے نہیں اس لیے اسی سے چلتی چڑی باتیں بنا گیا۔“ زیبانے خیال ظاہر کیا۔
”نہنہ، یہ ممکن ہے لیکن صفدر بھائی سے پوچھا جاسکتا ہے۔“
”ہرگز نہیں خود ہی تو کہتی ہو کہ سب چھوڑ دو۔“ زیبانے کہا۔
”نہنہ ٹھیک بھی یہی لگ رہا ہے مگر یہ صفدر بھائی کے دوست والی کہانی الجھا رہی ہے۔“
”کوئی ضرورت نہیں اچھٹے کی۔“

”میں فون کر لوں۔“

”نہیں ہم نوٹس بھیج چکے ہیں اب جوابات کرنی ہے انہوں نے کرنی ہے۔“ زیبانے بستر پر دراز ہو کر چادر سر تک تان لی۔

”عجیب ہے سب معاملہ۔“

”سو جاؤ، مت سوچو، جو ہوگا، بہتر ہوگا۔“ زیبانے چادر کے اندر سے ہی کہا۔

”اور وہ کل پھر آ گیا تو۔“

”تو صاف کورا جواب نہیں ملتا۔“

”دیکھ لو۔“

”دیکھ لیا۔“

”لٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

”ہے۔۔۔۔۔! وہ فیصلہ کن انداز میں بولی تو ننھی بھی خاموش ہو گئی، اسے نہیں معلوم ہو سکا کہ زیبیا کی آنکھوں سے

اپنی تپائی پر کیسے سیلاب بہہ نکلا ہے۔ وہ کب چاہتی تھی کہ صفدر سے الگ ہو، صفدر تو اس کا محبوب بن چکا تھا مگر وہ شاید اسے بھی معاف نہیں کر سکتا۔ ننھی سو گئی مگر وہ رات کے آخری پہر تک جاگتی رہی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رات کا ایک بج چکا تھا۔ جانے کیوں وہ میسر پر کھڑا سگریٹ پھونکتے ہوئے اسے مس کر رہا تھا۔ چاروں اطراف گہرا سناٹا اور تاریکی تھی ایسے میں اسے شدت سے تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے زیا اور زیبیا سے زیادہ عبدالصمد کی یاد آ رہی تھی زیبیا کے پاس اس کے گھر کا جگنو، اس کے نکلن کا تارا تھا یکبارگی وہ بڑبڑایا۔

اسے کہنا
اگر آئے تو ساتھ آئے
کوئی جگنو، کوئی تارا بھی لائے
کہ میرا دل، میرے گھر کی طرح
تاریک رہتا ہے۔۔۔۔۔!!

میرے گھر کا آفتاب میری چھت کا چاند کب، کب لاؤ گی، مجھے میرا بتانا چاہیے، اس کو میں کسی صورت تمہیں نہیں سوچ سکتا، امی کا ہی نہیں میرا دل بھی اب میرے اختیار میں نہیں اسے دیکھنے اور چھونے کو بے تاب ہوں میں۔“ وہ کرسی پر گر سا گیا اور صفدر وہ خلع کا نوٹس زیبیا کی طرف سے لائق کا اعلان عبدالصمد کو ہمیشہ کے لیے تم سے دور لے جانے کا پروگرام اس پر نہ وہ کوئی سودے بازی کرے گی اور نہ دستبردار ہوگی پھر ویسے بھی تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تم کس منہ سے اس سے کوئی بات کر سکتے ہو؟ ہر راستہ بند کر کے۔۔۔۔۔ اب کیا کہو گے کہ نوٹس سے ڈر گئے ہو، نوٹس واپس لے لو یہ کہو گے۔۔۔۔۔ نہیں صفدر اب صرف وقت گزرنے دو دھند چھٹنے دو دیکھو! وقت کیا فیصلہ کرے گا؟ اس نے خود سے سوالات اور جوابات کی جنگ لڑی اور پھر سگریٹ سلگا لیا۔ تازہ دھواں اس کے اطراف میں پھیل گیا۔
دو بج چکے تھے نیندا نکھوں سے دور تھی۔ ذہن بوجھل تھا۔ ٹھکن زدہ تھا دراصل زندگی خود تو ہلکی پھلکی سی ہے بوجھ تو سارا خواہشات کا ہوتا ہے انسان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کب خواہشات قیمتی سامان کا روپ دھار کے زندگی کو بھاری بنا دیتی ہے۔ اس کے اندر بھی یہی خواہش ہی تو جاگتی تھی کہ اسے بیوی اور بیٹا یاد آ رہے تھے۔ یہ جان کر بھی کہ ایسا کرنا ایسا ہوتا ممکن نہیں۔

عبدالرفیق ٹھیک ہے لیکن مجھ کو ایسا لگتا ہے
تم تو میرے ساتھ رہو گی میں تمہارا جاؤں گا۔
بالکل تنہا
زندگی تاریک راہوں میں بھٹک جائے گی۔
میرا جگنو
میرا تارا
میرا سورج

”اور میرا چاند۔۔۔۔۔ دور ہو جائے گا میں نہ روک سکتا ہوں اور نہ جانے دے سکتا ہوں۔“

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نجر کی نماز کی یہ خصوصیت سب سے افضل ہے کہ انسان صبح کے خاموش لمحوں میں خود کو اللہ کے بے حد قریب سمجھتا

ہے، جو بات اللہ سے کہتا ہے اس کا جواب محسوس کرتا ہے۔ اس نے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے جی بھر کے باتیں کیں اور پھر جائے نماز سے اٹھی، فون بج اٹھا تو وہ لان میں جاتے جاتے پلٹ آئی۔
”خدا خیر، اس وقت کس کا فون آ گیا، اس نے فون کی اسکرین پر انجان نمبر دیکھا اور کاٹ دیا مگر پھر فون بجنے لگا تو اینڈ کرنا پڑا۔“

”شرمین۔“ دوسری طرف سے عارض کی آواز ابھری۔

”جی خیریت۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نرمی سے پوچھنا پڑا۔

”بابا نے بات کرنی ہے۔“

”خیریت۔“ اسے تعجب ہوا۔

”سب کچھ ان سے ہی پوچھ لو۔“

”جی کرا میں بات۔“

”ہیلو شرمین بیٹا۔“ آغا جی کی آواز مٹھاس سے بھری تھی۔

”جی..... جی..... آغا جی۔“

”معذرت آپ کو جگا دیا۔“

”نہیں کوئی بات نہیں، آپ بولیں پلیز۔“

”بیٹا آج کچھ دیر کے لیے میرے پاس آؤ اذان سمیت۔“

”جی خیریت۔“

”بس مجھے ضروری بات کرنی ہے۔“

”آغا جی، اذان نے اسکول جانا ہے اور مجھے زینت آپ کے آفس جانا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”کچھ بھی ہے رات میری گیارہ بجے کراچی کی فلائٹ ہے۔“

”آپ خیریت سے جارہے ہیں۔“

”نہیں نہ خیریت ہے اور نہ ہی خوشی۔“

”آغا جی میں کس وقت آؤں پھر۔“

”ناشتہ میرے ساتھ کرو۔“

”ناشتہ مگر اذان کو اسکول بھیجنا ہے اور پھر.....“

”اسکول چھوڑ کے جاؤ، واپسی پر عارض یا ڈرائیور کوئی بھی لے لے گا۔“

”اوکے میں آ جاؤں گی۔“

”جیتی رہو۔“

”اللہ حافظ۔“ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا مگر بہت ساری باتیں اس کے ذہن میں بل چل چلنے لگیں۔

”کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اتنی صبح آغا جی نے فون کیا اور ملنا ضروری قرار دیا۔ کہیں وہ عارض کے لیے تو نہیں کچھ کہنا

چاہتے ہیں نے کچھ نہیں سننا عارض کی یا کسی اور کی بھی کوئی گنجائش نہیں خاص طور پر عارض کے لیے تو سوچنا بھی محال

ہے۔“ اس نے اپنے آپ کو جواب دیا۔

اور اذان کو جگانے کے لیے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں وہ کسمسایا اور اس سے پلٹ گیا یہ اس کا خاص

انداز تھا کہ وہ جگاتے ہوئے اسی سے پلٹ کر کچھ دیر شوخیاں کرتا اور پھر جاگتا ایسے میں وہ ناشتے کے بارے میں پوچھتی اس وقت بھی اس نے پوچھا۔
”ناشتے میں کیا بناؤں؟“

”ہنہہہ پراٹھا اور آٹلیٹ۔“ اس نے اٹھلاتے ہوئے فرمائش کی۔

”اذان۔“ اس نے اس کے سامنے دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے پکارا۔

”جی ماما۔“

”بیٹا میں آپ کو اسکول چھوڑ کے نانا ابو کے گھر جاؤں گی۔“

”کیوں؟“ وہ بے ساختہ بولا۔

”انہوں نے بلایا ہے۔“

”اور میں.....!“

”آپ کو چھٹی کے وقت میں لوں گی یا نانا ابو کا ڈرائیور۔“

”آپ کیوں جارہی ہیں۔“

”بتایا تو ہے کہ انہوں نے بلایا ہے۔“

”پھر انکل کو بھیجے گا۔“

”نہیں ان کی ضرورت نہیں۔“

”ماما میں نے ان کے ساتھ کمپیوٹر پر گیمز کھیلنا ہیں۔“

”اذان، خاموشی سے دودھ ختم کرو۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ انکل کو بھیجیں گی تو میں آؤں گا۔“ وہ یہ کہہ کر اٹھا۔

”یہ کیا بات ہوئی، وہ ہمارے سرفٹ نہیں ہیں اور یہ بھی ہمارا تعلق آغا جی سے ہے۔“

”مگر وہ تو بہت اچھے ہیں۔“

”اذان میں خود آپ کو پک کروں گی اب چلیں دیر ہو رہی ہے۔“ شرمین کو غصہ آ گیا۔

”ننڈیڈی آتے ہیں نہ ہم جاتے ہیں۔“ ایک دم ہی اذان نے جھنجھلا کر کہا تو شرمین کا دل تڑپ اٹھا اسے جلدی

سے ہانپوں میں بھر لیا۔

”اذان سمجھ لو وہ ہم سے خفا ہیں۔“

”کیوں؟“

”بس، وہ یہاں نہیں آ سکتے۔“ وہ ہٹکائی۔

”اور ہم، ہم تو جاسکتے ہیں۔“

”نہیں اللہ نہ کرے۔“

”کیوں؟“

”بس ہمیں نہیں جانا۔“

”آپ ڈیڈی کو معاف کریں۔“

”اچھا چلو و چلیں۔“ شرمین نے کچن بند کیا اسے ساتھ لے کر کمرے سے اپنا پرس اور گاڑی کی چابیاں اٹھائیں

مگر وہ پھر اسی تصویر کے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔

”اذان بلیس گو۔“

”ماما میں ڈیڈی کو مس کر رہا ہوں۔“ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں بھی بھرا نکلیں شرمین نے بے قرار ہو کر اسے سینے سے لگایا۔

”میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تمہارے ڈیڈی کہاں چلے گئے ہیں۔ اب ان تک تمہارے آنسو آ رہے ہیں کچھ نہیں پہنچ سکتیں۔“ گاڑی چلاتے ہوئے بھی اس کا دل دھمی تھا ذہن میں سوالات طوفان پھا کیے ہوئے تھے کئی سچائیاں اور حقیقتیں ہیں جو وہ اذان کو چاہے کبھی نہیں بتا سکتی تھی۔ لیکن کب تک وہ اذان کو بہلا سکتی تھی بلاخر ایک نہ ایک دن تو اسے پتا چلنا ہی ہے کہ اس کے ڈیڈی اس پر اتنا بھروسہ کر کے اپنا بیٹا اسے سوپ گئے نہ پانی بہنوں پر اعتماد کیا اور نہ کی اور پر.....

”صبح احمد، کاش میں تمہیں بتا سکتی کہ تم نے اذان کے ذریعے مجھے کتنی بڑی آزمائش میں ڈالا ہے۔“ اسے اسکو ل ڈراپ کر کے اس نے گاڑی موڑتے ہوئے سوچا۔

وہ جب آغا جی کی طرف پہنچی تو لان میں چپ چاپ سا بیٹھا عارض اسے چونکا گیا۔ شیو بڑھی تھی چہرے پر کلاہٹ تھی اداسی تھی پشیمانی تھی اس نے گاڑی لاک کی اور اندر جانا چاہا تو اپنا نام سن کر رک گئی۔

”شرمین..... شرمین۔“ وہ لپکار کر قریب آ گیا۔

”جی فرمائیے۔“

”میرا حق تو نہیں کہ تم سے کچھ بھی کہوں مگر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”مگر میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔“

”معافی مانگنا چاہتا ہوں۔“

”میں آپ کو قصور وار سمجھتی ہی نہیں۔“ وہ آگے بڑھنے لگی تو وہ سامنے آ گیا۔

”قصور ہی نہیں بہت بڑا گناہ کیا ہے میں نے۔“

”تو اللہ سے معافی مانگیں۔“

”پلیز شرمین بابا مجھ سے خفا ہیں جو تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی بڑی سزا بھگت رہا ہوں۔“

”عارض صاحب مجھے آغا جی نے بلایا ہے۔“ اس نے یاد دہانی کرائی۔

”مجھے معلوم ہے۔“

”تو پھر میرا راستہ چھوڑ دیں۔“

”راستہ چھوڑ کے ہی تو بے چین ہوں۔“

”یہ میرا مسئلہ نہیں۔“

”شرمین صرف چند منٹ پلیز۔“

”فی الحال مجھے آغا جی سے ملنا ہے۔“

”اذان سچ تمہارا بیٹا ہے؟“

”جی۔ یہی سمجھیں۔“

”مگر یہ سچ نہیں۔“

”پھر شاید ایسا ہی ہوگا۔“

”مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر میں.....“

”عارض آپ کو اعتراض کرنے کا حق بھی حاصل نہیں، وہ اب میرا بیٹا ہے۔“ اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

”اب میرا بیٹا سے مراد۔“

”اب میرا بیٹا اور میرا بیٹا ہی رہے گا۔“

”اپنے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہی ہو۔“

”آپ اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں۔“

”کیوں میری بات نہیں سمجھ پارہیں۔“

”مجھے آپ کی بات ہی سمجھ میں نہیں آئی آپ اچھی طرح سمجھ میں آچکے ہیں۔“ وہ طنز یہ مسکرا کر بولی۔

”اگر اذان کو ایذا پہنچایا ہے تو کوئی حرج نہیں۔“

”فارا گاڑی آپ کی ایڈکس مجھے نہیں چاہیے۔“ وہ یہ کہہ کر اسے ایک طرف دھکیل کے اندر چلی گئی۔

وہ اپنا ننچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے طویل آہ بھر کے رہ گیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اب شرمین شاید ہی اس کی بات سنے، آخر یہ اذان کون ہے، کیا اس کا تعلق شرمین کی پہلی محبت سے ہے۔ یا پھر.....

”اپنی تمہاری دور کرنے کے لیے اس نے اپنی نرم ہمدرد فطرت کے باعث اذان کو اپنا سہارا دیا ہے؟“ وہ مزید سوچنے سے پہلے ہی اندر ناشتے کے لیے بلا لیا گیا۔

وہ چپ چاپ ناشتے کے لیے بیٹھ گیا ویسے تو آغا جی بھی اس سے خفا تھے کچھ خاص بات نہیں کر رہے تھے۔ شرمین نے تو نفرت بھری نگاہ سے بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ناشتے کے بعد آغا جی نے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں اور پھر عارض کو آفس بھیج دیا، اس کے جانے کے بعد انہوں نے کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

”آغا جی کوئی خاص بات ہے؟“

”شاید آپ کے لیے نہ ہو۔“

”آپ بتائیں تو۔“

”شرمین میں ڈاکٹرز کے منع کرنے کے باوجود لمبا سفر کر رہا ہوں وہاں بھی مسائل ہیں کیا کیا فیس کرنا پڑے لوٹ سکوں یا نہیں یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔“

”اللہ آپ کی حفاظت فرمائے آپ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں۔“ اس نے بڑی اپنائیت سے کہا تو ان کا لہجہ بھرا گیا۔

”اولاد سے لاکھ شکوے ہوں مگر یہ بہت پیاری ہوتی ہے میں عارض سے خفا ہوں لیکن پھر بھی اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”آپ نے مجھ سے کوئی بات کرنی ہے۔“ وہ یکسر نظر انداز کر گئی۔

”ہنہ، اسی طرف آ رہا ہوں میں ہمت سمیٹ کر بولنا چاہتا ہوں لیکن بول نہیں پارہا۔“

”جی کہیے۔“

”شرمین بیٹا مجھے ایک خواہش کی تکمیل چاہیے مجھے ایک خوشی چاہیے کچھ لو بھیک چاہیے۔“ انہوں نے ایسے ہاتھ پھیلائے کہ وہ شرمسار ہو گئی۔

”آغا جان آپ شرمندہ نہ کریں بولیں۔“

”مجھے کہنا ہے پر لگتا ہے کہ نہیں سکوں گا۔“

”خدارا، بولیں۔“

”شرمین عارض سے آج نکاح کرلو۔“ وہ ایک دم کہہ گئے شرمین کے اطراف میں زوردار دھماکہ ہوا اور وہ حیران و پریشان انہیں تنگی رہ گئی۔

”کیا اچھی نہیں لگی میری بات؟“ وہ نادم سے بولے۔

”جی..... وہ نہیں، بس میں۔“ وہ ہکلائی۔

”بیٹا میری آخری خواہش سمجھ لو، لوٹ آؤں گا تو جی کھول کے ارمان نکالوں گا۔ لیکن اس اطمینان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ میرے عارض کو اس کی محبت مل گئی۔“

”آغا جی، آپ جانتے بھی ہیں کہ میں اس کی محبت نہیں اور مجھے اذان نے اپنے حصار میں بند کر لیا ہے۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں۔“ وہ سخت مشکل کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔

”ایسے نہ کہو، میرا دل ایک باپ کا دل ہے میں جانتا ہوں وہ تمہاری سے محبت کرتا ہے اور تمہیں کھو کر آدھا مر چکا ہے تم نہ ملیں تو پورا مر جائے گا۔ اسے اپنا لواذان تمہارے حصار میں ہی رہے گا۔ وہ میرا نواسا ہے۔“

”آغا جی یہ اتنا آسان نہیں ہے۔“ وہ بولی۔

”یہ مشکل بھی نہیں ہے بس اپنا لواذان عارض کو۔“

”آغا جی آپ عارض کا ساتھ دے رہے ہیں۔“

”نہیں میں ایک بیٹے کا ساتھ دے رہا ہوں۔ کیونکہ وہ اپ سیٹ ہے۔ اس نے بڑی بڑی خطائیں کی ہیں ان کی سزا بھگتتے آج جا رہا ہوں بس میری بات کا بھرم رکھ لو۔“

”مگر آغا جی۔“

”میں ہاتھ جوڑ کے اس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔“

”آپ مجھے شرمندہ نہ کریں یہ اتنا آسان نہیں ہے عارض نے جودل نفرت سے بھر دیا ہے اس میں اس کے لیے محبت کہاں سے لاؤں۔“

”محبت کی تو ایک ذوق بھی کافی ہوتی ہے۔“

”آغا جی پلیز یہ مجھے نہ بتائیں عارض نے محبت کا سمندر دیا تھا مگر وہ جھوٹ کا سمندر تھا ایسا سمندر جس میں عارض نے میری اور اپنی خوشی ڈبو دی، اس کا مسترد کرنا میری اجازت کے بغیر تھا جو کوئی بھی نہیں یا تھا مجھے اس سے غرض نہیں مگر میری تو بین ضرور بھی تو بین اتنی جلدی زائل نہیں ہوتی بلکہ شاید زائل ہی نہیں ہوتی۔“ وہ

دیرے دیرے بولتی چلی گئی۔

”شرمین سب بجا کہتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ تم ہی سے محبت کرتا ہے۔“ آغا جی بولے۔

”پلیز آغا جی پھر اسی کو یہ ثبوت فراہم کرنا ہوگا اسے آپ سپورٹ نہ کریں۔“ وہ بولی۔

آنچل جنوری ۲۰۱۶ء 80

”وہ کرے گا وہ معافی مانگے گا مگر موقع دو۔“

”ٹھیک ہے جب ایسا ہوگا تو دیکھا جائے گا۔“

”نہیں میری خواہش کا احترام کرو۔“

”آغا جی نکاح، تنگی کی انگوٹھی نہیں اس نے نکاح کو میرے لیے تختہ دار بنا دیا تو آپ کے پاس صرف شرمندگی بھری تسلیاں ہوں گی۔“

”نہیں..... ایسا نہیں ہوگا۔“

”یہ ممکن نہیں میں ایسا سوچنا بھی چھوڑ چکی ہوں۔“

”شرمین میری خاطر۔“

”آغا جی پلیز آپ سوچیں تو یہی کہ یہ کتنی بڑی بات ہے۔“

”اور اگر میں زندہ نہ لوٹ سکا تو کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔“

”اللہ نہ کرے مگر.....!“

”مگر نہیں، شرمین میری بات مان لو۔“

”آغا جی آپ بے فکر ہو کر جائیں واپسی پر بات کریں گے۔“

”نہیں میں اطمینان بھری خوشی لے کر جانا چاہتا ہوں۔“ وہ مصرعے۔

”تو آپ اطمینان رکھیں میں اس پر غور کروں گی۔“

”میری بات نہیں مان سکتیں۔“

”آغا جی مجھے بہت سا وقت خود کو دینا ہوگا پھر شاید کوئی فیصلہ کر سکوں۔“

”سوچ لو، ساری دوپہر بڑی ہے شام ہے۔“ وہ بولے۔

”آغا جی نکاح تو بڑی دور کی بات ہے ابھی تو مجھے یہ سوچنا ہے کہ عارض کو قبول کیا جاسکتا ہے کہ نہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر اس پر غور کرو۔“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اپنی طرف چہرہ کر کے ایسے دیکھا

جیسے جی بھر کے دیکھنا چاہتے ہوں۔

”آغا جان پلیز مجھے اپنی خاموش التجا سے منسوب نہ کریں۔“ وہ مطلب سمجھ کر بولی۔

☆.....☆.....☆

آغا جی نے اسے بہت بڑی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ ان سے وقت لے کر اذان کو پک کرنے کے بہانے نکلی اور پھر اسے خیال آیا کہ صفدر بھائی سے اس مشکل میں رائے لے لے اس نے اذان کو آغا جی کے پاس چھوڑا اور خود

باہر سے ہی آگئی، صفدر اپنے آفس کے کیمین میں ہی تھا اسے یوں غیر متوقع دیکھ کر حیران ہوا۔

”خیریت تو ہے مجھے بلالیا ہوتا۔“

”خیریت ہی ہے بس کچھ ضروری مشورہ کرنا تھا۔“

”ہیلے یہ بتاؤ چائے، کافی یا کچھ ٹھنڈا۔“

”نہیں کچھ نہیں، آغا جی نے ناشتہ کر دیا ہے۔“

”اچھا تو آغا جی کے ساتھ ناشتے شروع ہو گئے۔“

”بہت اصرار کر کے بلالیا تھا۔“

آنچل جنوری ۲۰۱۶ء 81

”اچھا کوئی خاص بات۔“
 ”بات تو بہت الوحی اور خاص ہی کی انہوں نے مگر میرے دماغ دل کو ان کی بات منظور نہیں۔“
 ”کیا بات؟“

”آغا جی آج رات نینو پارک جا رہے ہیں۔“

”تو اس سے تمہارا کیا واسطہ؟“
 ”صفر بھائی آغا جی کو یہ یقین ہے کہ عارض مجھ سے ہی محبت کرتا ہے اور میرے بنا مر جائے گا۔“ اس نے کچھ طنز یہ انداز اختیار کیا۔

”مطلب.....؟“

”وہ بیمار ہیں عارض کو خوشی دے کر جانا چاہتے ہیں تو میں عارض کی خوشی ہوں بقول ان کے۔“

”تو.....؟“

”تو وہ چاہتے ہیں کہ میں عارض کو اپنالوں۔“

”مطلب.....؟“ صفر کو جھڑکا سا لگا۔

”مطلب یہ کہ آج ہی عارض سے نکاح کر لوں۔“

”ہرگز نہیں۔“ صفر کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو شرین نے تعجب سے دیکھا۔

”میرا مطلب ہے عارض آپ کے لائق نہیں۔“ صفر کے اندر عارض کے خلاف چنگاری بھڑکی اور شعلہ بن گئی، اسے پہلی بار عارض سے شدید نفرت سی محسوس ہوئی وہ جس آگ میں جل رہا تھا اس میں شرین کو جلتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”مجھے معلوم ہے کہ آغا جی نے ایک باپ کی جگہ رہ کر یہ سوچا آغا جی خود غرض بھی ہو سکتے ہیں میں حیران ہوں۔“
 اس نے خاصی سختی سے کہا۔

”باپ جو ہیں۔“

”تو آپ پھر بھی صاف انکار کر دیں۔ وے بھی عارض کی کوئی ایک خطا نہیں کہ معاف کر دیا جائے آغا جی اس کی رنگ رلیوں کی سزا بھگتتے جا رہے ہیں۔ عارض کی وجہ سے ایک معصوم آدمی اذیت ناک موت مر گیا۔“ صفر کے اندر سے ایک غم و غصے کا لاوا بہہ نکلا شرین نے کچھ عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا وہ بہت سنجیدہ تھے لیکن یہ حیران کن بات تھی کہ وہ اپنے جگری دوست کے لیے یہ سب کہہ رہے تھے۔

”صفر بھائی آپ عارض کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں؟“ یقین کر لینے کے لیے اس نے سوال کیا۔
 ”ہاں صاف انکار کر دیں اگر اس کی محبت دل میں ہے پھر جو چاہو فیصلہ کرو۔“ وہ خاصی کڑوی سانس بھر کے خاموش ہو گیا۔

”آغا جی کا سامنا۔“

”کیا سامنا صاف صاف کہہ دو کہ اپنے بیٹے سے خطاؤں کی فہرست معلوم کریں۔“ صفر نے اور بھی سخت بات کہہ دی، شرین چپ ہو گئی۔

”آپ عارض سے تھا ہیں؟“ شرین کو شاید ان کا عارض کو برا بھلا کہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”میں تو زندگی سے اپنے آپ سے تھا ہوں، میری چھوڑیں۔“

شہرستی کی حفاظت، حسن کی بقا اور جوانی کے دوام کیلئے نباتاتی مرکبات سب سے بہترین ہیں (یورپین ہیلتھ کونسل)

اب..... پُر مسرت اور صحت مند زندگی

سب کیلئے..... سدا کیلئے

بھریے اپنی بے رنگ زندگی میں قوس قزح کے رنگ اور چمکی زندگی میں گھولنے خوشیوں کا رس

پھیلائیے مسکراہٹوں کی خوشبو اور گرازیے خوش فہم زندگی، حسن و صحت کے تمام مسائل کے حل، ادویات کی ترسیل اور آن لائن مشورہ کی سہولت

نباتاتی نکھار کورس

قدرتی فارمولا جس سے رنگ گہری جلی اور داغ دھبے، مکھن ماسے، چھانیاں، قاتوہاں، ہیٹھ کے لئے فیم مائلوئی نکھرتے ہیں
 منہ لکھ اور آپ نظر آئیں سن، شکستہ جلد کے ساتھ اپنی جلد کو نئے رنگ پر تازہ کرنا، چاک، چھوٹا نکھار
 پیر و رنگ و نور کی برسات کی جگہ کہ آپ خود شہرہ چاہیں۔

قیمت دوا 1 ماہ -/3000 روپے

نباتاتی اکسیر موٹاپا کورس

موٹاپے کا سبب ترین علان لگے ہوئے پیٹ کو کم کرنے، کمر کو چٹا کرنے
 کولہوں و جسم کے موٹے حصوں سے فٹنل چربی کے اخراج کی خصوصی دوا

قیمت دوا 1 ماہ -/3000 روپے

نباتاتی فگر اپ کورس

نسوانی حسن کی حفاظت، نشوونما، سڈول اور صحت مند بنانے کی خاص دوا
 اب نسوانی حسن جتنا آپ چاہیں

قیمت دوا 1 ماہ -/3000 روپے

نوٹ: خواتین کے حسن و صحت سے متعلق علاج و مشورہ کیلئے شعبہ تشخیص و تجویز سے رابطہ کریں
 یہ کورس صرف ہمارے ادارہ سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ہوم ڈیلیوری کیلئے ابھی رابطہ کریں
 کتاب ”صحت مند زندگی سب کے لئے، سنا کے لئے“ ادارہ سے منگوائی جا سکتی ہے

ادارہ تحقیق نباتات

چوک کہار ناوال علی چارہ معصوم شاہ روڈ ملتان۔ فون: 061-6771931، 0345-8881931



ادارہ تحقیق نباتات

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں، بس ایک جہنم میں جنت کا ہوتا چھوڑا ہوں۔“

”بھائی اور عبدالصمد ٹھیک ہیں۔“

”ٹھیک ہوں گے بہر کیف آپ جو مناسب سمجھیں وہ بات آغا جی سے کریں، اگر دل چاہے تو ان کی بات مان لیں۔“ صفدر میں جیسے ایک ٹھہراؤ سا آگیا، مگر یہ سسکا یا اور دھواں دائیں طرف گھما کر چھوڑ دیا۔
”اوکے میں چلتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

”میں کیا عارض سے محبت کرتی ہوں، مجھے عارض سے نفرت ہے، یہ دو باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ جب وہ آغا جی کے کمر بچتی تو کوئی حل، کوئی نتیجہ اس کے پاس نہیں تھا۔ آغا جی کے پاس ان کے کمرے میں آفس اسٹاف کے کچھ لوگ جمع تھے۔ اذان کھانا کھا کر بقول ملازم عارض کے کمرے میں سو گیا تھا۔ اس نے دو قدم عارض کے کمرے کی طرف بڑھائے، پھر رک گئی، ملازم نے دوبارہ عارض کے کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا تو اسے دروازے پر دستک دینی پڑی مگر دروازہ ایسے کھل گیا جیسے وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا اسے دیکھ کر شرمین کے ذہن میں صفدر کا جملہ آگیا اگر عارض کی محبت ہے تو جو چاہو فیصلہ کرو۔“

وہ سوچ میں اس کی طرف دیکھتی رہ گئی، وہ سمجھا کہ اس قدر محبت میں وہ شاید اسی کو دیکھ رہی ہے۔ اس کی دیران آنکھوں میں دیے سے جل اٹھے۔
”او۔“

”ہنہ، وہ اذان۔“ وہ چونکی۔

وہ دروازے سے ایک طرف ہو گیا تو وہ اندر داخل ہو گئی اذان بڑے مزے سے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھی تو اس نے کلائی تھام کر اپنی طرف کھینچا اور اذان کو جگانے سے منع کیا وہ کھٹکتی رہی۔
”مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ اس نے کلائی چھڑائی چاہی مگر وہ بالکل دوسری طرف دیوار سے لگا کر اس کے دونوں طرف اپنے ہاتھوں کا محاصرہ کر کے بولا۔

”اب چھوڑ کے نہ جاؤ، ورنہ یہ دم نکل جائے گا۔“

”پلیز عارض یہ زبردستی چھوڑ دو۔“

”بابا کی بات مان لو پلیز۔“ وہ شدید محبت سے چور چور لہجے میں بولا تو وہ شپٹاسی گئی اس کی سانسوں کی حدت سے چہرہ تپ گیا اس سے وہ جیسے سب کچھ بھول سی گئی۔

”کس منہ سے یہ کہہ رہے ہو؟“

”جس منہ سے جان کہتا ہوں۔“

”اور جو کہہ چکے ہو۔“ اس نے ہوش میں آتے ہوئے اسے پرے دھکیلا۔

”وہ بتانے کو تیار ہوں۔“

”مگر مجھے نہیں سننا، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

”مجھے بتانے کا موقع دو۔“

”میرے پاس کوئی موقع نہیں۔ میری زندگی کا مقصد اب بدل چکا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر اذان کی طرف بڑھی۔

”میں بھی زندگی کو وہی عنوان دینا چاہتا ہوں۔“ وہ پھر سانسے آگیا۔

”کون سا، دے تو دیا تھا ہنٹے ہنٹے راستہ بدل کر۔“

”اس کی بھی وجہ تھی تمہاری خاطر کیا تھا۔“

”میری خاطر۔۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔۔! وہ ہنسی طعنیہ سی ہوئی۔

”بلبوئی۔“

”عارض صاحب، ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے سوئی آغا جی کے لیے بھی یہی جواب ہے میرا۔“

”میری بات سننے بغیر مجھے صفائی کا موقع تو دو۔“ وہ منت پر آتا آیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ملازم نے دروازے کے باہر سے آغا جی کے بلانے کا پیغام دے دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آغا جی بستر پر دراز تھے۔

کچھ طبیعت بہتر محسوس نہیں کر رہے تھے۔ وہ ان کے دائیں طرف بیٹھ گئی۔ بات کرنا اور آغا جی سے انکار کرنا دونوں مشکل کام تھے۔ اس کی آنکھوں کا انہیں اندازہ تھا۔ لیکن بول وہ بھی نہیں پارے تھے۔ عین اسی وقت صفدر آگیا۔ یوں اچانک اس کا آنا آغا جی کے لبوں پر تو مسکان نکھیر گیا البتہ شرمین کے کچھ مضطرب سی ہو گئی صفدر کے چہرے پر خنکی اور آغا جی کی طبیعت کی ناسازی دونوں ہی پریشان کر دینے والی باتیں تھیں۔

”صفدر بیٹا بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو، میں شرمین بیٹی سے التجا کر رہا تھا۔“ آغا جی نے صفدر سے کہا۔

”کیوں کر رہے ہیں آپ التجا وہ بھی اس مجرم بیٹے کے لیے جس نے آپ کو بستر سے لگا دیا معید صاحب کو قبر میں اتار دیا اور جانے کیا کیا؟“ صفدر اپنے آپ پر بمشکل کنٹرول کر رہا، آغا جی تھیر سے دیکھنے لگے۔

”صفدر بھائی آغا جی کی بات کا مطلب وہ نہیں۔“ شرمین نے بات سنبھالی۔

”بات کا مطلب جو بھی ہے عارض کی طرف داری ہی بنتا ہے۔“

”نہ۔۔۔۔۔ نہیں وہ صبح میں شرمین کے بغیر مر جائے گا۔“ آغا جی نے دھیرے سے کہا۔

”چھوڑیں آغا جی کوئی کسی کے لیے نہیں مرنے، آپ عارض کو جاننے ہوئے بھی شرمین، بہن کو بھاڑ میں جھونکنا چاہتے ہیں۔“ صفدر نے خاصی سختی سے پوچھا تو آغا جی دکھ سے کچھ نہ بول سکے۔

”صفدر بھائی آغا جی کی خواہش تھی صرف باقی کچھ نہیں۔“

”آپ چپ رہو، اس وقت آغا جی نے عارض سے سختی کیوں نہیں کی جب اس نے پردیس سے مسترد کیا اور اس ہندو لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منار رہا تھا۔ عارض نے بہت کچھ برباد کیا ہے پلیز اس معصوم لڑکی پر رحم کریں۔“ صفدر

یہ سب کہہ کر آندھی طوفان کی مانند باہر نکل گیا۔

آغا جی نمناک ہو گئے، وہ چوری بن گئی، آغا فانا صفدر نے آکر وہ سب کچھ کہہ ڈالا جواب تک آغا جی سے

صرف پردے میں کہہ سکی تھی۔ اب الفاظ گو نگے ہو گئے تھے۔ آغا جی نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا اور ایک جملہ رقت میں ڈوبا بھرا۔

”ایک باپ کے لیے ناخلف بیٹے کی محبت بھی موم سے بنی نہیں ہوتی صفدر نے شاید ابھی اس محبت کا رس پیا

نہیں۔“ اس کے بعد ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ وہ چپ چاپ کچھ دیر انگلیاں مروڑتی رہی، ناخن دیکھتی رہی اور پھر

جیسے ایک ہی طرح کی خاموشی میں دوسرا س چل رہے تھے۔

”جاؤ جی اب یہ باپ کچھ نہیں کہے گا۔“ بڑی دیر بعد اسی کیفیت میں بھی اس کی خاموشی کا مطلب بھانپ لیا تھا۔ اسے خانے کی اجازت دی تو وہ اٹھی اور ان کے قریب آئی، آغا جی کی آنکھوں سے آنسو نکلنے کی تہہ میں اتر گئے تھے۔ ”معافی چاہتی ہوں، اپنی طرف سے اور صفر بھائی کی طرف سے۔“ یہ کہہ کر وہ دبے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی۔ آغا جی سمجھ گئے کہ شرمین کو ان کا فیصلہ قبول نہیں ہوا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسے ملازم نے بتایا کہ صفر صاحب آئے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہی چلے گئے۔ عارض نے کچھ حیرت محسوس کی اور کچھ فکر۔

”صفر مجھے ملے بتائی چلا گیا۔“ اس نے خود سے کہا پھر ملازم سے دوبارہ پوچھا۔ ”کیا میرا پوچھا تھا۔“ اس نے نفی میں گردن ہلا کر بتایا۔

”آغا جی کے کمرے میں گئے تھے بس۔“ وہ اگلے ہی لمحے سمجھ گیا کہ شاید خفا ہوگا میں نے اس کا کام بھی تو نہیں کیا۔ اس نے بات کرنے کے لیے فون نمبر ملایا مگر صفر نے کاٹ دیا، پھر دوبارہ ٹرائی کرنے کے بعد عارض کو مناسب یہی لگا کہ زیبا کی طرف ابھی اور اسی وقت جانا چاہیے وہ فوراً گاڑی کی چابی اٹھا کر ملازم کو کچھ دیر کر کہہ کر باہر نکل آیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ زیبا کے دروازے کے باہر گاڑی لا کر رہا تھا۔ دروازے پر دستک دی تو کسی نے پوچھا۔ ”کون؟“

”جی میں صفر کا دوست، خالہ جان کو بلا دیں۔“ وہ سوائی آواز سن کر بولا۔

”جی۔“ جواب میں جی آیا اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ دو تین چار پانچ منٹ گزر گئے کوئی جواب نہیں آیا تو اسے پھر دستک دینی پڑی۔

”وہ گھر نہیں ہیں۔“ وہی آواز ابھری۔

”جی، زیبا بھائی ہیں۔“ اس نے پوچھا لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔ تب آخری بار اس نے کچھ جھنجھلا کر دروازہ بجایا تو اندر سے اسی آواز میں جواب آیا۔

”وہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں کسی سے نہیں ملنا جائیں آپ یہاں سے۔“ یہ بات سن کر عارض کو شدید غصہ آیا گاڑی اشارت کی اور واپس آ گیا۔ صفر کا فون ملا یا پہلے تو اس نے اٹینڈ نہیں کیا پھر کر لیا تو اس کو کھانسی کا دورہ سا پڑ گیا بات کرنی مشکل ہو گئی۔ صفر بیلو، بیلو کرتا رہا مگر وہ کھانسی کے شدید حملے کے باعث سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ صفر نے فون بند کر دیا۔ اس نے گاڑی ایک طرف روکی، کھانسی پر کنٹرول کیا۔ کھانسی ایک دو ہفتوں سے ہو رہی تھی، وہ وجہ بھی جانتا تھا کہ سگریٹ نوشی میں اضافہ ہوا تھا۔ رات بھر جاگنا کھانے پینے سے عدم دلچسپی اور غم دوران اور جاننا دونوں کا سامنا تھا، صحت کافی متاثر ہو رہی تھی۔ مگر یوں کھانسی کی شدت نے اسے خود کو بھی ہراساں کر دیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ ڈاکٹر کو ملنا ضروری ہو گیا ہے مگر یہ ڈاکٹر کے کلینک کا وقت نہیں تھا لہذا جیسے تیسے خود کو نائل کر کے گاڑی دوبارہ اشارت کی اور گھر کا رخ کیا۔ گیٹ پر پہنچا تو صفر کا فون آ گیا تب اس نے اٹینڈ کیا۔

”کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔“

”سکون کے لیے سگریٹ کی نہیں تو بے اور معافی کی ضرورت ہوتی ہے۔“ صفر نے بے ساختہ کہا۔

”میں نے ایسا کیا کر دیا کہ.....!“ اسے کچھ دکھ ہوا۔

”خیر فون کر رہے تھے۔“

”بھائی نے ملنے سے صاف انکار کر دیا میری بات ہی نہیں سنی۔“ اس نے بتایا۔

”کس نے کہا؟“

”میں نہیں دروازے کے پیچھے سے کوئی باریک سی آواز تھی۔“

”یعنی وہ تم سے ملی نہیں۔“

”ہاں میں نے بتایا بھی مگر جواب یہی آیا کہ انہیں کسی سے بھی نہیں ملنا۔“

”اوکے میں سمجھ گیا صغینو دوست۔“ صفر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس کا روم روم سلگ رہا تھا۔ تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ زیبا اس کی توقع کے مطابق جھوٹی ثابت ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ عارض سے ملنے سے کیوں انکار کرتی، اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسے بے وقوف بنارہی تھی۔ مگر آج حد ختم ہو گئی۔ ضبط اور حوصلہ جواب دے گیا تھا تو وہ پورے طعراق کے ساتھ زیبا کے گھر پہنچ گیا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ دروازہ کس نے کھولا یہ نہ اس نے دیکھا اور جاننا ضروری سمجھا سیدھا صحن سے ہو کر زیبا کے کمرے میں پہنچا۔ وہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ کمزور بیماری بہت پاکیزہ لگ رہی تھی کسی طور چھوٹی اور بدکردار دکھائی نہیں دے رہی تھی، وہ کچھ سوچ کر کھڑا رہا، عبدالصمد کمرے میں نہیں تھا جو نبی اس نے سلام پھیرا تو وہ بولا۔

”انسانوں کے ساتھ جھوٹ بولنا تو سمجھ میں آتا ہے اللہ سے بھی چال بازی۔“ اس نے اس کی نماز اور آنسوؤں پر ضرب لگائی، اس نے جواب نہیں دیا دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے پورے سلیقے سے دعا مانگی دعا میں بھی اس کی آنکھیں مسل مل رہی ہیں خشک لب تھر تھراتے رہے وہ دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگا رخ موڑ کے کھڑا ہو گیا۔

”آپ جھوٹی اور منافق کے پاس کیا لینے آئے ہیں؟“

”اپنا بیٹا اور یہ بتانے آیا ہوں کہ تم نے جھوٹ بولا میرے دوست پر الزام تراشی کی میں جان گیا ہوں تمہارا عارض سے نہ ملنا دلیل ہے کہ تم نے جھوٹ بولا۔“

”مجھے کسی سے بھی نہیں ملنا جب آپ سے رشتہ نہیں تو کیا جھوٹ اور کیا سچ، بس مجھے کوئی صفائی نہیں دینی، آپ مجھے آزاد کر دیں۔“ وہ پوری سنجیدگی سے کہہ کر عبدالصمد کے کپڑے تہہ کرنے لگی۔

”ذہیت ہو، مرد سڑو میری طرف سے، میں نہ بیٹے کی صورت دکھاؤں گا اور نہ آزاد کروں گا۔“ وہ بھڑک اٹھا اور دانت کچکا کے بولا۔

”کیوں؟“

”تم نے گھٹیا حرکت کی۔“

”جی میں گھٹیا ہوں اسی لیے تو چاہتی ہوں کہ آپ اپنی جان چھڑالیں۔“ اس نے اس سنجیدگی سے کہا کہ صفر پھر انھاس کے کندھے پکڑ کر سختی سے دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔

”جان تو اب تمہاری اللہ ہی چھڑائے گا۔ میں اپنا بیٹا لے کر جا رہا ہوں۔“ وہ سہمی گئی وہ باہر نکلا اسے پوری قوت سے دھکیل کر اور باہر بھیجی کی گود سے عبدالصمد کو چین کر لے لے ڈگ بھرتا صحن عبور کر گیا۔ زیبا چلائی ہوئی پیچھے بھاگی۔

”یہ میرا بیٹا ہے آپ اسے نہیں لے جاسکتے۔“ مگر اس نے ایک نہ سنی حاجرہ بیگم پکاریں، نفی نے صفائی دی مگر

اس نے پلٹ کر نہ دیکھا، عبدالصمد چیخ و پکار میں خوف زدہ ہو کر رونے لگا۔ مگر اس وقت صفدر کے لیے ایک قلعہ تھا جو وہ فتح کر کے جا رہا تھا۔ عبدالصمد کو گود میں بٹھا کر گاڑی اشارت کی اور تیزی سے نکل گیا زبا چوکت سے لگی روتی رہ گئی۔ ننھی نے اور حاجرہ بیگم نے اسے سہارا دیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”اسی لیے کتنا سمجھایا کہ اپنے گھر جاؤ، آخر تک وہ اپنے بیٹے کو چھوڑ کر رہ سکتا تھا۔“ حاجرہ بیگم نے سختی سے کہا۔

”کون سا گھر، کس کا گھر؟“ وہ رو دی مگر آواز بلند ہو گئی۔

”زبا، آہستہ بولو۔“ ننھی نے کہا۔

”چنچنے دوا سے چلانے دو، اب ایک مرتبہ ہی رولو، نہ بیٹا ملے گا اور نہ شوہر۔“ حاجرہ بیگم تو طعنے تشنے دے کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور ننھی اسے اپنے کمرے میں ہی لے آئی۔

”خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں اب کی بار صفدر بھائی کی سختی میں بڑی نرمی تھی نفرت میں محبت تھی، عبدالصمد کو سینے سے لگا کر لے گئے ہیں۔ اسی عبدالصمد کو جس کو اپنانے کو تیار نہیں تھے۔ اس تکلیف میں جلتے جلتے شاید وہ بھی تھک گئے ہیں۔“ ننھی نے پیار سے اس کی آنکھیں صاف کیں، بال سنوارے۔

”کچھ بھی کہہ لو، صفدر سے محبت کا چشمہ نہیں پھوٹ سکتا، بلکہ ضد کی کاٹی تہہ در تہہ جمتی جا رہی ہے، عبدالصمد کو صفدر کی مراد لگی لے گئی ہے، وہ فوٹس کی وجہ سے تملار ہے ہیں۔“ وہ بولی۔

”ہماری غلط فہمی کبھی ہو سکتی ہے۔“ ننھی نے کہا۔

”بس کرو پلیز، مجھے میرا بیٹا چاہیے۔“ وہ پھر سے سسکیاں لینے لگی۔



اذان کو چنچ کر کے اس نے کرایہ داروں کی طرف بھیجا اور خود شارو لیا فون پر زینت آپا کی بیل دیکھ کر اس نے رات ان کی طرف گزارنے کا سوچا نیوی بلوسٹ پہن کر کانوں میں نازک آویزے پہن کر، بال برش کیے لپ اسٹک لگا رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور اس نے اذان کے خیال سے کوئی جواب نہیں دیا۔ لپ اسٹک لگانے میں جو رہی، بہت قریب مخصوص سے پرفیوم کی مہک آئی تو چونک کر چلتی اور عارض کے بازوؤں کے حصار میں آ گئی، وہ خوشی سے حل اٹھا مگر اسے جیسے ہی ہوش آیا وہ کسمسا کر الگ ہو گئی۔

”تم، کیوں آ جاتے ہو؟“ اس نے کچھ نخوت سے کہا تو اس نے بڑھ کر اس کے بالوں کو ہاتھ پر لپیٹتے ہوئے مخمور لہجے میں جواب دیا۔

”چاہت اپنے مرکز کی طرف ہی لوٹی ہے۔“

”منہ..... کیوں آئے ہو؟“

”شرمین کیا سچ سچ تم نے بابا سے میرے لیے انکار کیا ہے؟“

”ظاہر ہے انہوں نے اور کسی کی نہیں تمہاری بات کی تھی۔“

”مگر مجھے یقین کیوں نہیں آ رہا؟“

”اپنے آپ سے پوچھو۔“ وہ کہہ کر بیروں میں سینڈل پہننے لگی۔

”پوچھا ہے۔“

”تو۔“

”یہی جواب ملا کہ میں تم سے محبت کرتا تھا اور کرتا ہوں۔“ وہ اس کے قدموں میں گٹھنوں کے بل بیٹھ گیا۔

”پلیز یہ ڈرامہ بند کریں اذان کی بھی وقت اندر آ سکتا ہے۔“ شرمین نے کہا تو وہ اٹھا اور ڈر اساتر چھا ہوا تو چونک سا گیا لگا ہیں بیڈ کی سائیز ٹیبل پر رکھی تصویر پر جمی گئیں شرمین نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو خود کو اگلے سوال کے لیے تیار کر لیا۔

”یہ..... یہ سب کیا ہے؟“

”کیا ہے؟“

”یہ تصویر۔“

”جیسی ہے وہی نظر آ رہی ہے۔“ وہ نظر انداز کر گئی۔

”یہ شخص اذان اور تم.....!“

”ہاں یہ نکون ہے۔“

”کیسی، کیوں؟“ وہ سخت الجھا۔

”یہ اذان کے ڈیڑی ہیں۔“

”مطلب اذان صبح احمد کا؟“

”ہوں۔“

”اور تم۔“

”میں، میں ہوں سفید کاغذ جس پر جو چاہا وقت نے لکھ دیا، اب تم جاسکتے ہو۔“

”شرمین میں کینیوٹر ہو رہا ہوں۔“ وہ پریشان سا بولا۔

”نہ ہوں اپنے گھر جائیں۔“

”میں کچھ بتانا چاہتا تھا، تم نے سنائیں۔“

”اس لیے کہ کچھ بجا نہیں۔“

”یہ شخص کہاں ہے؟“

”یہاں۔“ شرمین نے فوٹو کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔

”میرا مطلب۔“

”پلیز۔ اذان کے ساتھ مجھے جانا ہے۔“

”شرمین پلیز بابا کے پاس چلو، وہ تمہیں اور اذان کو بلارہے ہیں۔“

”نہیں میں نہیں جاسکتی۔“

”پلیز، بابا کی التجا ہے۔“

”معذرت کر لیں۔“

”شرمین ہم بابا کے پاس بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں تم جس کے حق میں فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہوگا۔“ وہ منت سماجت پر اتر آیا۔

”آغا جی کا احترام اپنی جگہ مگر میں ان کی اس خواہش کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔“ اس نے پوری تسلی سے جواب دیا اور اپنا ہینڈ بیگ گاڑی کی چابی اٹھا کر یہ تاثر دینے لگی کہ وہ جائے۔ اس وقت وہ دیوانوں کی طرح اسے دیکھتا رہا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد جانے کہاں سے کالی گھٹائیں اٹائیں اور آنکھوں کے رستے موسلا دھار برسنے لگیں وہ اس قدر قریب ہو کر گیا کہ وہ اس کے قرب کے احساس سے لپٹ کر روئی، کلائی پر اس کا لمس موجود تھا۔
”سچ تو یہ ہے کہ شرمین تم عارض سے محبت کرتی ہو، بس ایک خول میں بند ہو، اسے سزا دے رنی ہو، یہ تمہارا انتقام ہے۔“

محبت اور چاہت بھرا..... انتقام.....! شاید ایسا ہی ہو، عارض نے ایسا ہی کرنے پر مجبور کر دیا۔ ”وہ سوچتے پر مجبور ہو گئی۔“

”کب تک آخر، کب تک روک پاؤ گی۔ روک نہ بھی پائی تب بھی اب میری منزل عارض نہیں۔ اذان ہے مجھے سرخرو ہونا ہے عارض کے لیے بہت سے کندھے موجود ہیں اذان..... اذان..... کس کی انگلی تھامے گا؟ عارض کی محبت بھری ہاتھوں میں چاہت کی گرمی اور پوری شفقت کی نرمی مل سکتی ہیں کیوں کفران نعمت کرتی ہو، آغا جی نے کتنا بڑا فیصلہ یوں اچانک نہیں کر لیا اس کے پیچھے عارض کی شدید محبت ہی ہے، تم چاہتیں تو اس فیصلے کو قبول کر لیتیں مگر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟“

عارض کی دھوکہ دہی نے بہت بری طرح محبت کو پامال کیا ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کوئی بھی نہیں، اس نے سختی سے دونوں ہاتھوں کی، تھیلیوں سے آنسو گزر کر صاف کیے جیسے آنکھوں کا قصور ہو، اذان کے قدموں کی باہر چا پ امبری تو اس نے جلدی سے خود کو تارل کیا۔

کافی دنوں بعد وہ زینت آپ سے ملنے آئی تھی۔ انہوں نے شکوں کی طویل فہرست سامنے رکھ دی، یہ سچ تھا کہ میں نے انہیں اپنے دیگر معمولات میں نظر انداز کیا تھا۔ ان سے آفس کا وعدہ کیا تھا وہ بھی پورا نہیں کیا یہاں تک کہ صفدر بھائی سے بھی آفس سنبھالنے کی بات نہیں کی۔

”آپ، بس ایسے مسائل نے مجھے گھیرا ہے کہ میں سر نہیں اٹھا سکی۔“
”صرف اذان کو اہمیت دیتی ہو، ہم تو کسی دیوار سے جا لگے ہیں اپنی سگی اولاد کو ماں یا نہیں رہی اور تمہیں کیا کہوں؟“ اس نے ان کے ہاتھ تھام کر چوم لیے۔

”آپ کے شکوے بجا ہیں مگر میں ابھی صفدر بھائی سے بات کروں گی۔“
”کوئی شکوہ نہیں ہے اور نہ شرمندہ کرنا ہے، بس میں تمہاری برداشت نہیں کر سکتی۔“ ان کی آواز بھرا گئی۔
”اچھا آپ پریشان نہ ہوں، میں آج آپ کے پاس ہی ہوں کل اذان کا آف ہے۔“

”اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کمزور اور بیمار لگ رہی ہو۔“
”بس بہت سے مسائل ہیں۔“
”بتاؤ گی نہیں۔“ آپ نے کہا۔

”کیا بتاؤں، میں تو صرف استقامت میں گھری ہوں۔“
”کیا ہوا؟“
”میں نے آغا جی کو ہرٹ کیا ہے؟“
”کیا مطلب؟“

”وہ بیمار ہیں لمبے سفر پر جا رہے ہیں پھر بھی میں ان کی خواہش پوری نہیں کر سکی۔“ وہ رنجیدہ خاطر ہوئی۔
”کیسی خواہش؟“

”عارض کو قبول کر لینے کی خواہش کیونکہ وہ ایک باپ ہیں باپ کی محبت بقول ان کے موم سے نہیں بنی ہوتی۔“
”مطلب.....؟“

”ہاں انہوں نے بیٹے کی محبت میں اس کی ہر زیادتی کو فراموش کر دیا۔“ اس نے ان کی بات کا مطلب سمجھ کر بتایا۔
”تو پھر۔“

”پھر یہ کہ میں نے معذرت کر لی بلکہ مجھ سے زیادہ تو صفدر بھائی نے کہہ ڈالا۔“
”عارض نے خود کچھ کہا۔“

”نہیں، وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہے مگر مجھے نہیں سننا۔“

”یہ بھی ٹھیک نہیں اس پر اعتبار کیا ہی نہیں جاسکتا۔“ انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”وہ تو آج بھی اعتماد دلانے آیا تھا مگر میں نے آج بھی اسے لوٹا دیا۔“ وہ بہت افسردگی سے کہہ کر چپ ہو گئی۔
”لیکن تمہارا اہم بتا رہا ہے کہ تمہیں اس پر اعتبار کیا گیا ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”بس یہی تو کمال ہے اس محبت کا جب یہ دیکھنا چاہتی ہے تو آنکھوں سے باتوں سے جھلکنے لگتی ہے دیکھ لو، سوچ لو۔“

”آپا اب تو اس نے جان لیا ہے کہ اذان صبح احمد کا بیٹا ہے اور صبح احمد کی اہمیت جان لی ہے۔“
”دیکھو صبح احمد تمہارا پاسٹ تھا اذان سے اس بات کا تعلق نہیں، زندگی کیسے گزارنی ہے یہ سوچو، عارض کو مسترد کرنے سے پہلے سوچو کہ کل سامنے پڑا ہے۔“

”اذان ہے نا۔“

”اذان بچہ اس کی بات نہ کرو۔“

”یہی تو بات ہے کہ وہ اب مجھے اولاد سے بڑھ کر پیارا ہے اس کے باپ نے مجھ پر اعتبار کیا اپنی بہنوں کی موجودگی میں بھی۔“

”خیر یہ بھی اس کی خود مرضی ہی تھی۔“

”کچھ ٹھیک ہے آپ کی بات۔“

”ایسا کرو آغا جی سے خون پر معذرت کر لو ورنہ کڑھتی رہو گی۔“ زینت آپ نے پانے جانے کیوں یہ بات کی۔

”آغا جی کے کہنے پر ہی تو عارض آیا تھا میں نے معذرت کر لی ہے بلکہ بہت صاف صاف جواب دیا ہے۔“

”خیر، اب یہاں آ جاؤ۔“ زینت آپا اصل مدد کی طرف آ گئیں۔

”آپا بی الحال یہ ممکن نہیں۔“

”مرضی ہے تمہاری۔“ وہ اداس سی ہو گئیں، عادل بابا نے کھانا لگنے کی بات کی تو اسے بھولی کا خیال آیا۔

”بھولی نظر نہیں آ رہی۔“

”بھولی کی شادی کروا آیا ہوں پچھلے جمعے گاؤں گیا تھا۔“ بابا نے بتایا۔

”کیا، اتنی جلدی میں؟“

”بس جی لڑکا سعودی عرب میں مستری کا کام کرتا ہے چھٹی پرتا تھا رخصت کرتا یا ہوں۔“ بابا نے تفصیل بتائی وہ چپ ہو گئی۔

☆☆☆

اس نے جھنجھلا کر چوٹی بار زیبا کی فون کال کاٹی۔ کھانا ختم کر کے برتن ٹیبل پر رکھے اور بیڈ پر بے فکر سوئے عبدالصمد کو پیار بھری نظروں سے دیکھا وہ بہت معصوم اور پیارا لگ رہا تھا دل نے مجبور کیا تو پہلی بار وہ اس پر جھکا اور چومنے لگا۔ شدت ہی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، بے تحاشا پیار کرتے ہوئے وہ بھول گیا کہ یہ وہی عبدالصمد ہے جسے وہ قبول کرنے کو تیار نہیں تھا اس کو دنیا سے مٹانے کے احکامات دے چکا تھا۔ زیبا کو ساتھ لے جانے کا کہہ چکا تھا آج وہی عبدالصمد اس کے بازوؤں کے حصار میں تھا اس کے پیار کا اصل اور جائز حق دار بنا ہوا تھا وہ نہیں جان پارہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ خون کی کشش، اپنے وجود کا احساس یا پھر کچھ اور.....!

فون ایک بار پھر بجا تو اس نے عبدالصمد کو دوبارہ بیڈ پر لٹا کر پہلے فون اسکرین گھوری اور پھر فون اٹینڈ کر لیا۔

”پلیز صفدر، میرا بیٹا مجھے دے دو۔“ زیبا کی منت بھری آواز آئی۔

”بیٹا کون سا بیٹا۔“

”صفدر آپ اندازہ کر سکتے ہیں، میں عبدالصمد کے بغیر مر جاؤں گی۔“ زیبا رو دی۔

”مرو دیا جیو بیٹا اپنے باپ کے پاس ہے اپنے گھر میں۔“ تو وہ سفاکی سے بولا۔

”ہا۔۔۔ کون سا باپ..... کون سا گھر؟“ وہ چلائی۔

”چلاؤ مت، جھوٹ اور فریب کے قلعے سے باہر نکل کر یہ یقین کر لو کہ میرے پاس سب کچھ ہے بیٹا، دوست، ماں اور گھر..... اور تمہیں کیا ملا؟“

”تمہیں ایسا دوست مہارک مجھے اپنا بیٹا چاہیے۔“

”میری زندگی میں تو یہ ممکن نہیں کہ تمہیں بیٹا دے کر زندگی ویران کر لوں۔“

”مان لیا کہ آپ کی زندگی ہمارے بغیر ویران ہے۔“ زیبا کی آواز میں طنز آ گیا وہ جذباتی ہو کر کہہ گیا۔

”ظاہر ہے۔“

”بس اسی بات کا انتظار تھا۔“ زیبا نے ذومعنی جملہ ادا کیا اور فون بند ہو گیا، صفدر ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل فون کو دیکھتا رہ گیا زیبا کی بات کا مطلب اس نے سمجھا ہی نہیں۔

☆☆☆

اپنے گھر کی عادت ہونے کی وجہ سے نیند کہیں اور مشکل سے آتی ہے اذان کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی اسے اپنے موبائل فون پر ٹیم کھیلنے کی اجازت دے کر وہ ٹیس پر آ گئی، باہر لان کا منظر بہت دل فریب تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا میں پھولوں کی مہک شامل تھی۔ چاند کی رو پہلی کرنوں میں لان کا حسن خوابیدہ خوابیدہ سا لگ رہا تھا۔ وہ دن بھری باتیں، خاص کر شام کو عارض کے آنے اور جانے کے احساسات کو وہ ہر ایسی تھی۔ بھی اذان نے اسے با آواز بلند پکارا۔

”ماما آپ کا فون۔“

”فون..... کس کا ہے؟“ وہ اندر آتے ہوئے بولی۔

”عارض انکل کا۔“ اذان نے جواب دیا تب اس نے جھٹکے سے فون اس سے لیا اور واپس ٹیس پر آ کر بولی۔

”عارض فارگاڈ سیک ہماری منزل کا کوئی راستہ نہیں آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں مت فون کریں مجھے۔“ بنا کوئی



جواب آئے فون کھٹ سے بند ہو گیا۔ اس نے خاص طور پر کڑوا لب و لہجہ اختیار کیا تھا اس لیے جواب کیا آتا تھا۔

”ماما“ اذان وہیں آ گیا۔

”ہنہہ۔“

”فون۔“

”اب سو جاؤ کسی کا فون نہیں سننا اوکے۔“

”اوکے مگر عارض انکل۔“

”عارض انکل کا بھی نہیں۔“ اذان اس کی بات سن کر چپ چاپ کمرے میں چلا گیا۔ تب اسے کچھ فوس سا بھی ہوا لیکن عارض کی اب کوئی جگہ بن نہیں پار ہی تھی۔ دیکھ کر اسے زورے لمحے بین کرنے لگتے تھے۔

”عارض اب کے تجدد و وفا کا نہیں امکان جاناں۔“ ایک طویل سرفاہ اس کے گلانی ہونٹوں کے بیچ دم توڑ گئی۔ وہ پھر باہر آسمان کی وسعتوں میں اپنی ہستی کا احساس تلاش کرنے لگی، وہ بھی تو ایک چاند کی بھٹی ہوئی روشنی تھی۔ اس کو بھی تو اپنے مرکز سے دوری نے اندھیروں میں بھٹکا رکھا تھا۔

میں، نہیں معلوم آسمان کی وسعتوں میں ہوں

یا پھر

زمین کی گہرائیوں میں ہوں

بس اک حادثہ ہوں

اک تماشا ہوں

محبت کے ہاتھوں لٹا ہوا اثاثہ ہوں

بس کچھ نہیں ہوں میں

محبت جان لے اب

کہ میں اب کہیں اور

کسی کے پاس نہیں

گردش الفت کی منہاک

نگاہوں میں ہوں

نیل سکوں گی کسی کو

خانما خرابوں میں ہوں

آنکھوں سے بہتے پانی کو پلو میں سمیٹ کر کمرے کی طرف پلٹی تو ایک بار پھر فون کی گونج نے رات کی خاموشی میں دل دھڑکا دیا۔ اسکرین پر صفدر بھائی کا نام اور نمبر جگمگا رہا تھا۔ اتنی رات گئے فون آتا ہے حیران کر گیا۔

”بیلو۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا اور پھر دل تمام کر رہ گئی، حلق میں ایک گولہ سا پھنس گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



تسلی خدیجیا
نگہت عبداللہ

اب کے کچھ ایسی تدبیریں کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شاخیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ساجد بیگم اور جلال احمد حسن کی منگنی نشاء سے کر دیتے ہیں جبکہ نشاء اس نئے رشتے میں بندھ کر بھی اس حقیقت سے بے خبر رہتی ہے۔ دوسری طرف احسن کو اس بات سے آگاہ کرتے محسن کی بے انتہا خوشی کا بتا کر وہ اسے بھی رضامند کر لیتے ہیں۔ احسن اپنے بھائی کو خوشیوں بھری زندگی کی جانب لانے کے لیے اپنی محبت سے دستبردار ہو جاتا ہے جبکہ نشاء کا خیال اسے بے چین کیے دیتا ہے جب ہی لکٹی بیگم کی زبانی نشاء کے سامنے اصل حقیقت آتی ہے کہ وہ اپنے دل کی بجائے احسن پر نکال کر اسے مورد الزام ٹھہرائی ہے جبکہ احسن اسے اپنی محبت کی خاطر محسن کا ہاتھ تھام لینے کا کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری طرف محسن بھی سمجھتا ہے کہ نشاء اس رشتے سے خوش ہے اسے دونوں کی محبت کے متعلق کچھ خبر نہیں، نشاء لکٹی بیگم سے شریا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی خاطر اس اجنبی خاتون کا نمبر مانگتی ہے اور اس کی زبانی نشاء کو اپنی بہن صبا اور اپنے والدین کی علیحدگی کے متعلق پتا چلتا ہے۔ راحیلہ خاتون کی طور بھی صبا کو برداشت کرنے پر تیار نہیں جب ہی صبا ان کے سامنے جاذب اور اپنی محبت کا صاف اقرار کر کے انہیں مشتعل کر دیتی ہے۔ ایسے میں جاذب بالکل خاموش رہ کر اسے بالکل تنہا کر دیتا ہے جب ہی اسے جاذب سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور جلد ہی وہ اس محبت اور گھر کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ خان جنید کے

اب آگے پڑھیے

صبح ڈانٹنگ روم میں موجود چند افراد کا تعارف خان جنید نے یوں کر دیا۔

”یہ ہمارا سب سے بڑا بیٹا ہے خان جمشید آج کل یہ اسلام آباد میں ہوتا ہے اپنے بیوی بچوں سمیت۔“ اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر سامنے بیٹھے خان جمشید کو دیکھا اور اس کی نظروں میں اپنے لیے ناگواری محسوس کر کے فوراً دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

”جمشید کے بعد یہ فریحہ ہے، ہماری اکلوتی بیٹی یہ بیہوش کراچی میں ہوئی ہے اس کا میاں بہت کامیاب بزنس مین ہے۔“ اس نے دیکھا فریحہ نفرت کے احساس میں گھری

اس سے لاتعلق نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔
”اور یہ آصف جاہ گزشتہ ماہ ایم بی اے کر کے امریکہ سے لوٹا ہے اور اب میرے بزنس کو پھیلانے میں کوشاں ہے۔“
”ہیلو.....“ بڑے دونوں کے برعکس آصف جاہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔
”اور مٹی اپنے کمرے میں ہے تم ناشتے کے بعد اس سے مل لینا۔“ انہوں نے ظاہر نہیں کیا کہ وہ مٹی سے پہلے بھی مل چکی ہے پھر دونوں ہاتھوں کو ایک خاص انداز سے اٹھا کر تعارف مکمل ہونے کا اشارہ دیا اور ان سب کو مخاطب کر کے بولے تھے۔
”اور بچوں یہ تمہاری مٹی ہیں۔“
”مٹی.....“ فریحہ ہنسی مٹی۔ ”فارگا ڈسک ویڈیو اتنی سی لڑکی کو آپ ہماری مٹی تو نہ کہیں اور سوری ویڈیو یہ بیٹھے بٹھائے آپ کو شادی کی کیا سوچیں؟ کوئی عمر ہے۔“
”کیا مطلب ہے تمہارا میں بوڑھا ہو گیا ہوں کیا؟“
خان جنید نے سختی سے ٹوکا تو خان جمشید فریحہ کا ساتھ دیتے ہوئے بولا۔
”بوڑھے تو نہیں ہوئے لیکن جوان بچوں کے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نانا اور دادا بھی ہیں۔“
”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔

”آپ کو فرق نہیں پڑتا لیکن ہمارے لیے خاصی مشکل کھڑی کر دی ہے آپ نے۔“
”میں سمجھا نہیں؟“
”آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ آپ کے اس اقدام سے ہماری گھر کی زندگی کتنی ڈسٹرب ہوگی۔“
”اور کیا.....“ فریحہ بول پڑی۔ ”میرے سسرال میں جب سب کو معلوم ہوگا تو میری پوزیشن کتنی خراب ہوگی۔“
”اپنی پوزیشن کا کتنا خیال تھا انہیں اور جو اس وقت اس کی پوزیشن آ کر ڈھور رہی تھی اس کا خیال کی کوئیں آیا کہ وہ ایک رات کی دہن ان باتوں سے اپنے آپ میں چوری

بن رہی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔“
”سارہ کو نہیں جانتے آپ۔“ خان جمشید کہنے لگا۔
”اسے تو ایک موضوع مل جائے گا۔ بچوں کا خیال کیے بغیر میرا ریکارڈ لگائے گی۔“
”بس.....“ خان جنید میز پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔ ”بند کرو اپنی اپنی بکواس۔ مجھے اس گھر کے لیے عورت کی ضرورت تھی سو میں لے آیا اور مجھے مٹی کا خیال تھا کس قدر تنہائی محسوس کرتا ہے وہ۔“
”تو آپ اس کے لیے گورنر کا انتظام کر سکتے تھے۔“ فریحہ دھڑلے لہجے میں بولی۔
”یہ سب کر کے دیکھ چکا تھا۔ گورنر اس وقت ٹھیک رہتی جب میں یہاں ہوتا ہوں اور جن دنوں میں باہر رہتا ہوں اسے من مانی کرنے کا موقع مل جاتا تھا اور تم جانتے ہو سال میں چار پانچ مہینے تو میرے باہر ہی گزرتے ہیں۔“
”آپ کیا سمجھتے ہیں مٹی اسے قبول کر لے گا۔“ فریحہ کا اس کی طرف اشارہ اور لہجہ انتہائی ہنک آمیز تھا اور مزید برداشت کی شاید اس میں طاقت نہیں تھی۔ بہت خاموشی سے چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ خان جنید کو اگر اپنی اولادوں کا خیال نہ ہوتا تو یقیناً اسے روکتے ٹھیک سے ناشتہ کرنے کو کہتے لیکن اس وقت وہ بس اسے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی تو اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر خان جنید نے بھی نہیں بتایا تھا کہ ان کی جوان اولادیں اس شادی پر رضامند نہیں تھیں۔ وہ بمشکل خود کو نئی زندگی سے سمجھوتا کرنے پر آمادہ کر سکی تھی اس صورت حال نے تو اسے یوں اور دل برداشتہ کر دیا تھا۔ خان جنید بہت غلٹ میں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ غالباً فوراً کہیں جانے کا ارادہ تھا لیکن اسے یوں چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے اس کے پاس رکے۔
”کم آن صبا، تمہیں ان باتوں کو محسوس نہیں کرنا

چاہیے اور پھر انہیں کون سا یہاں رہنا ہے، ابھی فریحا اپنے گھر چلی جائے گی اور جشید غالباً شام کی فلائیٹ سے جائے گا۔ انہوں نے آصف جاہ کا نہیں بتایا کہ وہ کب کہاں جائے گا۔

”بنتی کہاں ہے جس کے لیے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔“ ان کی بات نظر انداز کر کے وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ میں تمہیں اپنے لیے لایا ہوں۔ مجھے بیوی کی ضرورت تھی اس لیے شادی کی ہے تم سے۔“ وہ جھنجھلائے۔

”اور بنتی.....“

”بچوں کے سامنے کیا کہنا“ مصلحتاً بنتی کا سہارا لیا۔ پھر جاتے جاتے کہنے لگے۔

”اور سنو میں بہت مصروف آدمی ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ گھر میں جو تھوڑا بہت وقت گزراؤں آرام اور سکون سے رہوں۔ تم سمجھ دلاؤ کہ ہوا اس بات کا خیال رکھنا کہ گھر میں کوئی جھگڑا کشیدگی یا ٹینشن برداشت نہیں کروں گا۔“ اس نے بہت خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر تکی پر دیر تک بیٹھی رہی تھی۔

وہ بنتی کے کمرے میں داخل ہو کر رکی۔ بنتی گھر کے پرانے ملازم بابا پر بکڑ رہا تھا جو اسے ناشتا کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ چند لمحوں میں صورت حال سمجھ کر آگے بڑھی۔

”بنتی..... تم ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟“

”میری مرضی۔“ بنتی اکھڑے لہجے میں بولا۔

”اچھی بات ہے۔“ وہ کہہ کر بابا سے مخاطب ہوئی۔

”آپ جاؤ بابا جب بنتی کا دل چاہے گا ناشتا کر لے گا۔“

”ارے.....“ بنتی خوش ہوا۔ ”آپ نے تو بڑی جلدی میری بات سمجھی۔“

”اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات تھی۔“ اس نے کہا تو بنتی زور دے کر بولا۔

”بنتی تو میں بھی کہتا ہوں کما خر میری سیدھی سادی باتیں لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتیں۔ اب دیکھو میرا ناشتا کرنے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن بابا بھند تھے کہ میں ناشتا کروں“ کیونکہ ڈیڈی کا حکم ہے اور ابھی کچھ دیر میں ڈیڈی فون کر کے بابا سے پوچھیں گے کہ میں نے ناشتا کیا یا نہیں۔“

”اب نہیں پوچھیں گے کیونکہ اب میں آگئی ہوں۔“ وہ اس کی پوری بات سن کر بولی تب ہی آصف جاہ آ گیا اور ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر غالباً پہلے ٹھکا پھر آگے آئے ہوئے بنتی سے پوچھنے لگا۔

”بنتی تمہارا تعارف ہو گیا ان سے؟“

”آپ جانتے ہیں انہیں؟“ بنتی نے الٹا اس سے پوچھا۔

”ہاں ابھی یہ انکل کی مسز ہیں۔“ آصف جاہ نے کہا تو اس کے انکل کہنے پر صبا کن اکیوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”بالکل ٹھیک۔ بہت اچھا کیا ڈیڈی نے ان سے شادی کر کے۔“ بنتی پر خوش ہوا۔

”میرا ابھی یہی خیال ہے۔ انکل نے اچھا کیا لیکن جشید بھائی اور فریحا.....“ آصف جاہ برا سامنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

”کیوں ان دونوں کو کیا تکلیف ہے۔“ بنتی کا لہجہ بڑے بھائی اور بہن کے لیے خشکی سے بھرا تھا۔

”ان دونوں کا کہنا ہے کہ سسرال والے ان کا مذاق اڑائیں گے اور پتا ہے ناشتے کی ٹیبل پر دونوں نے ان کے سامنے انتہائی بدگیزبی کا مظاہرہ کیا تھا۔ سچ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔“ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”پلیز آپ خیال مت کیجیے گا۔“ وہ کیا کہتی خاموش ہی رہی اسی وقت بابا پھر ناشتے کا پوچھنے آگئے تو آصف جاہ تعجب سے بولا۔

”کیا مطلب تم نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا؟“

”دل نہیں چاہ رہا تھا۔“

”چلو اب کر لو بلکہ انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لو کیونکہ یہ بغیر ناشتا کے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔“ آصف جاہ نے کہتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔

”پہلے ایک بات طے کر لیں کہ ہم انہیں کیا کہہ کر مخاطب کریں گے۔“ بنتی نے کہا تو آصف جاہ بے ساختہ مسکرایا۔

”یہ واقعی سوچنے کی بات ہے۔ اوکے میں آفس جا رہا ہوں تم ان کے ساتھ مل کر طے کر لینا۔“ آصف جاہ غالباً داس بچا کر بھاگتا تھا۔

”آپ بتائیں خود کو کیا کہلوانا پسند کریں گی۔“ بنتی اس سے مخاطب ہوا تو وہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی اسی کھوئے انداز میں بولی۔

”جو بھی نام دوں اس اتنا خیال رکھنا کہ میری عزت نفس مجروح نہ ہو۔“ پھر اس نے بنتی کے ساتھ ناشتا کیا اس کے بعد پہلی کی طرح اس کی اسٹڈی اور پھر باہر میں اس کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔

راجیلہ خاتون ٹریا اور صبا کو گھر سے نکال کر اطمینان سے تو ہو گئی تھیں لیکن انہیں جاذب کی فکر تھی کیونکہ جاتی وہ بھی تھیں کہ معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ جاذب بھی صبا کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا اور ان کے رعب کے باعث برلا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن کب تک انہیں یہی خدشہ تھا کہ کسی دن وہ ان کے مقابل نہ کھڑا ہو جائے اور اسی خدشے کے باعث وہ صبا کو نکالنے کے پلان کرتی تھیں اور آخر کار کامیاب بھی ہو گئیں تو اس کے بعد جاذب کی فکر کہ نہیں وہ صبا کے غم کو روک نہ پالے اور اگر اس نے روک بتایا بھی تھا تو ظاہر نہیں کر رہا تھا بس چپ چپ رہتا تھا۔ راجیلہ خاتون نے بھی سوچا کہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن دونوں سے وہ بے حد متوحش پھر رہا تھا۔ جس سے راجیلہ خاتون تنگی اور انہیں پہلا خیال ہی آیا کہ ضرور وہ پھر ٹریا اور صبا کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔ اس وقت وہ نگار سے یہی بات کر رہی تھیں کہ جاذب کے آنے پر فوراً پیٹر ابل کر

اسے مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

”اچھی تمہیں تمہاری پچھو کہ کوئی اتنا پتا ہی نہیں دیا۔“

”آپ کیا کریں گی اتنا پتا معلوم کر کے۔“ وہ دل گرفتگی سے بولا۔

”مجھے کیا کرنا ہے بس فکر لگی ہے کہ پتا نہیں کہاں گئیں۔ سر چھپانے کو ٹھکانا ملا کہ نہیں۔“ انہوں نے بظاہر ہمدردی جتائی تو وہ سختی سے ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

”آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابی انہیں بہت اچھا ٹھکانا مل گیا ہے۔“

”تمہیں کیسے پتا تم نے دیکھا ہے۔“ راجیلہ خاتون نے اپنے اندر اٹھتے ابلال کو مشکل دیا۔

”جی کچھ دن پہلے کلفٹن کے شاپنگ مال پر پچھو سے ملاقات ہوئی تھی۔ صبا کی شادی کی شاپنگ کر رہی تھیں۔“ اس نے بتایا تو نگار اچھل پڑی۔

”کیا..... صبا کی شادی کب ہے؟“

”اب تو ہو بھی گئی ہوگی۔“ وہ اپنا درد چھپا رہا تھا اور راجیلہ خاتون کے اندر نیا درد جاگ اٹھا تھا۔

”ہائیں بلانا تو دور کی بات بتانا ابھی ضروری نہیں سمجھتا تمہاری پچھو نے ارے کم از کم اپنے بھائی سے تو مشورہ کر لیتی۔ کہاں کی اس کی شادی؟“ اصل بات آخر میں پوچھی۔

”بہت اونچی میرا مطلب ہے اچھی جگہ اس کے شوہر نے سی ویو پر اپارٹمنٹ صبا کے نام کیا ہے وہیں پچھو رہتی ہیں۔“ وہ اپنے کسی خیال میں کھو کر راجیلہ خاتون کو ایسی معلومات فراہم کر رہا تھا جس سے ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔ ایسے خواب تو وہ نگار کے لیے دیکھتی تھیں اور نگار کی الگ دال ٹیک رہی تھی۔

جاذب خاموش ہوا تو راجیلہ خاتون کا سازشی ذہن فوراً متحرک ہو گیا اور پھر سارے بنتی جذبات چھپا کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے بنتی کے فرض سے سبک دوش ہو گئی ٹریا۔ چلو اس نے ہمیں نہیں پوچھا ہم تو مبارک

آنند

یہ اورم ہولہ نہ دولت پر چنانہ دو ارات رات بھر لھاتا

مجھ سے تھا ہو۔ اسی ابو نے چھ لہا ہے! ہور چائے۔

چائے میں بنا دیں ہوں۔ ساجد کا ایم کے پاس رونا رہا۔

لجے میں بولی۔

”نہیں میں بتا لوں گی۔“

”بیٹا! اپنے تایا ابو کی باتوں کا برا مت ماننا، کبھی کبھی بونہی غصے میں آ جاتے ہیں۔ در نہ تم جانتی ہو وہ تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔“ ساجدہ بیگم نے اس کی خفگی محسوس کر کے کہا پھر اس کی پیشانی پر لکیئریں ابھرتی دیکھ کر بات بدل گئیں۔

”مونی نے تمہیں بتایا احسن آ رہا ہے۔“ اور ہمیشہ کی طرح اس خبر پر نہ اس کا دل دھڑکا نہ آنکھیں چمکیں اور نہ ہی بے اختیار ہو کر اس نے ”کب“ کہا بہت خاموشی سے سنا اور قدرے رخ موڑ کر جلدی سے دو گلوں میں چائے ڈال کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

احسن نے حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ ابھی تو وہ چائے پینے سے منع کر گئی تھی اور اس التفات کو جانے کیا سمجھا کہ نگ کے کراس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔

”تمہارا ہل ہل بدلتا روپ میری سمجھ سے باہر ہے۔ کبھی زندگی کی نوید دیتی ہو اور کبھی جو چند سانسیں باقی ہیں وہ بھی جھین لینے کے در پے ہو جاتی ہو۔“

”میرا ہاتھ چھوڑیں۔“ وہ ابجھ کر اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔

”نہیں میرے پاس بیٹھو مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟“

”کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔“ وہ جھپٹکے سے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹی پھر کھڑکی کے قریب کرسی گھسیٹ کر اس کی طرف

پشت کر کے بیٹھ گئی۔ پتا نہیں اسے احساس تھا یا نہیں کہ اس کے پیچھے بیٹھا احسن جلال احمد اس کی اس حرکت سے کس

قدر آ زردہ ہو گیا تھا اس کی جگہ اگر کوئی توانا مرد ہوتا تو یوں اپنی طرف پیٹھ کرنے پر اسے کرسی سمیت اٹھا کر پھینک دیتا

اور احسن جلال احمد ایسی توانائیاں کہاں سے لاتا؟ چپ چاپ اس کے بالوں کو دیکھتا رہا جو کرسی کی پشت سے پیچھے

جھول رہے تھے گھنے سیاہ بال اماؤس کی راتوں جیسے یا شاید اس کے مقدر جیسے۔

”احسن بھائی آ رہے ہیں؟“ وہ ہاتھ بڑھا کر کھڑکی

کھولتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”ہاں۔“ کھڑکی کھلنے سے جو سرد ہوا اندر چلی آئی تھی اس سے بچنے کی خاطر احسن نے لحاف سینے تک صمبھ لیا لیکن اسے کھڑکی بند کرنے کو نہیں کہا۔

”اکیلے آ رہے ہیں یا.....“ وہ کھڑکی سے باہر کھلے آسمان پر جھلکاتے ستاروں میں جانے کیا تلاش کرتے ہوئے کھوئے کھوئے لجے میں بولی۔

”کیا مطلب؟“ احسن سمجھا نہیں۔

”ہو سکتا ہے انہوں نے وہاں شادی کر لی ہو اور بیوی کے ساتھ آ رہے ہوں۔“ اس نے کہا تو احسن ذرا سا ہنس کر بولا۔

”اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو احسن بھائی اطلاع ضرور دیتے۔“

”ہو سکتا ہے انہوں نے ضرورت نہ سمجھی ہو یا پھر سر پر از دیئے کی خاطر۔“

”ایسا ہوتا ضرور ہے لیکن احسن بھائی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔“ اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”نہیں میں انہیں اچھی طرح نہیں جانتی۔ جب وہ یہاں سے گئے تھے اس وقت میں کچھ ذہن کی بے وقوف

لڑکی تھی۔ ظاہری خوب صورتی سے متاثر ہونے والی۔ محنتی تھی جو ظاہر ہے وہی باطن بھی ہوگا۔“

”اور اب؟“ احسن کو اس کی طرف دھیان رکھنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کرنی پڑ رہی تھیں۔

”اب میرا خیال ہے میں ظاہر و باطن میں تمیز کر سکتی ہوں۔“ وہ دعوے سے بولی۔

”اچھی بات ہے پھر تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ احسن بھائی جتنے خوب صورت نظر آتے ہیں اس سے کہیں

زیادہ خوب صورتیاں ان کے اندر ہیں۔“

”اچھا.....!“ وہ پتا نہیں کیوں ہنسی اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے جانے کیا سوچنے لگی۔ سرد ہوا کے جھوکے مسلسل اس کے چہرے کو چھو رہے تھے جس سے اس کا چہرہ رخ ہو گیا تھا۔ ناک

قرآنی آیات کی عام فہم تفاسیر جنہیں

مشتاق احمد قویسی

نے مستند تفاسیر اور حوالوں سے آراستہ کیا ہے

کتاب کا نام

تفسیر آیات ربنا اتا	تفسیر سورۃ اخلاص
تفسیر سورۃ النصر	تفسیر معاذ اللہ
تفسیر سورۃ الہب	تفسیر سورۃ العصر
تفسیر آیات اللہ ذوالجلال	تفسیر سورۃ الکفر ون
تفسیر سورۃ الشمس	تفسیر سورۃ الفاتحہ
تفسیر سورۃ القریش	تفسیر سورۃ کلمہ طیبہ
لقد خلقنا الانسان	تفسیر سورۃ معوذتین
تفسیر سورۃ القدر	تفسیر سورۃ الکواثر
آسمانی صحیفے اور قرآن	تفسیر آیات السلام علیکم
تفسیر سورۃ الماعون	تفسیر آیات یا ایہا الذین امنو

امام اعظم حیات و فقیہ کارنامے

ملنے کا پتا: افق گروپ آف پبلی کیشنز۔ 7 فرید چیمبر عبد اللہ

ہارون روڈ کراچی

اسلامی کتب خانہ۔ فضل النبی مارکیٹ چوک اردو بازار۔ لاہور

سے الگ پانی بننے لگا تھا پھر بھی اس نے کھڑکی بند نہیں کی بس کچھ دیر کے لیے ہاتھوں سے چہرہ دھو کر چھپا لیا پھر جب سیدھی ہوئی تو پوچھنے لگی۔

”ایک بات بتائیں سن تاپا ابونے آپ کی شادی کرتے وقت احسن بھائی سے مشورہ کیا تھا؟“

”ہاں۔“

”پھر کیا کہا تھا انہوں نے؟“ وہ پتا نہیں کیا جانا چاہتی تھی۔

”وہ بہت حیران ہوئے تھے انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا بار بار کہتے نشاء سے پوچھ لیا۔ شاید میری طرح انہیں بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔“ احسن نے بتایا تو اس کے ہونٹوں سے سسکی کی صورت نکلا۔

”پھر؟“

”پھر انہوں نے مجھ سے تصدیق کرائی۔“

”آپ سے کیوں انہیں مجھ سے تصدیق کرنی چاہیے تھی۔ مجھ سے پوچھتے۔“ وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

”تم کیا کہتی ہیں؟“

”میں.....“ وہ ایک دم سنبھلی۔ ”ظاہر ہے جو آپ نے کہا۔“

”لیکن اب ایسا لگتا ہے نشاء جیسے تم مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہی ہو۔“ وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔

”واقعی محبت اندھی ہوتی ہے جب ہی مجھ سے محبت کرتے وقت میری ذات سے جیسے روگ تمہیں نظر نہیں آئے۔“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گھٹاؤں جیسے بابوں کو سمیٹ کر چوٹی کی شکل دیتے ہوئے یوں ظاہر کرنے لگی جیسے کچھ سنائی نہیں۔

”پلیئر کھڑکی بند کر دو اب مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی۔“ وہ کہہ کر کھانسنے لگا تو اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کر دی۔

.....♥♥♥.....

رات اپنے اختتامی مراحل میں تھی جب احسن کی طبیعت قدرے سنبھلی اور وہ سو سکا۔ نیند تو اسے بھی آ رہی

تھی اور وہ سوتا بھی چاہتی تھی لیکن اذان کی آواز سن کر اس نے سونے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی۔ چائے بنا کر وہیں کھڑکی پی رہی تھی کہ ساجدہ بیگم آگئیں اسے دیکھ کر بولیں۔

”بہت جلدی اٹھ گئیں۔“

”میں سوئی کب تھی۔“ اس نے سوچا اور بس سر ہلا دیا۔

”تمہارے تاپا ابو تو اٹھتے ہی اڑ پورٹ چلے گئے۔“ ساجدہ بیگم نے تسلی میں آٹا نکالتے ہوئے بتایا تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

”اکیلے؟“

”ظاہر ہے اور کون ہے ساتھ جانے والا؟ احسن تو غالباً.....“

”لائیے آٹا میں گوندھ دوں۔“ وہ ان کی بات پر توجہ دینے بغیر بولی اور آٹے کا تسلا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ کہنے لگیں۔

”آٹا میں گوندھ لوں گی تم احسن کے آٹے پر گرم گرم پراٹھے بنا دینا۔“ وہ ہلکے سے کندھے جھٹک کر وہاں سے نکل آئی۔ کمرے میں آ کر دیکھا احسن نے خبر سو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑکی اس کی خراٹوں کی آواز سنتی رہی پھر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی تو بغل سے اخبار نکال کر دیکھنے لگی۔ اسے پچھلے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ برآمدے میں سے جلال احمد کی آواز آنے لگی۔ وہ وہیں سے ساجدہ بیگم کو پکار رہے تھے۔ ان کی آواز کی ٹھک بتا رہی تھی کہ بڑھاپے کا سہارا جھانکنا دوتا بیٹا ساتھ کھڑا ہے۔ شانے سے شانہ ملا کر۔

اور اصولاً تو اسے بھی اٹھ کر جانا چاہیے تھا لیکن وہ یونہی لاتعلقی بنی رہی۔ باہر سے ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں پھر شاید احسن نے احسن کے بارے میں پوچھا اور کچھ دیر بعد ہی دروازے پر دستک دے کر پہلے جلال احمد اور ان کے پیچھے احسن اندر داخل ہوئے نظر آئے۔

”السلام علیکم؟“ وہ سلام کرتے ہوئے کھڑکی ہو گئی اور بے دھیانی میں انہیں دیکھنے لگی جبکہ اس کے اندر دور تک

تھی اور وہ سوتا بھی چاہتی تھی لیکن اذان کی آواز سن کر اس نے سونے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی۔ چائے بنا کر وہیں کھڑکی پی رہی تھی کہ ساجدہ بیگم آگئیں اسے دیکھ کر بولیں۔

”بہت جلدی اٹھ گئیں۔“

”میں سوئی کب تھی۔“ اس نے سوچا اور بس سر ہلا دیا۔

”تمہارے تاپا ابو تو اٹھتے ہی اڑ پورٹ چلے گئے۔“ ساجدہ بیگم نے تسلی میں آٹا نکالتے ہوئے بتایا تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

”اکیلے؟“

”ظاہر ہے اور کون ہے ساتھ جانے والا؟ احسن تو غالباً.....“

نامیوں کا راج تھا۔

”کیسی ہو؟“ وہ نظریں چراگئے تھے۔

”جی.....“

”ممنی سو رہا ہے ابھی تک۔“ وہ بیڈ کی طرف بڑھے اور غالباً اسے اٹھانا چاہتے تھے کہ اس نے روک دیا۔

”احسن کو مت اٹھائیں یہ تمام رات جاگتے رہے ہیں۔“

”کیوں؟“ انہوں نے پوچھا تو اسے دیکھا۔

”ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“

”ہاں رات بھر کھانسنے کی آواز آتی رہی تھی۔“ جلال احمد نے کہا تو وہ جھک کر بغور احسن کو دیکھنے لگے۔ گو کہ وہ اسے اٹھانے کا ارادہ ملتوی کر چکے تھے پھر بھی بے اختیار دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا تو احسن کی آنکھ کھل گئی۔ انہیں دیکھا تو فوراً اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تب انہوں نے سہارا دے کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

”سو رہا میں تمہیں اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔“

”اگرے نہیں بھائی میں تو ابھی نیند میں بھی آپ ہی کو دیکھ رہا تھا۔“ احسن نے کہا تو وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔ نشاء بتا رہی ہے تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔“

”نشاء خود بھی تو نہیں سوئی بے چاری میری وجہ سے بہت پریشان ہو جاتی ہے۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”گوئی دوائی تھی؟“

”جی نشاء نے دی تو تھی۔“ اس نے جھوٹ بول کر اس کا بھرم رکھا یا شاید اپنا۔

”بیٹا تم نے آتے ہی ڈاکٹری شروع کر دی۔ چلو پہلے ناشاء وغیرہ کرلو۔“ جلال احمد نے ہنستے ہوئے کہا تو نشاء کو یاد آیا کہ ساجدہ بیگم نے اسے پراٹھے بنانے کے لیے کہا تھا۔ فوراً کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو ساجدہ بیگم خود ہی ناشاء بنانے میں مصروف تھیں۔ وہ انہیں اندر بھیج کر خود ان کی جگہ کھڑی ہو گئی۔

پھر ناشتے کے بعد احسن نے باقاعدہ احسن کا چیک اپ کیا۔ اس کے لیے دوائیں تجویز کیں۔ کچھ دوا میں ان کے پاس موجود تھیں جو وہ باہر سے لے کر آئے تھے اور جو نہیں تھیں وہ اسی وقت جا کر لے آئے پھر ان کے بارے میں نشاء کو سمجھانے لگے کہ کون سی دوا کس وقت دینی ہے اور نشاء کو اب دواؤں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی پھر بھی کوشش کر رہی تھی کہ پوری توجہ سے ان کی ہدایات سے لیکن پتا نہیں کیسے ان پر اس کی لاتعلقی ظاہر ہو گئی تو انہوں نے ٹوکا۔

”میں تمہیں اس میڈیسن کے بارے میں بتا رہا ہوں تم وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟“

”بھائی.....“ اس سے پہلے احسن بول پڑا۔ ”آپ خواہوا اتنی محنت کر رہے ہیں۔ نشاء ایک مدت سے مجھے دوا میں پلاری ہے اور اب تو میرا خیال ہے یہ کیا نکلیں بند کر کے بتا سکتی ہے کہ کس وقت مجھے کون سی دوا دینی ہے۔“ انہوں نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی دوا میں نیبل پر رکھیں تو کہنے لگا۔

”سچ پوچھیں بھائی تو میں خود اب دواؤں سے اتنا ارباب ہو گیا ہوں کہ انہیں دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔“

”بس کچھ دن اور پھر تم ایک دم فٹ فٹ ہو جاؤ گے۔“

”میں اب بھی فٹ فٹ ہوں۔ بس ابھی جب سینے میں سانس رکھنے لگتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی سے ناپاٹوٹ رہا ہو۔“ احسن نے بات کی ابتدا مسکراتے ہوئے کی تھی اور آخر میں مایوس نظر آنے لگا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر بولے۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا بس تم اپنا خیال رکھو۔“

”نشاء میرا بہت خیال رکھتی ہے۔“ وہ مسلسل اسے سرخرو کر رہا تھا۔

”جانتا ہوں۔“ احسن اٹھ کر کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے جن نظروں سے نشاء کی طرف دیکھا وہ اپنی نظروں میں چوری بن گئی تھی۔

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

حسن کٹائے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس دوران وہ صرف ایک بار گھر سے نکلے تھے وہ بھی ملاں احمد اور بیٹی کی دعوت پر ورنہ سارا وقت ایک تو ساجدہ بیگم کے کانٹیں دیکھ دیکھ کر دل نہیں بھرتا تھا دوسرے وہ خود زیادہ وقت محسن کو دے رہے تھے جس سے نشاء چڑنے لگی تھی اور اس وقت اس کی ناگواری محسوس کر کے وہ گھر سے نکل آئے تھے اور کیونکہ باقاعدہ کسی پروگرام کے تحت نہیں نکلے تھے اس لیے بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہے پھر ہاسپٹل دیکھ کر جہاں انہوں نے پریکٹس کی تھی وہ رہ نہیں سکے وہیں گاڑی روک دی۔ پھر ٹائم دیکھتے ہوئے سیدھے ڈاکٹر تانیہ کے روم میں آئے تو وہ انہیں دیکھ کر کھل گئی تھی۔

”کیسی ہو؟“ احسن اس کے سامنے چہرے سمجھ کر بیٹھ گئے تو وہ شاکی ہو کر بولی۔

”بڑے بے مروت ہو۔“

●♥●.....●♥●.....●♥●

جب ثیانی نے اسے بتایا کہ اس کے ماموں ممانی آئے
تو وہ ہتھ سے اکھڑ گئی۔

سے جواب دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”میں پہنچ کر لوں۔“
 ”جی.....“ اس نے انہیں کمرے میں جاتے ہوئے



نارہ شمارہ شائع
ہو گیا ہے

جنوری 2016ء کے شمارے کی ایک جھلک

[illegible][illegible][illegible]

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

مخاطب کر کے پوچھا۔

”سنو کیا کرتے ہو تم؟“

”اتنی جلدی بھول لیں آپ، انگل نے بتایا تو تھا کہ میں ان کا بزنس پھیلانے میں کوشاں ہوں.....“ اس نے خان جنید کی بات دہرائی تو اس نے یونہی سر ہلا کر پوچھا۔

”چائے بھی پیو گے؟“

”ہیں۔“ اس کے مختصر جواب کے بعد پھر خاموشی چھا گئی تو اس نے اپنے آپ گنگنانا شروع کر دیا کیونکہ باتیں کرنے سے اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔ جسے وہ خاموشی کی چادر میں کھونا نہیں چاہتی تھی۔

”ذرا اوپچی آواز میں گائیں تاکہ میں بھی سنوں۔“

آصف جاں کے ٹوکنے پر اس نے دھیان نہیں دیا اور اس طرح گنٹاتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہی۔ چار بج ٹوسٹ بنا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولا۔

”بس اتنے کافی ہیں۔“ اس نے پلیٹ اٹھا کر اسے تھما دی پھر چوہا بند کر کے ہاتھ دھوئے اور دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

”او کے اب میں سونے جا رہی ہوں۔“

”جی نہیں میرے کھانے تک آپ یہیں موجود رہیں
 گی اور کھانے میں میرا ساتھ بھی دیں گی۔“ آصف جاں
 نے کہتے ہوئے پیٹ اس کی طرف بڑھائی جسے اس نے
 اپس اس کی طرف دھکیلا اور فوراً شب بخیر کہہ کر وہاں سے
 نکل آئی۔

اس کے پوچھنے پر خان جنید اسے آصف جاں کے
رے میں تمانے لگے۔

”آصف میرے بہت عزیز دوست کا بیٹا ہے گو کہ میرا دوست معظم جاہ اس دنیا میں نہیں رہے اس کے انتقال کو بہت سال ہو گئے ہیں اس وقت آصف دوسال کا تھا اور یہ سمجھا کہ دنیا کا دستور ہے چار دن ہمدردی کے بعد سب بھول جاتے ہیں تو یہ ماں بیٹا بھی بالکل تنہا رہ گئے تھے بے روزگار اور میں نے تو انہیں کھول گا کہ میں نے انہیں سہارا

”کیا تمہیں نیند میں جلنے کی عادت ہے؟“ اس نے آصف جاں کی سوئی سوئی آنکھیں دکھ کر ٹوکا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ لائٹ آف کرنے کا خیال چھوڑ کر پوچھنے لگی۔

”کچھ چاہئے۔“

”جی اگر کچھ ہے تو.....“ اس نے کہا تو وہ بھی کہیں۔
”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے کھانے میں کچھ ہلکا پھلکا جائے
تو بہت بھوک لگی ہے۔“

”تم نے کھانا نہیں کھایا؟“ اس نے ٹائم دیکھا بارہ بج رہے تھے۔

”نہیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کھانا نہیں کھاؤں گا۔“

”اچھا میں کچھ اور دیکھتی ہوں۔“ وہ فوراً چٹن میں آ گئی اور ابھی فریق کا جائزہ لے رہی تھی کہ وہ اس کے پیچھے کر بولا۔

”سوری میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔“ وہ کچھ کہیں
بولی فریج سے انڈے نکالے پھر ڈبل روٹی اٹھاتے ہوئے
اس سے پوچھا۔

”کیا بنادوں! آملیٹ یا فرانی کھاؤ گے۔“

”ایسا کریں فریج ٹوسٹ بنادیں۔“ وہ اسٹول سے کھڑک
 بیٹھے ہوئے بولا تو وہ بہت خاموشی سے اٹھ کے پھینٹنے لگی پھر
 اس میں چٹنی دو دھ ملاتے ہوئے معاً خود کو اس کی نظروں کی
 گرفت میں محسوس کر کے کچھ نرمی سی ہو گئی۔ حالانکہ شادی
 سے پہلے وہ جتنی بولدھنسی اب اتنی پر اعتماد پھر جانے کیسے
 اس کی نظروں سے پریشان ہو گئی۔ شاید بھلیکتی ہوئی رات
 خاموشی اور تنہائی، خان جنید سے اپنا بیٹا، جھینس لیا بیٹھا اور
 اگر ان کے حوالے سے وہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کوئی
 رشتہ جوئے تب بھی اس کی ماں جیسی تھی نہ خالہ جیسی کہ وہ
 کوئی چھوٹا سا بچہ نہیں تھا پورے چھٹ اوچھا اور اس کے
 لیے بالکل غیر اور اجنبی۔ بہت کوشش سے وہ اس کی طرف
 سے ذرا سا رخ موڑ سکی پھر خاموشی توڑنے کی خاطر اسے

”آصف کی والدہ میری منہ بولی بہن ہیں۔ معظم چاہ
کی زندگی میں ہی ہمارے مائین یہ رشتہ قائم ہوا تھا اور معظم
کے بعد اگر میں نے ان کی ذمہ داری قبول کی تو یہ میرا فرض
تھا۔ میں نے اور بٹی کی ماں نے بھی بہت چاہا کہ وہ آصف
کو لے کر ہمارے پاس آ جائیں لیکن وہ اپنا گھر چھوڑنے
پر تیار نہیں ہوئیں۔ پھر جب انہوں نے دوسری شادی کی تو
آصف کو باہل میں ڈال دیا یوں یہ بچہ ٹوٹ میری ذمہ داری
بن گیا، کیونکہ سوتیلا باپ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں تھا
بہر حال آصف مجھے اپنی اولاد کے رسم عزیز نہیں ہے۔ تھوڑا
شوخی اور شرارتی ہے اور اس عمر میں تو سب ہی ایسے ہوتے
ہیں۔ تمہیں اگر اس سے کوئی شکایت ہو تو مجھ سے کہنا کہ اسے
مت ٹوٹنا۔ کیونکہ بظاہر جتنا کلنڈر نظر آتا ہے اندر سے
اتنا ہی حساس ہے اور ایسے لوگ کبھی اچانک ٹوٹ کر یوں
بکھرے ہیں کہ پھر سمیٹنے نہیں جاتے۔ میری بات سمجھ رہی
ہو ناں۔“ وہ جو بہت خاموشی سے انہیں سن رہی تھی اثبات
میں سر ہلایا تو پوچھنے لگے۔

اور پھر اس نے محسوس کیا اس گھر میں زندگی کے آثار
آصف جاہ کی بدولت ہی نظر آتے تھے۔ گو کہ وہ سارا دن
گھر پر نہیں ہوتا لیکن خان جنید کی طرح بہت مصروف بھی
نہیں تھا۔ صبح لگتا تو اکثر سہ پہر تک واپس آ جاتا اور
آتے ہی اپنے کمرے میں چلا جاتا، پھر بھی اس کی
موجودگی کا احساس ہوتا تھا، بھی خانساہاں رئیس کو پکار کر
چائے کا کہتا اور کبھی ملازمہ کی شامت آتی جو صفائی کے
دوران اس کی چیزیں ادھر ادھر کر دیتی تھی۔ غنی کے ساتھ
بھی اس کی خوب غنی تھی اور اب اس سے بھی مذاق کر جاتا
تھا۔ بلکہ چیخنے لگا تھا۔

میرے سامنے والی کھڑکی میں
ایک چاند سا کنگڑا رہتا ہے
آصف جاہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مسکراہٹ
ہونٹوں میں دبا کر جوابی حملہ کیا۔
”لیکن مجھے تو کھڑکی سے اندر نظر آ رہا ہے۔“
”فوراََ انظر ٹیٹ کراؤ۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی تو اس نے
کمال ایتیکنک کی، میسر انجان بن کر پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر
اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھنے لگا۔
”مجھے سے کچھ کم دہائی ہیں؟“

”خبردار جو خاں صاحب کے بارے میں کچھ لانا سیدھا کہا تو.....“

”میں بچ نہیں ہوں۔“ اس کے فوراً احتجاج پر وہ بے ساختہ زور سے ہنسی اور پھر اسے چرانے کی خاطر ہنستی چلی گئی اب ہی خان جنید آگئے تو وہ محلِ سامان سے بولا۔
”انکل! میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔“

”پہلے اس نے میرا مذاق اڑایا تھا۔“

احسن اپنا کلیٹک سیٹ کرنے میں لگ گئے لیکن گھر
 اور خاص طور سے محسن کی طرف سے وہ کسی بدل بھی غافل
 نہیں ہوئے۔ محسن کے لیے ان کے احساسات وہ شروع
 سے جانتی تھی لیکن اب تو لگتا تھا جیسے وہ اس کے لیے
 بہت سنجیدہ ہو گئے ہوں۔ معمولی سی بات کو بھی بہت
 گہری نظر سے دیکھنے لگے تھے صبح گھر سے نکلے ہوئے
 بے شمار ہدایات دن میں وقفہ وقفہ سے فون کرتے اور
 واپسی میں باز پرس۔

”کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو احسن بھائی۔“ اس روزہ
محسن کے سامنے پھٹ پڑی۔ ”ہر وقت ہمارے سر پر
مسطر پہنی کوشش کرتے ہیں یہ کیا..... وہ کیا..... آخر وہ
کون ہوتے ہیں پوچھنے والے اور پوچھتے بھی اتنے
مشکوک انداز میں ہیں جس میں جھوٹ بول رہی ہوں۔“

”پھر کیا بات ہے ان سے کہیں اگر اتنا ہی خیال ہے تو صبح جاتے ہوئے آپ کو اپنے ساتھ لے جایا کریں یا پھر خود آپ کے ساتھ لگ کر بیٹھیں۔ مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔ میں ہر وقت آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی نہیں رہ سکتی۔“

”اچھی بات ہے میں کہہ دوں گا ان سے۔“ وہ مصالحت پر آمادہ تھا۔ ”تم پلیز خفامت ہو یہاں میرے پاس بیٹھو۔“

”میرے کمرے میں آؤ“ احسن دہی مگر سخت آواز میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو وہ ان کی پشت پر نظر میں جاتے ان کے لہجے پر غور کرنے لگی جو ان کی بات رد کرنے کا حوصلہ جھین گیا تھا۔ جیسا ناچاہتے ہوئے بھی ان کے پیچھے چل دی۔

”دیکھو شاعری بھی شخص کو اپنے تہی دامن ہونے کا اتنا ملال نہیں ہوتا لیکن جب اس کے دامن میں کچھ ڈال کر چین لیا جائے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے۔“ شاعر نے ہنست ہنست کر خود بربط کیا۔

”میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔“

”کیا کرتی ہوں میں یقیناً محسن نے میری شکایتیں کی

ہوں گی۔“

”بھلا ایسی بات نہیں ہے۔“ وہ فوراً بولے۔ ”موننی تمہاری شکایت کیوں کرے گا اس کے پاس تو سوائے تمہاری تعریفوں کے اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔“ وہ تنگ پر ذکر دوسری سمت دیکھنے لگی تو احسن اس کے قریب آ کر نرمی سے گویا ہوئے۔

”غلط مت سمجھو نشاء میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس سے لڑامت کرو تمہاری ذرا سی خشکی اسے بے صدا زردہ کر دیتی ہے۔ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ وہ ہر وقت افسردہ رہے۔“ اس کی آنکھیں یقیناً پانیوں سے بھر گئیں تو وہ ٹوک کر کہنے لگے۔

”اول ہوں خود بھی خوش رہو اور اسے بھی خوش رکھو تاکہ ہمارے ساتھ گھر کے درو دیار کو بھی پتا چلے کہ اس گھر میں ایک جوان جوڑا رہتا ہے۔ تمہاری چوڑیوں کی کھنک ہو، موننی کی ہنسی کی جھنکار ہو تو جلتنگ بجے کچھ تو ہو یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یوں لگتا ہے جیسے میرا جنازہ تیار رکھا ہو۔“

”اللہ نہ کرے۔“ وہ دہل کر فوراً بولی تو ان کے چہرے پر ایک رنگ لہر گیا۔

”اگر یہی صورت حال رہی تو بچ بچ ایسا ہو سکتا ہے۔“ ”بس کریں احسن بھائی ایسی باتیں نہ کریں۔“ وہ نرم دل لڑکی خائف ہو گئی تھی۔

”میرے پاس اچھی باتیں بھی ہیں اگر سننا چاہو تو۔“ ”کیا؟“ وہ جھپکی پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

”وہ یہ کہ جب میرا کلینک اسٹارٹ ہوگا تو میں ریسپشن پر موننی کو بٹھاؤں گا کیونکہ اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس پر چھوٹی موننی ذمہ داریاں ڈالی جاسکیں۔“ یہ واقعی اچھی خبر تھی۔ ان کا خیال تھا وہ خوشی سے جی پڑے گی لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کا رد عمل ظاہر نہیں ہوا تو ان کی پیشانی ٹھکنے لگے۔

”تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟“

”اچھی خبر ہے۔“ وہ سرسری انداز میں کہہ کر جانے لگی

کہ وہ پکار کر بولے۔

”سنو تمہیں موننی کی حوصلہ افزائی کرنی ہے۔“ ”یہ آپ کا حکم ہے؟“ اس نے پلٹ کر ناگواری سے پوچھا۔

”میں کہتا تو نہیں چاہتا لیکن تمہارے لہجے اور رویے کی بدولت مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہاں یہ میرا حکم ہے۔ اب تم جاسکتی ہو۔“ وہ انتہائی بدگیزبی سے فرش پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

اس پر عجیب سی جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔ رات در تیک انتہائی بے چینی کے عالم میں کمرے میں ادھر سے ادھر ہنپتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کر ڈالے، کبھی دل چاہتا سوئے ہوئے محسن کو جھنجھوڑ کر اٹھا دے کبھی سوچتی ایک ایک چیز اٹھا کر دیوار پر مارنا شروع کر دے اور زور زور سے شور مچائے کہ سب اپنے کمروں سے نکل کر بھاگے چلے آئیں۔ پھر وہ ایک ایک سے پوچھے کہ انہیں صرف موننی کا خیال کیوں ہے کوئی اس سے بھی تو پوچھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ نہیں یہ کوئی نہیں پوچھے گا۔“ اس کے اندر مزید بے ساسی۔

”مجھے اپنی پناہوں میں لینے والے اب میری پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ ہونہم کتنے خود غرض ہیں یہ لوگ۔ میں ان پر ترس نہیں کھاؤں گی، کبھی نہیں۔“ وہ صوفے پر ڈھسے گئی اور سکتے سکتے سو گئی تھی۔

صبح محسن کے پکارنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی وہ پریشانی سے اسے کچھ ہاتھا۔

”کیا بات ہے نشاء تم یہاں صوفے پر۔“ ”ہاں نہیں۔“ وہ اٹھ بیٹھی۔ ”مجھے شاید نیند نہیں آ رہی تھی پھر پتا نہیں کب سو گئی۔“

”ارے نیند نہیں آ رہی تھی تو مجھے اٹھا لیتیں۔“ محسن نے کہا تو وہ سوچ کر رہ گئی۔

”تم کیا کر لیتے.....؟“

”کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔“ محسن نیچے ٹھٹھنے ٹیک کر بیٹھا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا تو وہ

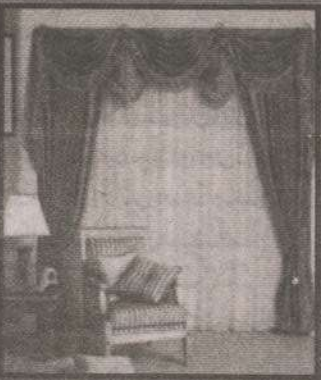
ٹیسنرٹ مکشر اینڈ بیٹ شیرٹ ہائوس

مناسب قیمت

کوالٹی کی گارنٹی

ہمارے یہاں بیڈ شیٹ، کشن کور اور پردوں کی لامحدود ورانٹی دستیاب ہے

دیدہ زیب رنگوں کے امتزاج کے ساتھ



دکان نمبر 26-21 اقبال شاہنگ سینٹر
پاپوش نگر، ناظم آباد نمبر 5 کراچی

فون نمبر: 021-36616735

اپنے آپ میں الجھتی۔

”ہاں نہیں میرا مطلب ہے میں بہت گھبرا رہی ہوں۔“ پھر ایک دم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
”ایک بات مائیں گے حسن۔“

”میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی، تم کہو تو.....“
حسن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ رک کر بولی۔
”وہ..... میں ابو جی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔“
”اتنی سی بات۔“ وہ مسکرایا۔ ”ضرور جاؤ میں نے کب منع کیا ہے۔“

”تو چلیں مجھے چھوڑ آئیں۔ میں کچھ دن وہیں رہوں گی۔“ وہ ایک دم سوچ کر گئی۔

☆☆☆.....

شام میں احسن گھر لوٹے تو ساجدہ بیگم اکیلی اور کچھ اداس سی بیٹھی تھیں۔ وہ سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھے اور ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے۔
”کیا بات ہے امی! کیلی بیٹی ہیں۔ باقی سب لوگ کہاں ہیں؟“

”تمہارے ابو اپنے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں اور حسن اپنے کمرے میں ہے۔“ ساجدہ بیگم نے بتایا تو انہوں نے بے ساختہ پوچھا۔
”اور نشاء.....؟“

”نشاء اپنے ابو کے گھر گئی ہے۔“ ان کے جواب سے وہ خامصہ بدول ہوئے۔ یعنی ان کے سمجھانے کا اثر لیا تھا اس نے کہ وہ میکے چلی گئی، گو کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن نشاء کے فوری رد عمل نے انہیں مایوس کیا تھا۔

”بیٹا! میں تو بہت پریشان ہوں۔ نشاء پر کسی کے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔“ ساجدہ بیگم نے اپنی پریشانی ظاہر کی تو وہ انہیں تسلی دینے لگے۔
”آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

”پتا نہیں مجھے تو وہ ہر روز پہلے سے زیادہ متغیر نظر آتی ہے۔ تم اسے سمجھاؤ ناں۔“
اب وہ کیا بتاتے کہ یہ کوشش وہ کر چکے ہیں۔ پھر بھی

انہیں پریشان نہ ہونے کا کہہ کر محسن کے کمرے میں آئے اور اسے ٹیلیٹ منہ میں ڈالتے دیکھ کر بھی بلا ارادہ پوچھ گئے۔

”کیا کر رہے ہو مونی؟“ محسن نے پانی کے گھونٹ سے ٹیلیٹ لگی پھر ذرا سانس کر بولا۔
”کیا کرنا ہے مجھے دو! دو! بس دوا۔“
”امی بتا رہی ہیں نشاء اپنے ابو کے گھر گئی ہے۔“ انہوں نے بات بدلی۔
”جی۔“

”خوشی سے گئی ہے یا..... میرا مطلب ہے تم سے یا ہم میں سے کسی سے ناراض ہو کر تو نہیں گئی۔“ انہوں نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

”ارے نہیں بھائی! وہ کیوں کسی سے ناراض ہوگی البتہ اس کے جانے سے امی ابو ناراض ہوتے ہیں۔“ یہ محسن کی محبت تھی کہ وہ نشاء پر کوئی بات آنے ہی نہیں دیتا اور احسن سمجھنے کے باوجود کہہ گئے۔
”تمہارے خیال میں امی ابو ناحق ناراض ہوتے ہیں۔“

”پتا نہیں بھائی۔“ محسن جیسے خود کو بے بس محسوس کرنے لگا پھر کہنے لگا۔ ”اصل میں بھائی نشاء کی کوئی ایکسٹریئر نہیں ہیں گھر میں پابندہ کر وہ بور ہو جاتی ہے میں بھی تو اسے کہیں نہیں لے جاتا۔“

”کیوں نہیں لے جاتے؟“ انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ افسردگی سے مسکرایا۔
”بس بھائی آپ تو جانتے ہیں میں جلدی تھک جاتا ہوں۔“

”پیدل مت چلو گاڑی پر جاؤ نشاء کو ذرا ٹیوگ آتی ہے کہ نہیں؟“
”آتی ہے۔“

”پھر کیا مسئلہ ہے آرام سے گھوم پھر سکتے ہو یا نشاء تمہارے ساتھ جانا نہیں چاہتی۔“ آخری بات بلا ارادہ کہہ کر وہ پچھتاتے بھی اور فوراً اس کا اثر زائل کرنے کی

کوشش کرنے لگے۔ ”نشاء بھلا کیوں منع کرے گی اس نے ڈرائیونگ سیکھی ہی اس لیے تاکہ تم دونوں کو کسی کی حتمی ندر ہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ محسن نے تائید کی تو کہنے لگے۔
”بہر حال اب تک تو میں نشاء سے کہتا رہا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے لیکن اب تم سے کہوں گا کہ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے سمجھے۔“
”جی۔“ محسن مسکرایا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑے ہوئے اچانک ان کا دل بوٹھل ہو گیا تھا۔

☆☆☆.....

گو کہ آصف جاہ نے مذاق میں خان جنید کو بوڑھا کہہ کر اسے چھیڑا تھا لیکن وہ شدت سے محسوس کر گئی تھی اور جو اس زندگی سے سمجھوتا کرتے ہوئے خود کو خان جنید کی لگی بندھی روشیں کے مطابق چلنے ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی تو اس نے اچانک ساری کوششیں ترک کر دیں، کیونکہ دل باغی ہو گیا تھا کہ نئی زندگی کی ابتدا پر ہی وہ اپنی آرزوؤں اور امکانات کا خون کیوں کرے گویا اس کی ازلی ضد عود کر آئی تھی۔

”مجھے ان کے ساتھ نہیں چلنا انہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“ یہ اس نے سوچ لیا اور اس شام جم سے واپسی پر اس نے آکس کریم اور گجرے لے لیے۔ گھر آئی تو خان جنید غالباً اسی وقت آئے تھے اسے دیکھ کر رکے تھے کہ بالکل غیر ارادی طور پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیئے گجرے اور آکس کریم دیکھ کر ان کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئی اور کھٹکنا گوری سے بولے۔
”تو جھینکس۔“ اور وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ فوراً ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے قصداً ہنس پڑی۔ پھر ان کے سامنے بیٹھ کر گجرے کلائیوں میں سجاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”خان! آپ کو آکس کریم پسند نہیں؟“ وہ کوئی جواب دینے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ ہرٹ ہو کر اپنی کلائیوں دیکھنے لگی دھیمی دھیمی محسوس کن خوش بو اس کے

چاروں اور پھیل رہی تھی۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے سر صوفے کی بیک پر ٹکا لیا۔ کیسی خاموشی تھی گہرا سکون اچانک اس کا دل چاہا اور زور سے ہنسنے پھر خود سے کہے یہ کیا حماقت ہے۔

”حمافت ہی تو ہے۔“ اس نے سوچا اور آصف جاہ کو آتے دیکھ کر ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔
”واؤ.....“ آصف جاہ اس کی کلائیوں میں گجرے دیکھ کر خوش گوار حیرت میں گھر گیا۔ ”بہت خوب صورت لیکن آکس خان انگل بالکل تعریف نہیں کریں گے۔“
”تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ تعریف کر چکے ہیں۔“ اس نے نصیحت اپنا بھرم رکھنے کی خاطر مبالغہ آرائی کی اور فوراً اٹھ کر ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا جو وہ خان جنید کے لیے لے جا رہی تھی۔

”آصف کو چائے دے دو۔“ وہ ملازمہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ خان جنید ٹیبل پر کوئی فائل کھولے بیٹھے تھے۔ اس کی نظریں ان کے جھکے ہوئے سر سے ہوتی ہوئی ان کے ہاتھوں پر جا پڑیں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پین۔ یہ حقیقت تھی کہ اس شخص کا ہر انداز جدا گانہ اور اثر کیٹو تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو تب بھی اسے اپنی طرف متوجہ رکھتا تھا۔ جب ہی تو اپنی گزشتہ زندگی کا جو باب اس نے بند کر دیا تھا اسے کھولنے کا بھی خیال تک نہیں آیا تھا بہر حال اس نے سبک روی سے قریب جا کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا تو انہوں نے فوراً سر اودھنچا نہیں کیا اور اس نے محسوس کیا ان کی نظریں فائل سے ہٹ کر اس کی کلائیوں پر پڑھ رہی تھیں۔ اس کا دل یکبارگی جھلنے لگا۔

”تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔“ ان کے ٹوکنے پر جہاں وہ چوکی وہاں چلتا ہوا دل بجھ کر رہ گیا۔ کس قدر کھٹور پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کم از کم اس کا دل رکھنے کی خاطر ہی اس کی نہ ہی مجرول کی تعریف کر دیتے۔ وہ دکھ سے سوچتے ہوئے اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گئی اور ایک ایک کٹی ٹیوچ کر پھینکتے گئی۔ انہوں نے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں البتہ جب

121 ❀ ۲۰۱۶



رنگوں میں ایک رنگ تری سادگی کا رنگ
ایسی ہوا چلی کہ وہ رنگت نہیں رہی

باتوں میں ایک بات، تری چاہت کی بات
اور اب یہ اتفاق کہ چاہت نہیں رہی

جملہ ساعت میں اترا اس نے نظریں اٹھا کر ان کے سیاہ
چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ جوں کا جگ رکھ رہی تھیں، منتظر تھی
کہ وہ بیٹھیں تو ناشتا شروع کرے۔ زوار تو پورا پورا انصاف
کر رہا تھا پودہ کمرے کی طرف مڑ گئی تھیں۔
”نہیں.....“ اس نے اسے مخاطب کیا۔

”امی کمرے میں جا رہی ہیں ناشتا نہیں کریں گی
کیا؟“ اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ براہ راست ان سے
پوچھے اس لیے زوار کا سہارا لیا اس نے پکارا۔
”امی.....“ وہ جاتے جاتے بغیر مڑے دی تھیں۔
”آپ ناشتا نہیں کریں گی“ کمرے میں کیوں
جا رہی ہیں؟“

”میں کمرے میں کروں گی تم لوگ کرو آ رام سے ہنسی
خوشی۔“ ایک اور سہلا کر ذمہ لگانے والا جملہ ساعت سے
نکلایا۔ زوار نے اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھ کر
قدرے معاملے کو سننا لانا چاہا۔

”تم ناشتا کرو امی کی طبیعت جب نازل نہیں ہوتی تو وہ
کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیتیں ہیں تھوڑی دیر

اس گھر میں ذہن بن کے آئے اسے ہفتہ ہو چلا تھا
اب تو گھر کے اکاؤنٹ مہمان بھی رخصت ہو گئے تھے۔
بڑی نندرات کو کینیڈا کے لیے فلائی کر گئی تھی اور دونوں
چھوٹی نندیں بھی اپنے اپنے سرسرا اپنے تھے تحائف
بعد نیک خوشی خوشی سدا رہ چکی تھیں۔

گھر کی فضا میں سکون اور ٹھنڈاؤ آ چکا تھا اور اسے
قدرے بے رونق بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر گئی
تو ساس صاحبہ اپنی اولین روز کی سرد مہری سمیت طرح
طرح کے لوازمات ٹیبل پر لگا رہی تھیں۔ وہ سلام کر کے
زوار کے سامنے بیٹھ گئی جو پہلے سے ناشتے کی طلب میں
دہاں آ بیٹھا تھا، بھوک کا کچا تھا۔

”کتنا تکلف کر لیا آپ نے امی جان! ہم تین بندے
اتنا کچھ کہاں کھا پائیں گے۔“ اس نے نہاری کی ڈش
اپنے سامنے رکھی طرح طرح کی خوشبوئیں اس کی خوش
مذازی کو عروج تک پہنچا رہی تھیں۔

”ذہن تکلفات تو لازمی ہیں، یہوں کے لیے جتنا بھی
کر لو کم ہی ہوتا ہے۔“ بر فیئے لہجے سمیت بہت عجیب سا

نے گاڑی میں بیٹھے ہی کہا تو وہ حیران ہوئے۔ ”یہ خیال
کیوں آیا نہیں؟“
”پتا نہیں، لیکن آیا ضرور۔“ اس کی صاف گوئی پر وہ ذرا
ساکرے پھر گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔

”کوئی اپنی چیز کو بھی بھولتا ہے۔“ اور اس کے اندر باہر
یہاں وہاں ہر طرف دھنک رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔
کتنا ہمہ سائنظہ تھا گھر آنے تک وہ ان چند لفظوں کے
سحر میں گرفتار رہی تھی۔

”کہاں چلی گئی تھیں؟“ وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل
ہوئی آصف جاہ نے اسے دیکھ کر یوں پوچھا جیسے مسلسل
اسے کھوجتا رہا ہو۔

”اتفاق کے اس پار“ اس نے کھلتی ہوئی مسکراہٹ
کے ساتھ کہا تو پوچھنے لگا۔
”کس کے ساتھ؟“

”ظاہر ہے خان کے ساتھ اور ابھی وہ مجھے وہیں سے
لے کر آ رہے ہیں۔“ اس نے کہتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا
خان جنید آ رہے تھے۔ جیسے ہی قریب آئے آصف جاہ
انہیں سلام کر کے بولا۔

”انکل یہ آپ نے بہت اچھا کیا خاتون خانہ کو لے
آئے ان کے بنا گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔“
”ہوں۔“ خان جنید کی آواز صرف اس نے سنی اور ان
دونوں کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے خان جنید کے ہمہ سے اظہار نے
اسے جتنا سرشار کیا تھا اتنا ہی آصف جاہ کا بے ساختہ اور
بر ملا اظہار پریشان کر رہا تھا۔

”ان کے بنا گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔“
(جاری ہے)



سائنسی پھر کہنے لگی۔
”لانے لے جانے کا کوئی سلسلہ تو نہیں ہے۔ مطلب
میں خود ہی آتی جاتی ہوں پھر بھی اگر انہوں نے کہا تو چلی
جاؤں گی یا نہ جاؤں؟“
”نہیں ضرور جاؤ۔“ نشاء بے ساختہ کہہ گئی۔
”تم تو ابھی رموگی ناں؟“

”ہاں ابھی تو میں نے امی سے جی بھر کے باتیں بھی
نہیں کیں۔“

”ٹھیک ہے پھر میں جلدی آؤں گی۔“ دونوں
باتیں کرتی ہوئی گھر پہنچیں تو ثریا چاہے پر کافی اہتمام
کر چکی تھیں۔

”جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ میں چائے نکالتی
ہوں۔“ ثریا نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

”ابھی رک جائیں امی خال صاحب آ رہے ہیں۔“
صبا کہتے ہوئے سیدھی داش روم چلی گئی اور نشاء نے چمن کا
رخ کیا۔

”پھر خان جنید کے آنے پر ہی نشاء چائے لے کر
آئی تھی باقی لوازمات اس نے پہلے سے ہی ٹیبل پر
رکھ دیئے تھے۔

”خان یہ میری بہن ہے نشاء۔“ صبا نے اس کا
تعارف کر لیا۔

”السلام علیکم۔“ نشاء اب حیران نہیں مرعوب تھی۔
”آپ کہاں ہوئی ہیں؟“ خان جنید نے سلام کا
جواب سر کے اشارے سے دے کر پوچھا تو نشاء بے
اختیار بولی۔

”اپنے گھر۔“ انہوں نے مسکرا کر چائے کا کپ اٹھایا۔
پھر ثریا کا اصرار تھا کہ وہ رات کا کھانا کھا کر جائیں
لیکن انہوں نے سہولت سے منع کر دیا۔

چائے کے بعد کچھ دیر بیٹھے پھر صبا کو چلنے کا اشارہ کیا تو
اس نے ثریا سے اجازت لی اور نشاء سے پھر جلدی ملنے کا
کہہ کر ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

”میرا خیال تھا آپ مجھے بھول گئے ہوں گے۔“ صبا

بعد جب سیٹ ہوں گی تو خود ناشتا کر لیں گی۔“

یہی کچھ اور تھا۔

”زوار..... وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں امی کے چہرے پر مسکراہٹ کی ایک رتق بھی نہیں دیکھی۔ پتا نہیں کیا بات ہے حالانکہ انہوں نے ہی مجھے پسند کیا تھا کوئی ہماری تو لیمبرج بھی نہیں جس کا انہوں نے اثر لے لیا ہو۔“

”ارے تم بھی نا معاملے کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔“ وہ ہنسا۔ ”بھئی بڑا بھلا اور پیاری مزاج کو ایسے ہی تباہ و برباد کر دیتے ہیں امی کئی سالوں سے شوگر اور بلڈ پریشر میں مبتلا ہیں دونوں کی کمی بیشی ان کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا کر دیتی ہے۔ تم سمجھنا سیکھو انہیں آہستہ آہستہ ان کے موڈ کی عادی ہو جاؤ گی تم۔“

”تمہیں پتا ہے میری ممی ایک حصے سے مفلوج ہیں اس کے باوجود ان کی ہمت اور قوت ارادی انہیں مسکراہٹ عطا کرتی ہے اور بے وقاحت شاہوکارنے کی بھی کوشش کرتی ہیں خواہ کسی کو سمجھ میں آئے یا نہیں۔ مجھے نہیں لگتا امی کی خوش مزاجی صحت مند کی مرہون منت ہے۔“

”اف اوہ..... تمہاری بحث میں یہ اثرڈوں کا حلوہ اور نہاری بخ بستہ ہوئے جارہے ہیں۔ تمہیں سوچنے سے کوئی نہیں روک سکتا مجھے تو آج سے آفس جو ان کرنا ہے اس لیے ڈٹ کر ناشتا کرنا ہے۔“ اس نے بھرپور اصرار کرنا شروع کیا۔

”اور ویسے بھی..... نئی ڈائن کو اپنے شوہر کے متعلق زیادہ سوچنا چاہیے نہ کہ ساس کو۔“ ذمہ داری جملے پر وہ نظریں جھکا گئی لیکن اندر کی الجھن سلجھ نہ سکی۔

ساس کا یہ رویہ اس کی سوچ کے برعکس نہ تھا یہ پتا تھا کہ ساس بھی ماں اور بہو بیٹی نہیں بن سکتی لیکن ابتدا میں ہی یہ پیچیدہ اطوار اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ شروع میں تو ساسوں کو بہوؤں پر شمار ہوتے دیکھا اور سنا تھا بعد میں کچھ بھی ہو لیکن ابتدائی زمانہ پر بہو کے لیے پیار بھرائی ہوتا ہے اور وہ بھی اس گھر کی اکلوتی بہو بن کر آئی تھی۔ کچھ اگلی معاملات اور رویے کی خواہش مندگی وہ پر یہاں تو معاملہ

ساس زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی بند رہتیں اور وہ کچن لاؤنج کمرے ڈرائنگ روم میں بولائی بولائی پھرتی۔ اتنی خاموشی کی عادت نہیں تھی دل چاہتا کوئی بات کرنے والا ہو اب یہاں اس کا گھر تھا وہ اس کے تمام معاملات میں بولنا چاہتی تھی سمجھنا چاہتی تھی۔ کچھ گھر کیلوا امور پر بے خلوص کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی پر وہ اس کے ساتھ بات ہی بہت کم کیا کرتی تھیں تو وہ اپنی خواہشات کیا بتاتی ابھی تک تو بچن کے امور سے انہوں نے اسے دور رکھا ہوا تھا۔ جب طرح طرح کی ڈشز کھانے کے نام ٹیبل پر رکھا کرتیں تو اسے عجیب طرح کی شرمندگی آن گھیرتی۔ ایک دن اس سے رہانہ گیا جب وہ گرم گرم چکن فرائیڈز اس کی ٹرے اس کے سامنے رکھ رہی تھیں۔

”امی..... آپ مجھے بھی کچھ کرنے دیا کریں بہت عجیب سا لگتا ہے جب آپ کو کنگ کرتی ہیں۔ میں آپ جیسا لذیز اور ذائقہ دار تو نہیں پکا سکتی لیکن آپ کی مدد تو کر ہی سکتی ہوں اس طرح مجھے بھی لگانا آ جائے گا آپ جیسا۔“ بہت مٹھاں بھرے لہجے میں وہ گویا ہوئی جواباً وہی عجیب سی الجھنی نظروں کا سامنا اسے کرنا پڑا جو اسے تذبذب سے ہمکنار کرتا ہوا اس کی ہمت توڑنے لگا۔

”آپ نے تو ابھی تک کچھ نہیں بھی ہاتھ نہیں ڈالایا ہے ایسا برتاؤ تو مہمانوں کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ میں اس گھر کی فرد ہوں۔“

”بہوئیں مہمان ہی ہوتی ہیں نہ سمجھا جا۔“ یہ تو بن جاتی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ میں اپنی حد میں رہوں۔“ انہیں سمجھنے میں وہ پوری آنکھیں وا کیے ان کے لہجے اور جملے کی چھین کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کہاں اس سے غلطی ہوئی تھی کچھ سمجھ میں نہ آتا جب ابتداء یہ اتنا سنگین ہے تو انتہا خدا جانے کیا ہوتا۔ لوگ تو بڑے سے بڑا قصور کر کے دندناتے ہیں وہ بغیر گناہ کے مصلوب ہو رہی تھی۔ یہ نہیں کہ پہلے کسی بھوکے تجرب کار یوں کا شکار وہ رہی ہوں جب وہ یہی جملی بہو تھی اور آخری بھی۔

کیا ان کی دونوں بیٹیاں بھی اسی سلوک کا شکار ہوں گی کیونکہ انہیں بھی تو کسی کی بہو ہونے کا شرف اصل ہے وہ سچ گھنٹ بھر کر رہ گئی۔

یہ نہیں کہ وہ اس کے کسی معاملات میں مداخلت کرتی تھیں وہ جو چاہتی پہنچتی کھاتی پیتی اپنی مرضی سے سوتی جاگتی جہاں چاہتی گھومتی پھرتی۔ بھی روایتی ساسوں کی طرح اس کے گھل پر ناقدانہ نگاہ انہوں نے نہیں ڈالی کوئی روک ٹوک نہیں کیا۔ یہ افعال بھی تو قابل تشویش تھے کہ وہ اعتراض کا حق رکھتے ہوئے بھی اجنبی بن جاتیں۔ زوار سے ذکر کرتی تو وہ خاموش ہو جاتا بھی ہنس کے ٹال دیتا۔

”ارے اچھا ہے نا کہ تم ان کی نکتہ چینیوں کا شکار نہیں ہوتیں ورنہ ساسیں تو اعتراضات سے مار مار کر زندہ کرتی ہیں اور زندہ کر کے ماری ہیں۔ بہوؤں کو۔“ اس نے خشکی سے لگا ہوں سے گھورا۔

یہ اطمینان بخش رویہ نہیں طوفان کا پیشہ خیمہ ہے جو اٹنے کا تو بہت کچھ تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ اس کا الٹ رویہ دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گیا۔ اس روز وہ چھوٹی منڈ کی شادی کا الم اٹھائے ساری تصاویر دیکھ رہی تھی زوار پاس ہی لیپ ٹاپ پر کوئی کام کر رہا تھا۔ اس کی دونوں منڈیں بہت خوب صورت تھیں کیئرڈ والی زیادہ خوش مزاج تھی اور چھوٹی کچھ دیو قسم کی کم کولڑی تھی۔ ایک سال قبل اس کی شادی ہوئی تھی اس لیے سسرال والوں کے مزاج کے مطابق چلتی اور نا جانا ڈراما ہی ہوتا۔ اچانک دہن کے ساتھ مسلسل ایک گریس فل خاتون کو دیکھ کر ٹھٹک گئی جب کلور تصویر پر نگاہ پڑی۔

”آپ نے بھی بتایا نہیں کہ آپ کی کوئی خالہ بھی ہیں۔“

”خالہ..... خالہ ہوں گی تو بتاؤں گا نا۔“ اس کی نگاہیں مسلسل کام پر مرکوز تھیں۔

”تو پھر یہ خوب صورت سی خاتون کون ہیں؟“ اس نے الجھ گئی۔ ”یہ امی کی ہم شکل کون ہیں پھر؟“

”تیرت ہے تم پر بھی۔“ وہ سر جھٹکتے ہوئے ہنسا۔ ”بھئی

یہ امی ہی ہیں شکر ہے ان کے سامنے اس قسم کے محرکتہ لا خیالات کا اظہار تم نے نہیں کیا ورنہ وہ جانے کیا سوچیں گی؟“ اس نے آنکھیں نکالیں۔

”ہاں یہ بات تو آپ نے سچ کہی ان کی سوچوں پر تو کسی کا پیرا نہیں جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہیں۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے کہ ایک سال پہلے اور اب والی امی میں بہت فرق ہے اور تم خود غور کرو کہاں یہ خوشی لباسی آرائش چہرے کی تازگی اور کہاں اب بنجیدہ اور سپاٹ چہرے والی خاتون لگ رہا ہے ایک سال بعد کی نہیں دس پندرہ سال آگے کی ہیں امی جان کی حالت اور تو اور ہماری شادی پر بھی کیسے روکھے پھیکے انداز میں انہوں نے شرکت کی ہے جیسے بیٹی دواغ کر رہی ہو۔ بیٹے کا سہرا نہیں سجا رہیں۔“ عجیب تذبذب والی پوچھن تھی۔

وہ اس اسرار کو کھولنا چاہتی تھی کہ بیٹے کی شادی کے بعد انہوں نے پڑمردگی کی چادر کیوں اوڑھ لی؟ مائیں تو بیٹوں کے سر پر سہرا دیکھنے کی تھنسی ہوتی ہیں۔ ہزار رمان ان کے بیٹے سے وابستہ ہوتے ہیں یہ کسی ماں تھیں جنہیں اس شادی سے کوئی خوشی نہیں لی۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ پوشی ہو رہی تھی خود سے ان کی ناپسندیدگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ کون سا زوار کی پسند بھی ایک جاننے والی نے یہ رشتہ کرایا تھا۔ امی جب اسے دیکھنے آئیں بھی تو بہت بنجیدہ اور کم کوگی تھیں۔ وہ بھی یہ ان کے مزاج کا عنصر ہے لیکن نہیں وہ تبدیل ہوئی تھیں بغیر اس سے کسی لڑائی جھگڑے اور بحث و مباحثہ کے وہ لیے دیئے انداز میں رہنے لگی تھیں۔

ایک دن ساتھ والی آٹنی ان سے ملنے آئیں وہ انہیں چائے وغیرہ دے کر دوبارہ بچن میں آگئی تھی اب کچھ نہ کچھ کام زبردستی وہ سر انجام دیا کرتی تھی جس پر ان کی پیشانی پر کچھ مل ضرور پڑ جاتے لیکن زبان سے کچھ نہ کہا کرتیں یہ بھی غنیمت تھا اس کے لیے۔ ایک بار اتفاقاً ڈرائنگ روم کی طرف آئی تو عجیب ہی منظر دیکھا وہ آٹنی

چشمہ کھنوں سے ہٹا کر اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں اور امی خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے دوبارہ چشمہ کھنوں پر جمالیا، مبادا ان کی بیگنی ہوئی آنکھیں وہ دیکھ لے پرانی اسے دیکھ نہ پائیں اسی لیے اپنی رو میں بولنے لگیں۔

”آپ کو کس نے کہا تھا بھو جیسی چیز سے توقعات وابستہ کرنے کو بہوں تو وہ سپر پاور ہوتی ہیں جو خون جگر سے پروان چڑھائے بیٹے کو بل بھر میں چھین کر فتح کا جشن منائی ہیں اور سارا الزام بھی ماؤں پر ڈال دیتی ہیں۔“ اس کا وجود سنائے میں آگیا، پلک جھپکتے ہی وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی کہ دیدہ دلیری سے ان کی باتیں نہیں سن سکتی تھی۔

”میں نے سوچا بھانجی ہے گھر کو گھر سمجھی گی۔ مجھے بھی بڑھاپے کا آسرا مل جائے گا، بہن کی بیٹی سے اس لیے پورے ارمان کے ساتھ اسے بیاہ کر لائی لیکن وہ باقی دونوں بہوؤں کے ساتھ مل کر محاذ کھڑا کر رہی ہے۔ میرے مرحوم شوہر کی آخری نشانی یہ گھر بچ کر تینوں بیٹے اپنا حق مانگ رہے ہیں یہ بھی نہیں سوچ رہے ہیں کس کواری بیٹی کو لے کر کہاں در در کی ٹھوکریں کھاتی رہوں گی اور ابھی سے یہ حال ہے کل کو مجھے کسی نے برداشت نہیں کیا تو کہاں جاؤں گی؟“

”بہی والیہ ہے بیٹوں کی ماؤں کا کہ بہوؤں سے کچھ زیادہ ہی توقعات لگانے ہوتی ہیں۔ بھانجی، بھتیجیوں کو بیاہ کر لائی ہیں کہ ان کی طرح گھر دار بن کر رہیں گی خاندانی لڑکیاں پر بہو بہو حال میں بہو ہی بن جاتی ہے بھانجی اور بھتیجیوں جیسے رشتے کی پاسداری کیے بنا۔“

انتاز ہر اس رشتے کے خلاف ان کے دل میں بھرا ہوا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اب ساس بہو کا رشتہ ماں بیٹی والا نہیں رہا تھا بلکہ شاید کبھی نہیں رہا ہوگا لیکن ہر روز میں اس خوب صورت رشتے کو نبھانے والی ساس اور اس رشتے کو عزت و وقار بخشنے والی بہو کہیں نہ کہیں ضرور ہے پھر امی کے دل میں اس رشتے کے خلاف اتنی گہری کائی کیوں جمی ہوئی تھی۔

کیوں اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی وہ عمر رسیدہ عورتوں کی طرح اپنے آپ کو آرام بے زار تصور کرنے لگی تھیں۔ اپنی ذات کے خول میں انہوں نے خود کو کیوں بند کر لیا تھا؟ کیا انہوں نے اسے ان بہوؤں کی طرح سمجھ لیا تھا جو آتے ہی بیٹے اور اس کے گھر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اپنے متعلق منفی سوچ بھی تو غلطی ان کی۔ مجھے سمجھنے کے بجائے ساری برائیاں میری ذات سے منسوب کر لیں۔ یہ بھی اچھی رہی تھی اسے اس کا دل بھر گیا۔ یہی غلط خیالات غلط روش کو جنم نہ دے دیں باغیانہ خیالات دماغ میں کلہاڑی لگے۔ میری ذات کی نفی کر کے اپنے آپ کو مظلوم سمجھ رہی ہیں جو میں ہوں نہیں وہ مجھے سمجھ رہی ہیں۔ ساری رات انہی خیالات کی پورش میں گزر گئی۔



”زوار بیٹا گھر کا کام کہاں تک پہنچا؟ تم ذرا آفس سے ہٹ کے اس مسئلے میں بھی دلچسپی لو۔ میں تو بھاگ دوڑ کر نہیں سکتی۔“ اس رات انہوں نے معمول سے ہٹ کے اپنے بیٹے سے کوئی بات کی۔

”میں روز آفس جاتے ہوئے اور واپسی پر چکر لگاتا ہوں جہاں ہدایات کی ضرورت ہوتی ہیں وہ دے دیتا ہوں۔ آپ فکر مت کریں ویسے بھی گھر اب اختتامی مراحل میں ہے مزید کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو چھٹی والے روز لے آؤں گا۔“

”ہاں میں بھی یہی چاہتی ہوں جتنی جلد ممکن ہو رہی گو روغن بھی ہو جائے تاکہ اسے تمہارے سپرد کر کے خود پرسکون ہو جاؤں۔“ یہ تھا گفتگو کا لب لباب جس موضوع کو معمول سے ہٹ کے وہ بھی سمجھی وہ اس کی غلط فہمی تھی۔

”کیا بات کر رہی ہیں آپ بھی امی! پہلے بھی میں نے آپ کو کہا ہے کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا پھر بھی آپ کی وہی ضد ہے پلیز ایسی باتیں مت کریں۔“

”لفظیوں کے سہارے زندگی گزر جاتی تو انسان رشتوں کا محتاج بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو شکر ہے خدا کا میں انسان کی احتیاجات وقت سے پہلے جان گئی ہوں جو کام

کل لڑ جھگڑ کر ہوتا ہے وہ عزت و آبرو کے ساتھ آج کیوں نہ ہو جائے۔“

”کون لڑ رہا ہے امی! چار مہینے تو ہو گئے ہیں ہمیں ساتھ رہتے ہوئے ابھی تک آپ مجھے سمجھ نہیں پائی ہیں۔“ اب اس سے رہانہ گیا۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہی اپنے بیٹے سے کر رہی ہوں۔ تم میرا اختیار کیا ہے جو کچھ کہوں گی۔“

”ہاں تو جس پر اختیار ہے اسی کو کیوں اپنے اختیارات سے بے دخل کر رہی ہیں سارے فیصلے آپ خود سنائی ہیں ساری باتیں خود سے اخذ کرتی ہیں سامنے والے کے احساسات اور خیالات کی پروا کئے بغیر۔“

”زوار.....“ وہ خلاف معمول زور سے چلائی تھیں۔

”اے کوہ ہمارے معاملات میں نہ بولے۔“

”میں اسی گھر کی فرد ہوں اور ہر اس مسئلے میں بولنے کا حق رکھتی ہوں جو میری ذات سے وابستہ ہے جس گھر میں آپ بھی جینا چاہ رہی ہیں کیا صرف زوار جائیں گے میں نہیں جاؤں گی تو یہ مجھے سے متعلق بات ہوئی کہ نہیں؟“ وہ اپنے مزاج اور تربیت کے خلاف خود بھی چلا اٹھی۔ اب برداشت سے باہر ہو چلی تھی ان کی غلط فہمیاں.....

”چلاؤ مت..... تمہیں جانا ہی ہے آج نہیں تو کل بھر کیوں نہ میں آج ہی اپنے بیٹے سے دستبردار ہو جاؤں اسی میں میری ناموس کی بقا ہے۔ اس عمر میں اپنی عزت کو سرعام رسوا کرنے سے بہتر ہے عزت و احترام کے ساتھ ہم الگ ہو جائیں ورنہ کل کو خود چھوٹی چھوٹی باتوں کو اورانی کا پہاڑ بنا کر تم اپنے شوہر کے آگے پیش کرو گی اور میں بدنام ہوں گی میں یہ نہیں چاہتی۔“

”دیکھی آپ نے ان کے اندر کی بھڑاس وہ نظر یہ پیش کر رہی ہیں میرے متعلق جو میں نے سوچا بھی نہیں۔“

استغنی غلط خیالات میرے متعلق رکھیں گی تو میں اس گھر میں ”صحیح“ بن کر کیسے رہوں گی۔ میری محبت اور خلوص تو بدگمانی کے سامنے کبھی سیدہ سپر نہیں ہو سکیں گی۔ اس کی آنکھیں بھرا آئیں، اول روز سے آج تک ساس کی

بداعتمادی کا ہی سامنا کیا تھا پیار نہیں۔

”کول..... امی کسی بڑی نیت کے تحت یہ سب باتیں نہیں کہہ رہی تم سمجھنے کی کوشش کرو۔“ اب زوار آگے بڑھا امی کا دل بھی کچھ پیچھا تھا لیکن خود کو اس کے آنسوؤں کے گے کزور کرنے کا مقصد بنا کر بروی تھی۔

”مجھے عزت کی ضرورت ہے محبت اور خلوص سے زیادہ بہت محنت سے اپنے آبرو کی حفاظت کی ہے۔ دو بیٹیوں کی شادی کی ہے آج تک میری اور بیٹیوں کی آوازیں چار دیواری سے بلند نہیں ہوئی ہیں اور اب بھی میں لڑائی جھگڑوں سے اپنے سر پر خاک نہیں ڈلوانا چاہتی اور کسی بڑی نیت سے بھی تمہیں الگ نہیں کر رہی۔ بیٹا عزت سے اپنے گھر میں آباد کر رہی ہوں۔ پہلی بار اپنے لیے بیٹا کا لفظ ان کی زبان سے سنا تھا۔“

”یہ میرا ہی گھر ہے من لیں غور سے کہ میں اس گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی۔“ نہایت مضبوطی سے ادا ہوئے جملے کے گے دلہز گئیں۔

”ٹھیک ہے پھر میں اس گھر سے چلی جاؤں گی تم لوگ یہیں آباد رہو۔“ وہ بھی اپنے نام کی ایک تھیں اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ اپنے کمرے میں مقید ہو چکی تھیں۔ اس نے آنسوؤں سے بھری نگاہوں سے زوار کو دیکھا جس میں حد درجہ غصہ بھی شامل تھا وہ بے جا رگی سے اسے دیکھتا رہا گیا۔

وہ آنسو پونچھتی پیر پونچھتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ کمرے میں اس رات زوار نے منانے کے لیے ہاتھ بڑھائے اس نے جھٹک دیئے کسی نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔

”اتنا ناراض نہیں ہوتے کون سا ہم جا رہے ہیں اس گھر میں امی کو جو بولنا ہے انہیں بولنے دیا کرو تم ٹینشن مت لو۔“

”حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جا رہے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں ٹینشن نہ لیں۔ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں آپ زوار کہ ماحول کی ٹھیکر کا اثر ہی نہیں ہوتا آپ پر جو بہو خود مختار نہ زندگی گزارنا چاہتی ہیں انہیں تو ساسیں

اپنے دباؤ میں رکھتی ہیں اور جو یہ آزادی نہیں چاہتی اسے یہ نکالنا چاہتی ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی انہیں مجھ سے کس بات کی چڑ ہے؟ کس بات کا خطرہ ہے میرے وجود سے جو ایسا کر رہی ہیں؟“ جولیا ایک سکوت ساز دار کے چہرے پر چھا گیا تھا جیسے کسی گہرے راز سے خود کو آزاد کرنا چاہتا ہو۔

”اب وہ کہہ رہی ہیں کہ ہم لوگ نہیں جاتیں گے تو وہ خود چلی جائیں گی۔ زندہ گیوں کا تماشا تو وہ خود بنانا چاہ رہی ہیں اور اندیشوں میں مبتلا ہیں۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”کوئل! امی کا ڈر ہے جائیں ہے۔“ زواری کی آواز جیسے کسی گہرے کنوئیں سے آئی۔ ”ان کے خدشات بے بنیاد نہیں اسی لیے تو میں خاموش رہتا ہوں تاکہ ان کے دل کی بھڑاس نہ لگتی رہے۔“

”یعنی..... میں ان کے لائینی و سوسوں پر پورا اتروں گی جو الزامات وہ مجھ سے لاگو کر رہی ہیں میں وہ سچ کر دکھاؤں گی وہ زوارا خوب کہی آپ نے بھی۔“ بے یقین ہوتے ہوئے وہ استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

”نہیں تم سے چڑ نہیں لفظ بہوار بھائی سے چڑ ہے شاید ان کے سابقہ حالات سن کر ان کے موجودہ حالات سے تمہیں ہمدردی محسوس ہو۔ تم اپنی ماں سمجھ کر ان کی نفسیات کو سمجھ سکو۔“ زواری کی آواز میں پراسرار سا رد آتا تھا۔

☆☆☆☆

”راہیلہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں بھائیوں کے لاڈ پیار میں پلی بڑھیں۔ ماں باپ کے ساتھ یہ تینوں بہن بھائی بہت آسودہ زندگی گزار رہے تھے باجی کا انتقال ہوا تو زندگی جہاں غم و اندوہ میں ڈوب گئی وہاں دونوں بھائیوں نے بخوشی گھر کی ذمہ داری اٹھالی۔ ماں کے دل کو تھوڑا آسرا ملا اب یہی تین بیٹے ان کی کل کائنات تھے۔ زندگی کی گاڑی دوبارہ گاڑن مفر ہوئی۔ راہیلہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھیں ماں جی نے یہی سوچا کہ پہلے ایک بہو گھر سنبھالنے آجائے تو راہیلہ کے ہاتھ بھی پیلے کرویں گے اس لیے دل میں ہزار اماں سیٹے دونوں ماں بیٹی نے اریہ جیسی خوب صورت لڑکی کو گھر کی زینت بنا دیا۔ اس قدر دل

میں خوشی اور سرشاری تھی بس نہیں چلتا کہ اسے کہاں اٹھائیں اور بٹھائیں۔

دو مہینے گزر گئے تھے لیکن دونوں نے ابھی تک اسے قہقہے کا چھالہ بنا کر رکھا تھا۔ دونوں اس طرح اس کے اشارے کی منتظر رہتیں جیسے کسی اعلیٰ پائے کی ہستی کی حکم عدولی نہ ہو جائے۔ انہی نوازشات کی چھاؤں میں اریہ کیا ان لوگوں سے عاجزی و الفت کا رویہ روا رکھتی اس نے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ شوہر کا ساتھ اور ساس ہند کے پیار کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگی۔ دن بھر تو اپنے اشارے پر دونوں ماں بیٹی کو نجائی جب عنایت گھر آتا تو گھونٹنے پھر نے یا میکے نکل جاتی۔ دونوں اسے بھی اپنائیت ہی سمجھتیں اور بخوشی اس کے بازو خیرے اٹھاتیں گھر کی کل ذمہ داری ابھی بھی ان کے ہی سر تھی۔

سال ہونے کو آیا حق حقوق اور ناز برداری کے لیے وہ اپنا گھر کبھی بفرغراض کی ادائیگی کے لیے گھر کے لوگوں کے لیے نیے کی اور کم عمر بہو بن جاتی۔ ماں جی کو اب راہیلہ کی فکر ستانے لگی اس کے لیے عنایت اور اریہ کے سامنے بھی اپنی فکر مندی کا اظہار کیا جس پر عنایت نے حیرت کا اظہار بھی کیا۔

”ابھی راہیلہ کی عمر یہ کیا ہے ابھی تو اس کے پٹنے کھیلنے کے دن ہیں جسے آپ ذمہ داریوں کی نذر کرنا چاہ رہی ہیں۔“ لہجے میں محبت چھلی ہوئی تھی۔ ماں جی کا حوصلہ بڑھا بیٹے کی اپنائیت پاکر۔

”یہی عمر ہوئی ہے بیٹی کو اپنے گھر مارا کر دینے کی بیٹا ورنہ اچھے رشتہ ملنا مشکل ہو جاتے ہیں۔ ابھی جتنے رشتے آ رہے ہیں سب کے سب قابل بیان ہیں بس تم جانچنا پرکھنا شروع کر دو۔“

”ماں جی ہماری راہیلہ میں کسی بات کی کمی نہیں دو چار سال بعد بھی اس کی عمر نکلے گی نہیں اور اچھے سے اچھا رشتہ ملے گا۔ سترہ سال کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے آپ پلیر فکر مند ہونا چھوڑ دیں ابھی اسے زندگی انجوائے کرنے دیں۔“

”تم ماں کی فکر مندی نہیں سمجھو گے باپ بنو گے تب

سمجھ آئے گی۔“ وہ مسکرایا اس عہدے پر فائز ہونے کے دن جو قریب آ رہے تھے۔ ماں جی دل میں لاکھ شکر بجا لائیں کہ ابھی بھی بیٹے کے دل سے بہن کی محبت کم نہیں ہوئی ہے۔ یہ خوشی اور بیروان چڑھتی اگر وہ رات کو بچپن میں آتے ہوئے بیٹا بہو کی گفتگو نہ سن لیتیں۔ وہ راہیلہ کا نام سننے ہی دروازے پر ہی ٹھٹھک گئی تھیں جب اریہ نہایت نہ ہر خند لہجے میں مخاطب تھی۔

”آپ زیادہ چاؤ جو نچلے مت دکھائیں ماں جی جن رشتوں کا ذکر کر رہی ہیں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے جان چڑھائیں اس ذمہ داری سے دور نہ عمر گزرتی گئی یا خدا نخواستہ..... ماں جی کو یہی کچھ ہو گیا میرا مطلب ہے حیات موت کا کوئی ٹھکانہ توڑی ہے تو بہن کی فکر میں دن رات اکیلے آپ ہی کو گھلاتا رہے گا۔“

یہ وہ بہو تھی جسے آج بھی وہ یا راہیلہ رات کو دودھ کمرے میں پھینچا کرتی تھیں اور جب ناشتا کھانا دتر خوان پر لگا دیتیں تب اسے آواز دیا کرتی تھیں۔ آج کن الفاظ میں وہ ان کا ذکر کر رہی تھی انہوں نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ خیال تھا کہ اب عنایت غصے کا اظہار بیوی کرے گا لیکن امید نامیدی میں بدل گئی حوصلے شکستہ ہو گئے جب انہوں نے یہ جملے سنے تھے وہ کہہ رہا تھا اور ان کی رگ و پے میں جیسے نہر اتر رہا تھا۔

”کیوں..... اپنی آزادی بڑی لگ رہی ہے کیا ارے پاگل دو چار سال آرام کر لے اسی بہانے ابھی ہماری اولاد ہوگی ان اوقات میں کیا ان لوگوں کی خدمت گزاری کی ضرورت نہیں ہوگی تمہیں۔ تم جی بھر کے آرام کرنا یہ لوگ اسے پوتے پوتی کو پالیں گی تین چار سال بعد ہم اپنی پہلی بھی مکمل کر لیں گے۔“ دونوں کی دھیمی ہنسی کی آواز نے انہیں اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

اتنی جلدی بیٹا بیوی کی زلفوں کا اسپر ہو گیا تھا۔ برسوں کی ریاضت ایک سال میں مفقود ہوئی تھی اب بھی تو کسی کی ساعری اجارہ داری۔ اپنے کمرے تک آتے آتے ان کے قدم کن من بھر کے ہو رہے تھے۔ دل کی دھڑکن ایسی بڑھی

تھی کہ ہاتھ پاؤں میں لرزا ہٹ طاری ہو گئی تھی۔ سوئی ہوئی راہیلہ پر رحم بھری نظر ڈالی جس کا بھائی بھائی کرتے منہ نہ سونکتا تھا۔ دونوں بیٹوں اور بہو کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک سال کے اندر انہوں نے شوہر کی جمع پونجی سے راہیلہ کو بیاہ ڈالا۔ منہ سے کچھ نہ کہیں لیکن زمانے کی بدلتی روش سے چونکا ضرور ہو گئی تھیں۔ اسی عرصہ میں اریہ کا گھناؤنا روپ کھل کر سامنے آچکا تھا جس کی خبر راہیلہ کو بھی ہو چکی تھی۔ دل میں کمزور پڑتی ماں کی فکر مندی کا احساس لیے وہ رخصت ہوئی تھی اس لیے ہنسنے دین میں ماں کو دیکھنے میکے جاتی جن پر اب بہو کی حکمرانی تھی نہ ان کی دوا کی فکر کسی کو رہتی نہ غذا کی کھانے کا تاہم ہونے پر بھی وہ کئی کئی گھنٹے بھوک پیٹھی پوتے پوتی کو کھلائی دیتیں کیونکہ بہو نے کچن کی ذمہ داری جو سنبھال لی تھی۔

شفقت نے پسند سے شادی کر لی تھی وہ اس کے ساتھ آفس میں کام کرنے والی مین موبی لڑکی تھی اس کی رائے پورے گھر والوں سے الگ ہوتی کسی کی ذات سے اسے قطعی کوئی دلچسپی نہیں تھی بس اپنا آپ ہر سونظر آتا۔ اصل معنوں میں وہ ایک اڑنی تھی جی جس کے بس رنگ ہی دیکھ کر شفقت مدہوش رہتا۔

ماں جی کی طبیعت آہستہ آہستہ گرتی ہی چلی جا رہی تھی بوشل خود کو گھسیٹ کر اپنے لیے کھانا نکال پاتیں۔ دونوں بہو میں اس قدر بے پروائی اور بے زاری کا اظہار کرتیں جیسے وہ کوئے میں پڑی کوئی فالتو چیز ہوں۔ دوائی ختم ہوتی تو کئی کئی دن گزر جاتے ڈرنی سہتی بھی بیٹے سے بولیں تو بیٹے سے پہلے بہو بول پڑتی۔

”دوا کو دوا کی طرح کھایا کریں کھانے کی طرح نہیں تھوڑا پیاری کو برداشت بھی کرنے کی عادت ڈالیں یہ کیا ذرا سا درد اٹھا گولی منہ میں ڈرا سی تکلیف ہوئی میڈیکل اسٹور دوڑ گئے۔ آخر اتنی جلدی دوائی ختم کیسے ہو جاتی ہے۔“

”ماں جی تنخواہ ملنے ہی لا دوں گا ابھی مہینہ آخر ہو گیا ہے ہاتھ ذرا تنگ پڑ رہا ہے۔“

ایک دن قبل ہی سات سالیوں بدمعہ شوہر کے پورے
مکے کی ضیافت کرنے میں ہاتھ تنگ نہیں پڑا تھا۔ بیوی کی
بیٹی کے عقیدے کے فنکشن میں سوئے کالا کٹ سیٹ پیکی کو
چڑھانے میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہوئی تھی۔ بس دل کی
مریضہ ماں کی دوائی فضول خرچی میں شمار ہو رہی تھی وہ بے
بسی سے دیکھتی رہ گئیں۔ کسی نے صحیح کہا تھا ”شوہر کا راج
مہاراج“ ہوتا ہے۔ راجیلہ آئی تو ان کا بہت کچھ کام
کرجانی، سخت مزاج شوہر کے ہونے کے باوجود اپنے
خرج میں سے ماں کی دوائ لاتی۔ کبھی فروش یہ بھی دونوں
بہوؤں کو بہت کھلتا۔

”نہہہہ..... ہمدردی تو ایسے جتنا ہے جیسے ہم دشمن
ہوں۔ زیادہ ہی ہمدردی ہے تو اپنے پاس کیوں نہیں رکھ
لیتیں۔ دن بے دن مصیبت بنتی جا رہی ہیں ذرا سی بیماری کی
آڑ لے کر شوہر کا حکم ہے اس حالت میں انہیں چھوڑ کر
کہیں آؤ جاؤ نہیں نہہہہہ..... بھنسن کر رہی ہے زندگی عجیب
مصیبت میں۔“ بھنجنلا تیں ایسے جیسے شوہر کی بہت فرماں
بردار بیوی ہوں۔ عجیب روپ تھے، عجیب تماشا تھے۔

جس نے ایک سال تک میں بھائی کی مہندی بھی ہلکی
نہ پڑنے دی تھی اسے وہ آج کن نظروں سے دیکھ رہی تھیں
اور کن جلوں سے پذیرائی کر رہی تھیں وہ بس ہونٹ چل کر
رہ جاتی۔ بھائی کی نظریں بدل گئی تھیں چاہت اور والہانہ
پن اب کسی اور کے اٹائے تھے بہت ڈر لگنے لگا تھا اس
روپ سے اسے۔ ستم ظریفی کچھ اور یوں ہوئی کہ ماں جی
کا آدھا دھرم مغلوب ہو گیا ان پر جو قیامت ٹوٹی تھی ٹوٹی ہی
دونوں بہوؤں پر ان سے زیادہ عذاب مسلط ہو گیا۔ اب تو
وہ ہر کام کے لیے ان کی راہ ہنسی، ریشیں بول بھی نہیں سکتی
تھیں بس غلوں غاں یا ایک ہاتھ کے اشارے سے اپنی
احتیاجات بیان کرتیں جو بس اوقات پوری ہوتیں، وہ بھی
بیٹے عنایت کی عنایت سے ورنہ بیٹی کی بیٹی رہ جاتیں۔

بڑے بڑے زخم بھر جاتے ہیں التفات کے پھاہے
لیکن یہ وہ زخم تھا جو اپنا منہ کھولتا ہی چلا جا رہا تھا۔ محبت
جو نہیں تھی اب تو ناسور بن گیا تھا اندرونی اور ظاہری بھی

بہوؤں رات دن انتظار میں رہتیں کہ کب ان کا آخری
وقت آئے کہ پورے گھر پر ان کی ملکیت قائم ہو اور ان
سے جان چھوٹے۔ کوئی خدمت نہ کر کے بھی بہت عاجز
رہیں ان کے گندے وجود سے۔

پوتے پوتیوں کو ان کے کمرے میں داخل ہونے کی
اجازت نہیں تھی جراثیم کے حملے کا خطرہ جو تھا لیکن ان کے
وجود کو غلاظت کا پوٹ کس نے بنایا تھا وہ یہ سوچنے سے
قاصر تھیں۔ خدا نے دلوں پر مہر جو لگا دی تھی۔ بہو اور بھائی
کے اس روپ سے وہ اس قدر شکار ہو گئی تھی کہ بیٹا ہونے
کی دعا نہ مانگی۔ خدا نے جب جب اسے ماں بننے کی لوہ
سنائی وہ یہی دعا کرتی کہ ”اللہ رحمت دینا“ اپنی عزت بیٹی
کے ہاتھ میں محفوظ تھی۔

لیکن تین بچوں میں سے ایک بیٹا خدا نے نواز ہی دیا
یہی سمجھ کر قبول کیا کہ شادی ہونے تک اس کے وجود
خیالات اور مرضی پر حکمرانی ہے اس کے بعد بیٹا صرف
ایک شوہر بن جاتا ہے کسی کا ماں کے سارے اختیارات
شادی ہونے تک بھیا رڈال دیتے ہیں۔ اس بار خنجر زوار
کی طبیعت کی خرابی کے باعث کچھ زیادہ ہی دن گزر گئے
تھے۔ دل بہت پریشان رہتا تھا ماں جی کی حالت کی
طرف سے جوں ہی اس کی طبیعت بہتر ہوتی وہ ان کی
طرف نکل آتی۔

خبر کیا تھی اس کے قدم کی راہ تک رہے تھے حالات
دور سے ہی اپنے گیٹ پر پہاؤہ منظر دیکھا کہ دل شق ہو گیا
تھا۔ بس یہی ایک خیال ذہن میں پچا تھا کہ اگر آج بھی وہ
یہاں نہ آئی تو ماں جی کا حال کیا ہوتا؟ یہ بیٹوں کا کام کا نام
تھا دونوں اپنے اپنے حصے کی روزی کمانے نکلے ہوئے تھے
بس ایک بوڑھی، مغلوبہ عورت کے حق پر ہی شب خون مارا
گیا تھا اور لیرے کوئی اور نہیں اس کے اپنے جگر کے ٹکڑے
تھے۔ اسی لیے آج اس کے دل کی کچھ عجیب ہی حالت
ہوئی کہ وہ ان کی طرف نکل آئی تھی۔ ماں جی ڈبل چیمبر
سمیت گیٹ کے باہر لوہکی پڑی تھیں، کیلی ہونے کی وجہ
سے مٹی میں بھی لٹ پت ہو گئی تھیں۔ بے بسی لا چارگی اور

حقین القہس کا یہ منظر شاید پہلے کبھی نہ اس نے دیکھا ہو۔
ارہیہ ان پر برس رہی تھی اور دوسری بہو سارا تماشا اور ریشیں
پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے لگا تارا نسو بہہ
رہے تھے وہ دوڑ کر پاس آئی تھی۔

”کیا ہوا..... کیسے کریں ماں جی.....“ انہیں اٹھاتے
ہوئے اس کی چیخ نکل گئی۔

”لو آئیں ایک اور دکھاوے کی ہمدرد ساری گندگی
بھگتنے کو ہم رہ گئے ہیں اور یہ بی بی آکر ٹپلی کے دو بول بول
کر ہمدردی ہونے کا شرف حاصل کر لیتی ہیں۔“

”ماں جی انہیں..... تھوڑی سی ہمت پاندھیں۔“ وہ
ارہیہ کی باتوں سے قطع نظر اس بات کی فکر میں تھی کہ انہیں
جلدی سے اٹھالے اس سے پہلے کہ دنیا والوں کی نظر میں
تماشا بنے۔

انہیں کسی طرح سمیٹ کر وہ اندر لانے میں کامیاب
ہوئی، حوصلے نہ سمیٹ سکی، امیدیں اور توقعات تو دھوکا
محسوس ہوئے ہی تھے اب رشتوں کی صداقت بھی دم توڑ
گئی تھی۔ ان کی حالت اترتی ہی ان کے گندے وجود کو
صاف کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ انہیں نیم گرم پانی
سے نہلا کر صاف تھرا کیا اور ٹیکسی منگوائی۔ اب کسی سے
اجازت لینے کی اسے ضرورت ہی نہیں تھی ان کے گندے
وجود سے زیادہ لفظ بہو سے غلاظت محسوس ہوئی تھی۔ ان
کے سارے کپڑے دوائیاں اور دیگر ضروریات کی چیزیں
ٹیکسی، ٹیکسی میں بٹھایا اور بیٹا اور شوہر دونوں نکل آئیں۔
”کہاں لے کر جا رہی ہو اپنے بھائی سے پوچھ لیتیں
بی بی!“ زہر خند لہجے میں اس نے اپنا حق بتایا اب چپ
رہنے کا نام اس کا بھی نہیں تھا۔

”سارے رشتوں کی موت ہو چکی ہے کون سا بھائی
کون سا بیٹا..... بس اب خدا کے فیصلے کا انتظار ہے جب
آپ بھی پڑے گندے کریں گی اور ہو گیٹ سے باہر
آپ کو پھینک دے گی۔“ آنسو رخسار کو بھگو گئے۔

”اے لویہ تو بد دعا دے رہی ہے ڈائن کی طرح.....
میں نے نہیں پھینکا تھا یہ خود گیٹ تک آئی تھیں کہ ڈیل

چیمبر سلب ہو گئی۔ اپنے کارنامے پر پردہ ڈالنے کے
لیے.....“ وہ اور بھی بہت کچھ کہتی رہیں چلا چلا کر اپنی صفائی
دیتی رہیں اس نے ڈرائیو کو چلنے کا اشارہ کر دیا۔

ماں جی اس کے کندھے پر سر رکھ کر بے آواز روتی
رہیں اور وہ خود بھی آنسوؤں کی بارش میں بھیکتی رہی تھی۔
اعتزاز کے آگے سارا باجرا رکھا ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ اس کی
اپنی ماں بھی حیات ہوتیں تو وہ اس طرح خدمت کرتی اس
کا دل بھی سچ گیا خوشی اپنے ساتھ انہیں رہنے کی اجازت
دے دی۔

اتنے دن کی خاموش ریاضت کا صلہ اسے مل گیا کہ
دبا دے ساس کو اپنی ماں سمجھ کر ان کی خدمت شروع کر دی
تھی۔ دونوں بھائیوں کے فون آتے اس نے صرف یہ کہہ
کر یہ رابطہ بھی منقطع کر دیا تھا۔

”مجھے فرصت نہیں ہے آپ لوگوں کی جھوٹی سچی
صفائیوں اور استحقاق پر کان دھرنے کا اور ماں جی تو بات
ہی نہیں کر پاتیں پھر کس لیے آپ اپنا اتنا قیمتی وقت ضائع
کرتے ہیں۔“

علامہ اقبال

اور اردو ادب کے نامور شعراء کرام کی اردو
شاعری کے مفت ایس ایم ایس اپنے موبائل پہ
حاصل کریں

WriteMessage

میں

Follow pak488

لکھ کر 40404 پر سینڈ کریں پھر اپنا نام لکھ کر
40404 پر سینڈ کریں۔

اس سروس کے روزانہ مامینے کے کوئی چارج نہیں
یاد رکھیے Follow اور pak488 کے درمیان

ایک وقفہ دیں

جبکہ pak اور 488 کے درمیان کوئی وقفہ نہیں
مزید تفصیلات کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں

03464871892



افسانہ

سندھ الہیاتیاتی

ہونٹ وہ بات کر نہیں پاتے
جو آنکھوں کے رنگ کرتے ہیں

چپ چاپ گم صم رہتے والے
اپنے آپ سے جنگ کرتے ہیں

اگر ابھی خواب کے ٹوٹنے سے گزرتا باقی تھا تو خواب
کی فصل اسے مہنگی پڑنے والی تھی۔

بوڑھے چہرے کی جھریوں میں صدیوں کی تسکین
پوشیدہ تھی۔ اسے عمر کے اس انچ پہ کھڑے ستر سالہ بے
ترتیب کپڑوں اور داڑھی والے لالہابی پہ کتنا رحم آیا تھا۔ جس
کے چہرے پہ مشقت اپنی پوری داستان سنار ہی تھی۔

اور ایک ادھیر عمر تھی آنکھوں والی دنیا جہاں کی
رونقوں سے بیزار نظر آنے والی خاتون اور اس کے سامنے
سے گزرتا ہوا رکتا ادھر ادھر کے خیالی میں غائب دعاغی
سے نظر گھماتا ہے عین طبیعت کا عکس لیے کوئی نوجوان۔
اسے لگا اس ایک کونے میں قطار کی صورت سارے
جہاں کے مسئلے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ لمحہ جیسے
ساکت تھا۔

اس نے ایک نظر اپنے اندر ڈالنا چاہی اور ہمیشہ کی
طرح مایوسی ملی خود اس کے اندر کی کہانی کون کہتا۔

وجہ کیا تھی یہ کون جانتا۔
ہر کوئی باری باری اپنی کہانی سنانے اندر جاتا اور

اندر سے لے کر باہر تک دیننگ روم کی قطار بنی ہوئی
تھی۔ یہ ایک سا کٹا ٹرسٹ کے کلینک کے اندر کا منظر تھا۔
کونے کی ایک میز کے سامنے ایک کرسی پہ وہ بھی بیٹھی
تھی۔ یہاں اس کے علاوہ کون نہیں تھا۔ بچے، بوڑھے،
آدمی، عورتیں ہر عمر کے افراد موجود تھے۔ وہ اپنی ازلی
غائب دعاغی سے ہر شخص کے چہرے سے اس کی عمر کا
مشاہدہ کر رہی تھی۔ ہر ایک کے چہرے کی الگ تصویر کشی
کی کوشش میں ذہن ہلکان تھا۔

جانے انسان اور چہروں میں اپنی کن محرومیوں کے
جواب ڈھونڈتا ہے؟ یا پھر ان کو تلاش کرنے کی وجہ۔

اس نے سوچا بھلا نو سال کے بچے کو کیا مسئلہ
درپیش ہو سکتا ہے۔ جسے ماں اپنے پریشان چہرے
سے بار بار دیکھتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں
بلا لیں لے رہی تھی۔

اسے تعجب بھری حیرت سے دکھ بھی ہو رہا تھا،
نوجوان لڑکی کے چہرے پہ پتا آسودہ خوابوں کی جھلکیوں
میں محرومی تھی۔

دروازے پر ایک تو اتر سے دستک دینی شروع کی۔
”اگر آپ نہیں کھولیں گی دروازہ تو میں چلا چلا کر
روؤں گی کہ مغلے والے جا میں گے۔“ یہ کہنے کی دیر بھی کہ
خوف زدہ اور ہراساں ہو کر راحیلہ نے دروازہ کھول دیا چونکہ
کھولنے کا قصد کیے بیٹھی تھیں۔

ان کے دروازہ کھولنے کی دیر بھی کہ کوئل ان کے سینے سے
لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ دودھ سا بیڑیٹیل پر بھرا تھا اس
کے رونے سے وہ کچھ نہ اخذ کر رہی تھیں۔

”ہوا کیا ہے کچھ بولو گی؟ کیوں رات گئے مجھے بھی
پریشان کر رہی ہو؟“

”دو بیٹوں کی جدائی پر بھی آپ کو بیٹی کی کمی محسوس
نہیں ہوئی، حیرت ہے کتنا پتھر دل ہے آپ کا۔“ اس
نے ناک سیکڑی۔

”ہاں..... تو دونوں کو خدا خواستہ پھر سے بلا لوں اسی
گھر میں اللہ انہیں آباد رکھے اپنے گھر میں۔“ محلے کی
نزاکت کو کچھ سمجھتی تھی اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڑیٹیل پر بٹھایا۔

”اور میں کیا کروں..... کہاں جاؤں میں بھی تو آپ
ہی کی بیٹی ہوں میرا کوئی ٹھکانہ ہے کہ نہیں؟“ ان کی
آنکھیں بھیگ چلی تھیں پتا چل گیا تھا اس بار نہ انتخاب
غلط ہے نہ تربیت ورنہ رات کے اس پہراتی خدا اور دھمکی
سے دروازہ کھلوا کر محبت کوئی اور نہ جاتا۔ مان، فخر اور
توقعات کی ایک سبیل جاری تھی جس سے دونوں سیراب
ہو رہی تھیں۔

”تمہارا ٹھکانہ میرا دل ہے بتاؤ اس سے بھی مضبوط اور
کوئی آشیانہ ہوگا۔“ اس کی ٹھوڑی تھام کر انہوں نے پیادہ پھری
نظروں سے دیکھا تو وہ دوبارہ ان کے سینے میں گھس گئی۔

”امی جان.....“ بہت چاہ سے انہیں پکارا تھا جواباً
انہوں نے اس کے گرد اپنے دونوں بازوؤں سے کس کر
حصار باندھ دیا تھا۔



دن رات ماں جی کی خدمت کی لیکن انہیں دوبارہ وہ
زندہ نہ کر سکی تھی جو وہ بیٹوں کی کج ادائیگی کی موت مرگئی
تھیں۔ دو سال بعد وہ سارے حوصلے ہار کر راحیلہ کی گود
میں سر رکھے اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں لیکن اس کے
دل میں ڈر اور بد اعتمادی کا بیج بو گئیں۔

زار کو دیکھ کر ڈر لگتا کہ انہی ہاتھوں میں خود کی ظالمت تو
نہیں لکھی ہوئی تو کیوں نہ ابھی سے وہ سارے حوصلے جمع
کر لوں جو وقت سے پہلے مجھے بکھیرنے پر تل جاتیں
گے۔ اپنا فرض سمجھ کر بیٹوں کی پرورش کی لیکن حقوق کی
توقعات کی پوٹی باندھ کر بکھرتے کے سمندر میں پھینک
آئی تھیں۔

ایک روز بیٹی کو اپنا دکھ بتاتے ہوئے زوار کی سماعت بھی
چوکنٹا ہوئی تھی کہ وہ بیٹے کی شادی سے کیوں ڈرتی ہیں؟
پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں وہ سمجھتا نہ کہ کاتے والی کا
رویہ جانے کیا ہو؟ ویسے بھی آج کل گھر گھر میں پھینکنے
والی ساس بھویکی ذہنی ناہم آہنگی کی داستان بن سن کر وہ
کچھ اور بے زار ہو گئی تھیں اس رشتے سے۔

گھر میں بھوتاتارے ہوئے یہی سوچا تھا یہ ملکیت کا
آخری دن ہے کل کسی اور کی حکمرانی کا سورج طلوع ہوگا۔
کول کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں کتنا غلط سمجھ بیٹھی تھی وہ
اپنی ساس کو ان کے پیار بھرے دل میں خوف و دوسوے
پھین پھیلانے ہوئے تھے محبت نمایاں ہوتی تو کیسے.....؟
”میں ان کے سارے اندیشوں کو غلط ثابت کروں گی۔“

ایک عزم سے وہ اٹھی تھی۔ ”میں ثابت کروں گی کہ کہیں بھو
غلط ہوتی ہے تو نہیں ساس بھی احساس ملکیت میں بیٹوں
کے حوصلے پست کرتی ہیں۔“ کیونکہ ایسے چند گھرانے اس
کی نظر میں بھی تھے جہاں لے جا کر ان کی آنکھیں کھولتی
تھیں سب اپنی ماں سے بڑھ کر انہیں محبت دینی تھی تا کہ ان
کے سارے ساندے نام ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دیں۔

وہ دونوں تو جوان تھے بھوکے رہ کر رات گزار سکتے تھے
لیکن امی کو زور پڑ رہی تھیں کچھ بیماری سے کچھ خوف سے
چکن میں جا کر دودھ کا گلاس تیار کیا ہار گس ڈال کر ان کے

دوا سہوں کا نسخہ لئے یقین بے یقینی کی آدمی ادھوری ٹوٹی پھوٹی کھری کیفیت لئے ہوئے باہر آتا اور دوا سہوں کا نسخہ لیے گزر جاتا۔ نام پکارا جانے لگا۔ کہانی سنانے کی باری اب اس کی تھی۔

☆☆☆.....

وہ اس کا پرانا جاننے والا تھا اس کے ابا کا پرانا دوست گوکہ شکل دیکھے ایک عرصہ ہوا تھا مگر یادداشت نے گنگنل دیا تو شناسائی نے احساس دلایا وہ مسکرائے تو اس کے چہرے پہ بھی اک مسکراہٹ ابھری مگر جھنجھی ہوئی۔ انہیں اس کا تعلیمی ریکارڈ سب یاد تھا بہت شاندار رہ چکا تھا۔

وہ پوچھ رہے تھے۔
”پڑھائی چھوڑ دی تھی کیا؟ ایم اے اردو ایم اے سندھی تمہارا خواب تھا۔“
”خواب پورا ہوا اس کے بعد لیکچرر شپ کے لیے دی ہوئی کیشن بھی ظہیر کی۔“
”مطلب تعلیمی لحاظ سے کوئی کی نہیں۔ یہ بتاؤ شادی ہوئی؟“ سوال بہت اہم اور ضروری تھا۔
”جی بالکل ہوئی۔“

”شوہر کیسا ہے..... کتنا ہے..... جیب خرچ اچھا دیتا ہے..... خیال رکھتا ہے..... شک تو نہیں کرتا..... زیادہ روک ٹوک تو نہیں..... کام کیا کرتا ہے..... سیر وغیرہ کے لئے لے جاتا ہوگا؟“ ہر سوال کا جواب مثبت تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”بچے؟“ ایک اور اہم سوال۔
”جی دو ہیں۔“ جواب تسلی بخش تھا۔
”دو بیٹے یا دو بیٹیاں؟“
”ایک بیٹا ایک بیٹی۔“
”شکر ہے رحمت بھی اور نعمت بھی۔“
”سب ہے۔ شادی، بچے، شوہر سہولیات سب کچھ..... پھر یہ خلا.....“ کہنے لگے۔
”یہ بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟“

”اس کا بچہ ہوتا تو کیا میں یہاں آتی؟“ چپے ہوئے۔ کہنے لگے۔
”کل گھر آؤں گا تمہیں کوئی اعتراض؟“
”سوہا آئیں اعتراض کیوں ہوگا۔“ اس نے کہا۔
ان کی مسکراہٹ میں خاموشی آگئی۔

اور یہ پہلی مریض بغیر کسی نسخے کے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔
اگلی صبح وہ اس کے گھر تھے۔ سڑک سے لے کر گھر تک وہ چھوٹے چھوٹے مسائل کو ڈھونڈنے کی کوشش میں ناکام رہے تھے۔ لاؤنج میں ایک بڑا سا کتابوں کا شیلف بھی تھا وہ اس کی من پسند کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگے جب اس کا شوہر عاشر اندر آیا بڑے اخلاق سے ملا اور اس سے کہیں زیادہ اچھی گفتگو بھی کی۔ تب ہی وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔

اچھی خاصی فریش اور تازہ دم مگر اچانک یہ سوچ کی لہر کیوں چہرے پہ آ کر اس کی مسکراہٹ ڈیوڑھی تھی۔
بچوں کے آنے کا وقت ہوا کافی تیز دار بچے تھے۔ سلام کیا ان کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب دیے۔ بچے ساتھ کیا۔ لاؤنج سے ڈائننگ ہال اور ڈائننگ ہال سے سٹنگ ایریا میں بیٹھ کر چائے پینے تک سب خیر تھی۔ سب ٹھیک تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ اچھا تھا۔
لینڈ لائن فون کی تیل ہوئی عاشر نے مہر سے کہا۔
”تمہاری دوست کا فون ہے بات کر لو رات سے کال کر رہی ہے۔“ وہ انہی کچھ منٹ بات کی۔ پھر آ کر اپنی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

بچے آئے ماں کے گال پہ پیار کیا یا پاپا کے ساتھ چٹ گئے یہ کچھ منوانے کی اداس تھی۔
وہ مسکرایا اس کی مسکراہٹ پہ صاف لکھا تھا وہ شرارت سے نفی میں سر ہلا رہا تھا پھر مصنوعی انکار اس ساری کارروائی میں وہ مسکراتے رہے تھے۔ کتنی مکمل خوش حال خوش مزاج بیٹی تھی۔

مگر اس کے چہرے پہ آتی کیفیت کی لہر جس سے

بذحال ہوتے بالوں کی لٹ وہ بیزاری سے کان کے پیچھے اڑتی تھی۔
اسی وقت عاشر اٹھا کسی ملازم سے معمولی بات کی تکرار کے بعد عاشر نے اسے پیسے دیے مہر مسلسل اسی طرف متوجہ تھی۔

عاشر بہت ٹھیک موڈ میں کمرے کی طرف چلا گیا۔ مہر پھر تسلی سے ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔
بچہ چپا کی اجازت سے کہیں گھومنے نکل گئے۔
مہر نے ملازمہ کو بلا کر صاحب کا پوچھا اس نے بتایا کہ وہ کسی ضروری میٹنگ میں جا رہے تھے۔
انہیں لگا بیٹھے کا اب کوئی جواز نہیں۔

وہ اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے مگر ذہن میں ایک نکتہ اپنے پورے سوال کے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔
اور دوسری طرف وہ لہر تھی جو چہرے کی مسکراہٹ میں خاموشیاں بھر دیتی ہے۔

اس سے پہلے کہ دوپہر شام میں بدلتی ان کو کلینک پہنچتا ہوتا کیونکہ مریضوں کی لمبی قطار ان کا انتظار کر رہی تھی۔
شہر کے بہت بڑے ماہر نفسیات میں ان کا شمار تھا۔
کسی کی کہادیا آئی۔

”نفسیات کو سمجھنے سے پہلے خود نفسیاتی ہونا پڑتا ہے۔“
اس لئے کسی بھی نفسیات دان کا نفسیاتی لگنا تعجب کی بات نہیں۔ چھپلی رات سے وہ کئی بار مہر کی چھپلی زندگی کے بارے میں سوچتے رہے۔ وہ پہلے سے بہت اچھے حالوں میں تھی۔

ماضی قریب سے ایک جھگڑتی ہوئی پر سوچ لگا ہوں والی چلتے چلتے لڑکھڑاتی ہوئے سنبھلتی اور سنبھلتے ہوئے حیرتوں میں ڈوب جانے والی حیرتوں سے چوتھے حال میں لوٹے منظر سے فرار ہو جانے والی مہر الگ تھی۔

اور یہ پر اعتماد پڑھی لکھی ایک اچھے گھر کی مالک دو بچوں کی ماں ایک خوش مزاج شوہر کی بیوی ہونے کے باوجود کسی لہر کی ضد میں کیوں آ جاتی تھی۔

آنچل کی جانب سے ایک آنچل

حجاب کرچی

شائع ہو گئی

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلہ وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے راست ایک مکمل جزیہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی سودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی ہا کر سے کہہ کر اپنی کاپی بک کر لیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

اب کی بار انہوں نے پکا سوچ لیا بس فون کر کے خوب سارا ڈانٹا ہے اور سمجھاتا ہے کہ اتنی نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی یہ الجھن ایک ناشکری نہیں تو اور کیا ہے۔ ناشکری سے نعمتیں چھین جاتی ہیں۔ اور شکر کی تسبیح نعمت کو بڑھا دیتی ہے۔ کلینک سے باہر پارکنگ ایریا میں گاڑی تھی۔

وہ نماز کے وقت کے بعد مسجد سے کلینک ہی جا رہے تھے جب رستے میں قدم رک گئے تھے۔

یہ تو ہی لڑکا تھا جسے ایک خاتون زبردستی ان کے پاس لائی تھیں۔ لڑکا خاصا کھڑ مزاج تھا بار بار کہہ رہا تھا کہ مجھے کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں ہے اور ماں کی الگ یہی تکرار کے اس کی سوچوں نے اسے کہیں کانٹیں چھوڑا۔

انہیں نسخہ لیتے ہوئے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ باہر نکلتے ہی پرچی بھاڑ کے ڈسٹ بن کے حوالے کر دے گا نہ پھاڑی تو دو انہیں لے گا۔ لے بھی لی تو کھائے گا نہیں اور اگر ماں نے زبردستی کھلا بھی دی تو اثر نہیں کرے گی۔ اس کے چہرے پہ وہی اکھڑ سے تاثر مزاج کی گرمی ظاہر تھی اور جملہ وہی کہ دیکھو کون کہتا ہے میں نفسیاتی ہوں میں تمہیں نفسیاتی لگتا ہوں؟ لہجہ تیز تھا۔ ٹیکھا۔

وہ بیچ پر بیٹھ گئے لڑکا اپنی گفتگو میں مگن تھا۔ انہوں نے اسے زیادہ دیکھنے سے گریزی نہ کی کہ نظر کی شش انسان کو الارٹ کر دیتی ہے۔ بس سننے پہ اکتفا کیا۔

”دیکھو وسیعہ میری بات سنو۔ بات دراصل یہ ہے کہ مسائل کئی ہوتے ہیں کئی چھوٹے مسائل ایک بڑی غلطی سے نکلتے ہیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے دشمنوں کی طرح رسنے لگتے ہیں۔ مگر تم نہیں سمجھو گی۔“ لڑکا کسی لڑکی کو سمجھاتے ہوئے ہلکاں تھا۔

”دیکھو بہت سادہ سی مثال ہے مجھے نفسیاتی کہنے والے سن لیں۔“ لڑکے نے کہا اور ان کے کان کھڑے ہو گئے۔

”ہم دو ایک جگہ بیٹھے ہیں کوئی اپنی قیمتی چیز امانت لے آتا ہے۔ وہ تمہارے بجائے مجھے دیتا ہے اس اعتماد

کے قابل وہ مجھے سمجھتا ہے۔ چاہے وہ تم سے پیار کرنا ہو۔ چاہے تمہاری پروا بھی کرتا ہو۔ مگر اہمیت اور بھروسے کے قابل نہیں نہ سمجھتا ہو۔ اہمیت کا حصہ میرے حصے میں آتا ہے تم پر کیا گزرے گی۔“ ایک لہر صرف ایک لہر جو مہر کے چہرے پہ آکر ٹھہری تھی اس کے مفہوم کے درکھنے کا لمحہ تھا۔

”دیکھو میں سب سے چھوٹا تھا۔ مجھے ہر اہم فیصلے سے نکال دیا جاتا تھا۔“ لڑکا بول رہا تھا اور انہیں یاد آیا۔

مہر گھر میں سب سے چھوٹی ہے۔ بچی ہے نا سمجھ ہے۔ شرمیلی بھی ہے سمجھتی ہے اس لیے۔

”میرا جھگڑنا ڈرنا چپ رہنا اور کم ہمتی، جو بھی سمجھو اس میں رویوں کا قصور ہے نا کہ میرا۔ میں اس گھر کا چھوٹا بچہ ہوں جہاں خود میرے نصیب کا فیصلہ بھی مجھ سے ہوتا ہے بغیر صرف بتا کر کر دیا جاتا ہے اور تم کہتی ہو میں لڑتا ہوں۔ یا چپ رہتا ہوں، سوچتا رہتا ہوں، رنگ کیوں اڑ جاتا ہے چہرے کا۔“

وہ اٹھے حالانکہ لڑکا اب بھی بول رہا تھا۔ انہیں اپنے اٹھے ہوئے سوال کا بہت آسان جواب مل چکا تھا۔ ذہن کی اسکرین پر کل کا دن فلم کی طرح چل رہا تھا۔

وہ فیکٹ جو انہوں نے مہر کو کرنا تھا اس کی نوعیت اب بدل گئی تھی۔

ان کی نظر میں بس ایک منظر تھا جب ملازم پیسے کے لئے بی بی کے بجائے صاحب سے بات کر رہا ہے۔ بچے پیار تو ماں سے کرتے ہیں مگر اجازت بابا سے لے رہے ہیں۔ شوہر کتنا خیال رکھتا ہے کہ بغیر بتائے گھر سے نکل جاتا ہے۔

اور ہر پار بھروسے اور اہمیت کے کچلنے پر جو لہر اس کے چہرے پر آتی ہے۔ وہ بے وجہ نہیں ہے۔



لڑکا ہوانا
سید اشرف علی

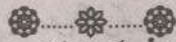
مسئلے تو پچھلے سال کے اپنی جگہ رہے
سب سوچتے رہے کہ نیا سال آ گیا

خوشیاں جو بانٹتا تو کوئی نئی بات تھی
گزر رہا یہ سال بھی عمریں بڑھا گیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز دروہ کی مدد سے شہزاد اور مصطفیٰ کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے میں کامیاب رہتا ہے جب ہی شہزاد مصطفیٰ کے روپے سے خائف ہو جاتی ہے۔ اسی دوران ایاز اسے کالج سے واپسی کے دوران اسلحہ کے زور پر کڈنیب کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ڈرائیور اور امجد خان کی بروقت مدد سے شہزاد خود کو چھڑانے میں کامیاب رہتی ہے جبکہ اس حادثے کے دوران دروہ یاچانک ہی منظر سے غائب ہو جاتی ہے ایاز اپنی اس ناکامی پر شدید متحیر ہوتے فرار ہو جاتا ہے۔ شہزاد کو اس حال میں دیکھ کر مصطفیٰ شدید کرب میں مبتلا ہوتا ہے اسے یہ سب باقاعدہ کی پلان کے تحت انجام ہونا محسوس ہوتا ہے۔ سکندر اپنی اسٹوڈنٹ لالہ رخ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط رویے سے کافی متاثر ہوتا ہے دوسری طرف لالہ رخ بھی اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے جبکہ افشاں کے لیے یہ سب ناقابل برداشت ہوتا ہے وہ سکندر کو پسند کرتی ہے جب ہی ضیاء کے پروپوزل پر صاف انکار کر دیتی ہے دوسری طرف سکندر کا جھکاؤ لالہ رخ کی طرف ہوتا ہے اسی دوران لالہ رخ اپنے تمام حالات سے اسے آگاہ کرتے اپنے گاؤں لوٹ جاتی ہے۔ اس کا تعلق اچھے گھرانے سے ہے مگر اس کا باپ جائیداد کی خاطر اس کی شادی اپنے اوباش بیٹے سے کر دینا چاہتا ہے ایسے میں اپنی ماں کے کہنے پر لالہ رخ اپنا پروپوزل اس کے سامنے رکھ کر اسے حیران کر دیتی ہے یہ سب جان کر سکندر کی بے چینی از حد بڑھ جاتی ہے وہ کسی بھی طور لالہ رخ سے رابطہ کرنا چاہتا ہے۔ کاشفہ ولید کی عیادت کی غرض سے اسپتال پہنچتی ہے جبکہ ولید اسے دیکھ کر شدید اشتعال میں آ جاتا ہے دوسری طرف وہ ان کو بھی اپنی دھمکی آمیز رویے سے خائف رکھتی ہے۔ مصطفیٰ اس حادثے کے متعلق دروہ سے استفسار کرتا ہے جس پر وہ شہزاد کی ذات کے حوالے سے کافی تحقیر آمیز لہجے میں بات کرتی ہے جبکہ دروہ کا یہ انداز مصطفیٰ کو شدید غصے میں مبتلا کر دیتا ہے جب ہی وہ اسے سخت سناتا ہے دوسری طرف ایاز ایک مرتبہ پھر دروہ کی مدد سے اپنے نئے پلان پر عمل درآمد کرنے کی کوشش جاری رکھتا ہے۔ فیضان رابعہ کے پروپوزل کے سلسلے میں عباس سے ملتے ہیں اور عباس کو رابعہ کے رشتے پر صاف انکار کر دیتے ہیں یہ صورت حال عباس کے لیے قطعی غیر یقینی ہے جب ہی وہ اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا ہے لیکن فیضان اس کی ہر بات کو رد کر دیتے ہیں۔ لالہ رخ کے گاؤں پہنچنے پر اس کی ماں اسے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانا کا کہتی ہے دوسری صورت میں ظالم باپ اور ہمایوں جیسے شخص کا ساتھ وہ بھی نہیں چاہتی۔ جب ہی خان بابا کے بیٹے امجد خان کے بیوی بچوں کے ساتھ وہ شہر آ جاتی ہے دوسری طرف امجد خان اسے ہاسٹل میں چھوڑ کر سکندر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرنے کی غرض سے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



دروازہ کھولنے والی خالدہ بی بی تھیں اپنے سامنے انہی لوگوں کو دیکھ کر چونک گئی تھیں چونکہ تو افشاں بھی گئی تھی۔
”آپ کون لوگ ہیں؟“ افشاں نے پوچھا۔

”مجھے سکندر صاحب سے ملنا ہے۔“ امجد خان نے کہا تو افشاں نے الجھ کر ان کو دیکھا۔ ایک عورت ساتھ ایک بچہ اور مرد تھا۔

”وہ ادھر ہی رہتے ہیں نا؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”مگر آپ ہیں کون؟“ افشاں نے پھر پوچھا۔

”سکندر صاحب سے ملو ادیں اپنے بارے میں ان سے ہی بات کروں گا۔“ افشاں نے الجھ کر خالدہ بی بی کو دیکھا۔

”میں بلا کر لانی ہوں۔“ خالدہ بی بی اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھیں۔ کچھ دیر بعد سکندر امجد خان سے

ہاتھ مل رہا تھا۔

”میں معذرت چاہتا ہوں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ وہ لوگ ابھی بھی دروازے پر ہی کھڑے تھے۔

”آپ لالہ رخ کو تو جانتے ہوں گے نا۔“ سکندر کے ساتھ ساتھ افشاں بھی چونک گئی تھی۔

”لالہ رخ.....؟“ سکندر پکارا تھا۔

”میں ان کے ملازم کا بیٹا ہوں لالہ رخ اس وقت دوپہن ہاسٹل میں ہے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ آپ سے

ملنا چاہتی ہے۔“ سکندر ایک دم چونکا۔ افشاں ناچھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”وہ ٹھیک ہیں نا؟“ سکندر نے بے اختیار ی میں پوچھا۔

”ابھی تک تو ٹھیک ہی ہیں لیکن آئندہ کیا حالات ہوتے ہیں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“ امجد خان ایک سلجھا ہوا مرد تھا اس

کی گفتگو بھی مہذبانہ تھی۔

”اوکے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔“ سکندر نے فوراً فیصلہ کیا افشاں نے حیرت سے دیکھا۔

”تم کہاں جاؤ گے؟ تم بھلا ان لوگوں کو کیسے جانتے ہو۔“

”لیکن میں لالہ رخ کو تو جانتا ہوں میں کچھ دیر میں آ جاؤں گا ڈونٹ وری۔“ وہ افشاں کو تسلی دے کر واپس اپنے

کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ لباس بدل کر کچھ دیر بعد امجد خان کے ساتھ چل دیا تھا۔

وہ ہاسٹل پہنچا تو لالہ رخ وارڈن کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ وارڈن لالہ رخ کے حالات سے باخبر تھی وہ ٹیک دل

عورت تھیں ان کو لالہ رخ سے خصوصی لگاؤ تھا سو کسی کو بھی خبر ہونے سے پہلے وہ خاموشی سے لالہ رخ کو اپنے کمرے

میں لے آئی تھیں۔ سکندر وہاں پہنچا تو لالہ رخ کو دیکھ کر چونکا تھا۔ عجیب کمزور وڈ حال پڑمردہ کی لگ رہی تھی چہرے

کی تازگی چمک کر رہ گئی تھی۔ لالہ رخ سے مل کر اس کی ساری اگھاسنے کے بعد سکندر کافی دیر تک خاموش رہا تھا۔

”دیکھیں آپ اگر ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں بتادیں ورنہ ہمارے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ صبح کی

روشنی ہوتے ہی لالہ رخ بی بی کی حویلی میں ان کی کم شدگی کی خبر پھیل جائے گی اور سب سے پہلے ان کو تلاش کرنے وہ

لوگ یہاں ہی آئیں گے۔ اگر آپ ان کی مدد کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ پھر میں ان کو لے کر نہیں اور چلا جاؤں گا۔“ امجد

خان کا اس انداز تھا سکندر نے چند لمحوں میں سوچا تھا۔ ایک نگاہ کم صحت مندی انگلیاں چٹائی لالہ رخ پر ڈالی اور پھر ایک دم ایک

فیصلہ کیا تھا۔

”آپ لوگوں کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں آپ لوگ ہمارے ساتھ گھر چلیں۔“ سکندر کے الفاظ پر لالہ رخ نے بے

اختیار سے دیکھا تھا سکندر مسکرا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ان لوگوں کو لے کر اپنے گھر آ گیا تھا۔ افشاں ان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

”تم ان کو یہاں کیوں لائے ہو؟“ وہ اس سے الجھ پڑی۔ جو اب سکندر نے اسے لالہ رخ کی ساری کہانی سنا دی تھی۔

”اب تم کیا چاہتے ہو؟“ افشاں نے خوف زدہ نظروں سے سکندر کو دیکھا۔

”ایک لڑکی میرے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئی ہے وہ اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہے اسے میں ایسے تباہ نہیں چھوڑوں گا۔“ افشاں حیرت سے دیکھ گئی۔

”اوپر والے پورشن میں ان لوگوں کے رہنے کا انتظام کروؤ میں نے ہاسٹل سے ہی ضیاء کو کال کر دی تھی وہ کچھ دیر میں صبحی اور دو قار کو لے کر پہنچ رہے ہوں گے۔ میں کل لالہ رخ سے نکاح کر لوں گا۔“ انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا وہ کہہ کر پلٹا اور افشاں بالکل ڈھسے گئی۔

اس کے رخساروں پر بے اختیار آنسو بہ رہے تھے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں پلٹ گئی تھی۔ خالد بی نے لالہ رخ امجد خان اور اس کی بیوی کے لیے اوپر والے حصے میں آرام کرنے کا انتظام کر دیا تھا کچھ دیر میں صبحی ضیاء اور قار بھی پہنچ گئے تھے۔ فجر کے بعد ضیاء ایک مولوی صاحب کو لے آئے تھے دو تین اور لوگوں کی موجودگی میں سکندر اور لالہ رخ کا نکاح ہو گیا تھا۔ امجد خان سب معاملے میں پیش پیش تھا۔ لالہ رخ کو لگ رہا تھا کہ جیسے ایک دم اس کی زندگی بدل گئی ہے۔ وہ کل کیا تھی اور اب کیا ہے؟ افشاں گم سم اور چپ چاپ تھی صبحی بہت خوش تھی۔ وقار نے سکندر کو اس کے اس نیک عمل پر بہت سراہا تھا۔

سکندر خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔ اگلے دن امجد خان دوپہر میں اپنے باپ کو فون کرنے گیا تھا وہ فون کر کے واپس آیا تو بہت افسردہ تھا۔

”بڑی بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب تھی سب ملازمین کو علم ہو چکا تھا کہ لالہ رخ جو بلی میں نہیں ہے اور ملازمین نے اشفاق احمد اور بھائیوں کو بھی اطلاع کر دی تھی وہ دونوں کسی وقت بھی حویلی پہنچ سکتے تھے۔“ سکندر امجد خان کی زبانی وہاں کے حالات سن کر افسردہ ہوا تاہم اس نے لالہ رخ سے ذکر کرنے سے منع کر دیا خواہ وہ بے چاری پریشان رہتی۔

اسی دن امجد خان اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رخصت ہو گیا تھا۔ سکندر کا ابھی تک نکاح کے بعد لالہ رخ سے سامنا نہیں ہوا تھا خواہ تین ہی اس کے پاس موجود تھیں۔ شام ہوئی تو صبحی وقار اور ضیاء سے ڈھچھوں نیک خواہشات سوچتے رخصت ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد خالی بی لالہ رخ کے پاس موجود رہی تھی جبکہ افشاں ان لوگوں کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شاید سارے دن کی اس مصروفیت سے وہ تھک گئی تھی۔ سکندر نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی چکن میں آ کر اپنے لیے چائے بنائی تھی۔ کھانا شام ہی سب کھا چکے تھے۔ ”ارے بیٹا تم نے کیوں زحمت کی؟ مجھ سے کہا ہوتا میں بنا دوں گی۔“ خالد بی لالہ رخ کے پاس سے اٹھ کر پیچھے نہیں تو اسے کہوں میں چائے ڈالتے دیکھ کر ٹوکا۔

”کوئی بات نہیں خالد بی!“ سکندر نے ایک کپ اٹھا کر نہیں تھمایا۔

”ماشاء اللہ بہت ہی پیاری بچی ہے لالہ رخ! سارا وقت ماں کو یاد کرتے روتی رہی ہے۔ تم اس سے ذرا نرمی سے پیش آنا کسی نیک ماں کی اولاد لگتی ہے۔“ خالد بی نے نصیحت کی سکندر مسکرا دیا۔

”لاؤ میں دن کو چائے دے دوں بلکہ تم بھی آؤ کل کر پی لینا۔“ خالد بی نے کہا انہوں نے اپنا کپ رکھ کر چھوٹی سی

فرے میں دو کپ رکھے تھے۔

سکندر بھی ان کے ہمراہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا لالہ رخ آج سارا دن اس کے کمرے میں ہی رہی تھی۔ سادہ سے لباس میں بغیر کسی ہارنگھار کے بستر پر اپنی ہی سوچوں میں گم بیٹھی لالہ رخ سکندر کی دہن بھی۔ سکندر نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

”چلو بیٹا چائے پی لو کھانا بھی تم نے بس برائے نام ہی کھایا تھا۔“ خالد بی نے کہا تو لالہ رخ نے محض سر ہلایا تھا۔ خالد بی اس سے ایک دو باتیں کر کے چلی گئی تھیں۔

لالہ رخ کچھ نفیوڑی تھی سکندر اس کے سامنے بیٹھا تو وہ اپنی ذات میں کچھ اور سمٹ گئی تھی۔

”یہ چائے پیس۔“ سکندر نے کپ اٹھا کر اسے تھمایا جسے اس نے شکریہ کہہ کر تھام لیا تھا۔ دونوں نے بہت خاموشی سے چائے پی گئی سکندر گاہے بگاہے دیکھتا رہتا تھا۔

وہ بہت ہی خوب صورت اور دل موہ لینے والی لڑکی تھی۔ پلوں کی گھٹی جھار ٹھٹی گرتی اسے کچھ اور ہی روپ بخش رہی تھی۔ چائے پینے کے بعد سکندر نے دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر ٹرے ایک طرف رکھ دی تھی۔ سکندر لالہ رخ کے پاس بیٹھا تو انداز میں استحقاق تھا۔

”مجھ سے شادی کر کے مطمئن ہیں۔“ مسکرا کر پوچھا تو لالہ رخ نے پلکیں اٹھا کر دیکھا۔

”اگر غیر مطمئن ہوتی تو میں بھی امجد خان کو آپ کے پاس نہ بھیجتی۔“ دھیسے لہجے میں اس نے دل کی بات کہہ دی سکندر مسکرایا۔ محبت سے اس کا ہاتھ تھا تا تو لالہ رخ کا ہاتھ رزنے لگا۔

”کیا بتا سکتی ہیں کہ مجھ میں ایسی کیا بات اچھی لگی تھی جو مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔“ نرمی سے دونوں ہاتھوں میں لالہ رخ کے ہاتھ کو سہلاتے سکندر نے پوچھا۔

”دل کے معاملات کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہوتے سر!“ سکندر ہنسا۔

”اب بھی سر؟“ لالہ رخ کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ سمٹ آئی۔

”سرکار شہ میرے لیے بہت محترم ہے اور آپ ہمیشہ محترم رہیں گے آپ نے جس طرح میری مجبوری سمجھ کر میرا ساتھ دیا ہے میں شاید عمر بھر آپ کا یا احسان نہ بھلا پاؤں۔“

”لالہ رخ.....“ سکندر نے ٹوک دیا لالہ رخ نے آنکھوں میں دوا جانے والی نمی کو بمشکل روکا تھا۔

”یہ احسان والی بات مت کریں اصل میں کچھ لوگ زندگی میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلی نگاہ سے اچھے لگتے ہیں مجھ آپ سے کوئی محبت کا دعویٰ نہیں ہے لیکن آپ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز نے ہمیشہ آپ کے کردار کو میری نگاہ میں بہت معتبر بنا کر پیش کیا تھا۔“ لالہ رخ مسکرا دی۔

”آپ نے اپنے بارے میں تو بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن میرے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتیں۔“ لالہ رخ کی رنجیدگی ختم کرنے کو سکندر نے بات بدلی۔

”آپ نے جس طرح میری مدد کی ہے وہ سب آپ کی ذات کو میرے سامنے آشکار کرنے کے لیے کافی ہے۔ میں یہاں اپنی ماں کے مجبور کرنے پر آئی تھی مجھے قطعی امید نہ تھی کہ آپ اس طرح میرا ساتھ دیں گے بھی یا نہیں لیکن آپ نے میرے تمام وسوسوں کو غلط ثابت کر دیا میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔“ لالہ رخ کی رنجیدگی جوں کی توں گئی۔ سکندر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھا تھا تھا۔

”زندگی کے بارے میں میرے کوئی لمبے چوڑے خواب نہیں ہیں سادہ سی عامی ترجیحات ہیں۔ میں پوری کوشش

کروں گا کہ آپ جس بھروسے کو لے کر میری طرف بڑھی ہیں وہ بھروسہ ہمیشہ قائم رہے۔ میں آپ کو اپنے بارے میں مختصراً بتا دیتا چاہتا ہوں میری ماں ایک غریب گھرانے سے تھیں، میرے والد ایک جاگیردار تھے۔ میری والدہ ان کی دوسری بیوی تھیں، میرے والد کے خاندان نے میری والدہ اور پھر مجھے قبول نہ کیا، میری والدہ کے انتقال کے بعد میرے نانا نے مجھے ایک یتیم خانے میں چھوڑ دیا جہاں کچھ سال بعد میرے والد نے واپس لے لیا تھا اور پھر مجھے سحان صاحب نے اڈاپٹ کر لیا تھا۔ بچپن کے علاوہ میں نے زندگی میں اپنے اصلی باپ کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی ملا البتہ تصاویر ضرور دیکھ رکھی ہیں۔ سحان صاحب اور ان کی بیگم نے میرا بہت خیال رکھا، حقیقی بیٹے کا سایہ دیا اور میں نے بھی ان کو ہمیشہ والدین سمجھا۔ میری ولادت کے خانے میں ہمیشہ سحان احمد لکھا گیا، ان دونوں کی وفات کے بعد مجھے ان کے خاندان نے بے پالک کہہ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ میں چاہتا تو مقدمہ کر سکتا تھا لیکن مجھے دولت جانی د کسی بھی چیز سے کوئی غرض نہ تھی۔ امریکہ میں میرے نام کچھ پراپرٹی موجود ہے لیکن میں فوراً یہاں سے نہیں جاسکتا تھا مجبوراً مجھے کانچ میں جاب کرنا پڑی۔ میں مالی لحاظ سے اس وقت بہت مضبوط نہیں ہوں وقت کے ساتھ ساتھ میں شاید اسٹیکلش ہو جاؤں لیکن اس وقت میں جس گھر میں رہتا ہوں یہ بھی افشاں کے نام ہے۔ افشاں میری مکی خالہ زاد ہے۔“ سکندر نے اپنے بارے میں سب بتا دیا تھا۔

”مجھے آپ کی دولت اور جائیداد کسی سے کوئی غرض نہیں، وہ سب کچھ جو آپ لے کر آئی ہیں وہ سب صرف اور صرف آپ کا ہے۔ البتہ میں آپ سے یہ ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی میں جہاں تک بھی بن پڑا میں ہر موڑ اور ہر معاملے میں آپ کی مدد کروں گا۔“ سکندر کا انداز پر عزم اور اعتماد بخشنے والا تھا محبت جتنا احساس دلاتا لاالہ رخ مسکرا دی۔ رنجیدہ سی مسکراہٹ تھی جو سکندر کے دل میں ایک چراغ بن کر دھنکے لگی تھی۔ سکندر نے گرم جوش سے اس کا نرم ہاتھ دبا کر اس کی مسکراہٹ کو مزید اعتماد بخشا تھا۔

ولید دو ہفتوں بعد گھر شفٹ ہو گیا تھا، مصطفیٰ کئی بار عیادت کو آ چکا تھا لیکن شہوار نے ایاز کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ آج کئی دنوں بعد مصطفیٰ کے ساتھ ولید کی طرف آنے کو تیار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ آج جلدی گھر آ گیا تھا۔

وہ مغرب سے پہلے ولید کے ہاں آ چکے تھے۔ ولید اپنے کمرے میں تھا روشنی ان کو اس کے کمرے میں ہی لگائی تھی۔ انا شہوار اور مصطفیٰ کے لیے چائے بنانے لگی تھی ولید کے زخم تو ابھی بھی برقرار تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی اب مندل ہونے لگے تھے تاہم وہ آج کل مکمل طور پر بیڈریسٹ پر تھا۔ وہ مصطفیٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا وہ سارا سارا دن بیڈریسٹ سے اب اتکا چکا تھا لیکن اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس کی ایک بھی نہیں چل رہی تھی۔ ”کیسا ٹیل کر رہے ہو؟“ مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

”بہت بیڈر..... میں اس جبری قید سے سخت اکتا گیا ہوں سب نے مجھے ایک چھوٹا سا بچہ سمجھ لیا ہے۔ حتیٰ کہ کمرے سے نکلنے پر بھی پابندی ہے۔“ وہ سخت خفا تھا بہت خفگی سے بہن کو بھی دیکھا تھا روشنی نہ دی۔

”یہ سب آپ کی بہتری کے لیے ہی تو کر رہے ہیں ہم۔“

”میں بالکل بے کار پرزہ بن کر رہ گیا ہوں یارا“ ولید کے چہرے پر از حد بے چارگی کی تحریر تھی۔

”چند دن کی بات ہے پھر آپ کے ٹیسٹ کروالیں گے ڈاکٹر نے اجازت دے دی تو آپ باہر نکل سکتے ہیں۔“ روشنی نے سخت گیر بہن کا کردار ادا کیا تھا۔

Decora
by Hankies
KITCHEN
TOWELS
Luxury Size

Hankies

Famous Urdu Novels
Free pdf Library

”ایک دفعہ مجھے کمرے سے باہر نکلنے دو تمہیں تو میں اچھی طرح پوچھوں گا۔“ ولید نے دھمکی دی جو روشنی نے ہنس کر ٹال دی۔ وہ شہوار سے باتیں کرنے لگ بھی جبکہ مصطفیٰ ولید کے ساتھ اس کے بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد انا چائے کے لوازمات لیے ادھر آگئی تھی مصغراں ہمراہ تھی۔ دیگر لوازمات وہ دونوں بھیل پر سجائے لگائیں تھیں۔

مصطفیٰ سے بات کرتے ولید نے ایک ناگوار سی نگاہ انا پر ڈالی تھی۔ ہسپتال سے صبحی بیگم کے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ دوبارہ وہاں نہیں گئی تھی اور گھر آنے پر بھی وہ اتنے دنوں میں نہیں نظر نہ آئی تھی لیکن آج اسے یہاں دیکھ کر اس کی کنپٹیوں کی رکیں ابھر آئی تھیں۔ مصغراں چل گئی تھی انا خود ہی گلوں میں چائے اٹھیل کر سب کو سرور کر رہی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کو کپ تھمایا تو اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا۔

”ولید بھائی آپ بھی چائے پیئیں گے نا؟“ روشنی نے پوچھا۔

”ہاں دے دو۔“ ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

”انا بھائی کو بھی چائے دے دو۔“ روشنی نے انا کو کہا اور پھر شہوار کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ انا ایک دم جڑ بڑھ گئی تھی۔ اس نے ولید کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر از حد سنجیدگی تھی۔ اس نے خاموشی سے کپ میں چائے اٹھیلی اور ساسر میں کپ رکھ کر اسے ولید کی طرف آئی۔

اس نے قریب آ کر چائے والا کپ ولید کی طرف بڑھا یا جبکہ ولید تو جدیے بغیر مصطفیٰ سے گفتگو کر رہا تھا۔ مصطفیٰ نے دونوں کو دیکھا تھا دونوں کے انداز عجیب سے تھے اس نے بغور نوٹ کیا تھا۔

”یار چائے لے لو۔“ مصطفیٰ نے انا کی طرف اشارہ کیا تو ولید نے انا کی طرف دیکھا۔ انداز میں بہت گرمی تھی۔ اس نے انا سے کپ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا انا کا ہاتھ ٹوٹ کر لیا تھا ولید نے بہت غصے سے ہاتھ بڑھایا تھا۔

ولید کا ہاتھ ساسر سے ٹکرایا نتیجتاً چائے کا کپ انا کے ہاتھ پر اٹھا بستر پر گرنا تھا جو انا کے ہاتھ کو جلاتا بستر کی چادر کو بھی داغ دار کر گیا تھا۔

”آف.....“ انا نے ایک دم بائیں ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ تھاما تھا سبھی پریشان ہو گئے تھے۔ ”اوہ نو.....“ روشنی ایک دم اٹھ کر پاس آئی تھی۔ ولید نے مطمئن سا بستر کی بیک سے کمر نکا کر سنجیدگی سے انا کو دیکھا تھا۔ جوب دباے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ تھامے ہوئے تھی، مصطفیٰ نے خاموشی سے ساری کارروائی نوٹ کی تھی۔

شہوار بھی انا کے پاس آگئی تھی۔ ”یہ تو جل گیا ہے اس پر کوئی آئینٹ لگائیں فوراً.....“ شہوار نے انا کا ہاتھ تھام کر دیکھتے فکر مند سی کہا۔ انا نے ہونٹ دانت تلے دبا لیے تھے اس نے ایک نگاہ ولید پر ڈالی تھی۔ ولید کے چہرے پر از حد سنجیدگی تھی تاہم اس کی آنکھوں میں عجیب سی گرمی تھی۔

”میں نکالوں گی تم لوگ چائے پیو۔“ وہ سنجیدگی سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی شہوار بھی اس کے ساتھ فوراً کمرے سے نکلی تھی۔ روشنی نے ایک گہرا سانس لیا وہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ انا اپنے بیڈ کی سائیڈ کی درازیں کھٹکال رہی تھی اور پھر ایک دراز سے کریم نکال کر اس نے اس کا ڈھکن کھولا تھا شہوار نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کریم لے کر اس کے ہاتھ پر لگانا شروع کر دی تھی۔

روشنی کمرے میں آئی تو انا ب دانتوں تلے دباے بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی شہوار اس کے پاس خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

”زیادہ دھم تو نہیں؟“ اس نے فکر مند سی پوچھا۔

”نہیں بس ٹھیک ہے۔“ انا نے سنجیدگی سے کہا۔ آج کل وہ ویسے بھی بہت سنجیدہ تھی روشنی نے ایک گہرا سانس لیا۔

مصغراں چائے لے آئی تھی۔ شہوار نے کالج اور اسٹڈی کی باتیں چھیڑ دی تھیں وہ خود کالج نہیں جاری تھی لیکن انا ضرور دوسرے تیسرے دن اس کے ہاں آ جاتی تھی اور دونوں مل کر ایگزائیز کی تیاری کر رہی تھیں۔ شہوار کالج جانے پر تو آمادہ نہ ہو سکی تھی تاہم ایگزائیز دینے پر ضرور راضی ہو گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد روشنی برتن سمیٹ کر چلی گئی تھی۔

”کل پھوپھو آئی تھیں ہماری طرف۔“ شہوار نے روشنی کے جانے کے بعد کہا تو انا چونکی۔

”ہمارے تھیں کہ وہ اب ڈائریکٹ شادی ہی کریں گی حماد کا ٹرپ بڑھ گیا ہے وہ جیسے ہی پاکستان آتا ہے تمہاری رخصتی کر لیں گی۔“ انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

مصطفیٰ کی پھوپھو برسوں ان کی طرف بھی آئی تھیں اور سب باتیں طے کرنے کے بعد جاتے وقت انا کو ساتھ لپٹا کر ایک دم بیک سے ایک ٹنگن نکال کر انا کا ہاتھ تھام کر اسے پہنایا تھا۔ انا نے گھبرا کر سب کو دیکھا تھا سبھی خاموش اور سنجیدہ تھے ولید کے سوا سبھی وہاں موجود تھے۔

”ہم باقاعدہ کوئی رسم نہیں کر سکے لیکن ہماری طرف سے یہی رسم کی نشانی ہے ان شاء اللہ شادی پر ہم کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔“ انا کی پیشانی چومتے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگاتے انہوں نے حاضرین سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے تھے لیکن اس کے بعد وہ سبھی لوگ ساکت سے تھے خاموش گم صم اور انا اس کو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دھیرے دھیرے کسی گہری کھائی میں خود کو گرائی جا رہی ہو۔ وہ چیخا چاہتی تھی چلانا چاہتی تھی لیکن بے بس تھی۔

”انا.....“ اسے گم صم دیکھ کر شہوار نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے اسے دیکھا۔

”تم کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لے رہیں تم سب کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا تھا وہ سب

آنچل کی پہلی آنچل کی بھولی

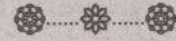
حج

الحمد للہ
شائع ہو گیا ہے
آج ہی اپنے قریبی ایجنٹ یا
ہا کر سے طلب فرمائیں
اور
پرچانہ ملنے کی صورت میں ان نمبرز پر رابطہ کریں
03008264242+02135620771-2

ڈرامہ تھا کاشفہ سے بچنے کے لیے۔“ شوہار نے سنجیدگی سے کہا تو انے ایک گہرا سانس لیا۔

”ولید کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے رخ بدل لیتا ہے میں نے خود سب کو بدظن کیا ہے اب میں کچھ بتاؤں گی تو سب مجھے برا بھلا کہیں گے اور ولید وہ تو شاید عمر بھر میری شکل بھی نہ دیکھنا چاہے۔ کاشفہ کی ذات کو اس کے میں نے اسے اس قدر منکلی مار چر کیا تھا۔ میں خود سب کو اس مقام پر لے کر آئی ہوں اور اگر اب سب کو بچ جائے ہوں تو سب کا اعتبار کھو جائے گا اور ولید سے شاید اب عمر بھر سامنا نہ کر پاؤں اس کی نفرت اس کا براہ یہی سب حق بجانب ہوگا اور میرے اندر اتنی اہمیت نہیں کہ میں سب کی نظروں میں اپنے لیے اہمیت ملاؤں دیکھوں۔“

”تو کیا خاموشی سے چپ چاپ حماد کے ساتھ رخصت ہو لوگی؟“ شوہار نے پوچھا۔
”جو بویا ہے وہ اب کاٹا تو ہے نا شاید یہی اب میری سزا ہے۔ تا عمر اپنی ہی چلائی شک کی آگ میں جلیں۔“ اس کی آواز رنجیدہ ہوئی تو وہ اپنے ہی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔
”میں بہت بری ہوں شوہار..... بہت بری.....“ شوہار نے بہت سنجیدگی سے اسے یوں دیکھا تھا۔



سکندر کے ساتھ گزرنے والے یہ دو دن بہت خوب صورت تھے زندگی کے سب سے حسین دن تھے لیکن اب اچانک سکندر کو اپنے کالج کے نمبر پر امجد خان کی کال ریسیو ہوئی تھی۔ امجد خان نے لالہ رخ کی والدہ کے انتقال کی خبر سنائی تھی سکندر کو اڑھائی افسوس ہوا تھا۔ اس نے افشاں کو بتایا تھا افشاں آج کل بہت سنجیدہ سنجیدہ سی اور پروردی ہوئی تھی۔ اپنی نئی زندگی کی رونقوں کو نشید کرتے سکندر کو افشاں کے مزاج کی یہ تبدیلی نظر نہ آ سکتی تھی۔
”میرے اندر تو اہمیت نہیں لالہ رخ کو اس کی ماں کی انتقال کی خبر سننے کی پلینز تم بتا دینا۔“ افشاں کو کہا تو افشاں نے بہت سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔

”گزرے دنوں میں سکندر اس قدر خوش دکھائی دینے لگا تھا کہ اب تک اس نے اسے اس قدر خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔“ اس نے خاموشی سے سر ہلادیا تھا۔ گھر آ کے افشاں نے خالہ بی کو بتایا تھا اور خالہ بی نے لالہ رخ کو۔ لالہ رخ کا مارے صدمے کے برا حال تھا اور وہ اس نے اپنی حالت خراب کر لی تھی۔
وہ ماہی بک کی طرح تڑپ رہی تھی اور بدقسمتی یہ تھی کہ وہ ماں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اس تک پہنچ بھی نہیں سکتی تھی اس کا آخری بار چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ سکندر خالہ بی افشاں صبح بھی اس کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ ضیاء کا وقار بھی چکر لگا لیتے تھے اور سبھی لالہ رخ کی دل جوئی کرتے رہتے تھے۔

دن خاموشی سے سرکنے لگے تھی ضیاء کے باہر جانے کی ڈیٹ قریب آ رہی تھی۔ صبحی ایک بار پھر ضیاء کا رشتہ لے کر آئی تھی۔ لالہ رخ اپنے کمرے میں بھی خالہ بی یچن میں جبکہ سکندر باہر کی کام سے گیا تھا۔
”آ خر تم کب تک سکندر کا جوگ لیے بیٹھی رہو گی سکندر شادی کر چکا ہے۔ میں بھی نہ آتی لیکن تمہیں اس حالت میں دیکھ کر دل دکھتا ہے میرا میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔“ صبحی نے کہا تو افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
”میں سکندر کے نام کا جوگ نہیں لے رہی لیکن ابھی اتنی جلدی کسی اور کے لیے فیصلہ کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے پلینز مجھے بار بار ڈسٹرب مت کرو۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہے لیکن یہ بھی تو سوچو ضیاء بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔“
”پلینز صبحی مجھے ڈسٹرب مت کرو پلینز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں بے بس ہوں۔“ وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

باہر سے اندر آتا سکندر افشاں کے کمرے کی طرف کسی کام سے ہی بڑھا تھا لیکن اندر سے آنے والی آوازوں نے اسے وہیں روک لیا تھا۔

”سکندر کو تو شاید ہی تمہاری تڑپ اور محبت کی خبر تک نہ ہوگی۔“

”میری ماں نے ہمیشہ مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ دنیا کے کسی کو نے میں ایک شخص سانس لے رہا ہے وہ میرا خالہ زاد ہے اور وہی میرا ہم سفر ہوگا۔ اماں دن رات بس یہی باتیں کیا کرتی تھیں پھر ماں مر گئی پھر پوچھا سوتھ لے لے میں اب مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر پوچھی میری کل کائنات تھیں یا سکندر کا ان دیکھا وجود۔ مجھے اماں ان کا رابطہ دے گئی تھیں اور پھر برسوں بعد سکندر سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد سے ہی میں نے جان لیا تھا کہ وہ ہمارے رشتے سے بے خبر ہے۔ میں نے بھی چپ سا دلہ کی کہ شاید کبھی نہ بھی تو اسے علم ہو ہی جائے گا لیکن مجھے نہیں بتا تھا کہ میری خاموشی یہ رنگ لائے گی۔ لالہ رخ کا آنا اور پھر سکندر کی زندگی کا حصہ بن جانا میں نے بس ہوں یا راضیاء کو کبھی انتظار کرنے سکندر کا وجود برسوں سے میری سوچوں کا محور رہا تھا اب ایک دم اپنے محور سے نکل کر کسی اور محور میں جانا بہت مشکل امر ہے۔ مجھے ابھی خود کو سنبھالنا ہے شاید وقت کے ساتھ ساتھ میں سنبھل جاؤں۔“ افشاں کے انداز پر صبحی خاموش ہو گئی تھی بے حس و حرکت تو سکندر بھی ہو گیا تھا۔ افشاں اس کو چاہتی تھی لیکن بھی اس نے اسے احساس ہی نہ ہونے دیا تھا وہ تو ہمیشہ اسے ایک خالہ زاد سمجھ کر ہی ملا تھا۔

وہ ان کے گھر میں شفٹ ہو چکا تھا تب بھی کبھی بھی افشاں کی ذات سے یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے کیا سمجھتی ہے؟ اور اب یہ اتنا بڑا انکشاف جبکہ وہ لالہ رخ کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ سکندر کے اندر شریک دکھ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ افشاں اور اس کی زندگی ایک جیسے حالات اور ایک جیسے واقعات کے تحت گزری تھی اور وہ اس کے دکھ سمجھ سکتا تھا اس کے احساسات اور جذبات لیکن وہ افشاں کی زندگی کا یہ پہلو کبھی نہ جان پایا تھا۔

انجانے میں وہ افشاں کی ذات کے لیے ایک بہت بڑے دکھ کا سبب بن گیا تھا۔ سکندر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا چند دن مزید سرے کو تو لالہ رخ کا غم بھی ڈھلنے لگا تھا وہ اب سنبھلنے لگی تھی افشاں مزید سنجیدہ ہو چکی تھی۔ ضیاء کے جانے میں بس چند دن باقی تھے وہ سکندر کے پاس آیا تھا اور اپنا پر پوزل کا بتاتے افشاں کو منانے کا کہا تھا۔ سکندر جو انجانے میں ہی افشاں کے دکھ کا سبب بن چکا تھا وہ اب افشاں کو خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا تھا اس نے ضیاء سے افشاں کو منانے کی ہامی بھری اور پھر اس نے اسی شام افشاں سے بات کی اور افشاں نے ہمیشہ کی طرح فوراً انکار کر دیا تھا۔

”افشاں! میں تقدیر پر یقین رکھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں جو بھی ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ لالہ رخ کا میری زندگی میں داخل ہونا اللہ کی طرف سے طے شدہ تھا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو تو میں شاید نہیں دکھ دینے سے پہلے ضرور سوچتا لیکن میں بالکل بے خبر تھا۔“ افشاں ایک دم حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

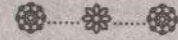
”تم..... تم جانتے ہو؟“ اس نے سر جھکا کر پوچھا تھا۔
”ہاں کچھ دن پہلے ہی علم ہوا تھا جب تم صبحی سے ذکر کر رہی تھیں اور میں نے لاعلمی میں سب سن لیا تھا۔“
”اوہ.....“ افشاں خاموش ہو گئی تھی۔

”ضیاء ایک بہت قابل اور محنت کش انسان ہے میں نے اس میں زندگی کی لگن اور جوش دیکھا ہے اور پھر وہ تم سے محبت کرتا ہے وہ تمہارا مطلب گارہے وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے۔“
”لیکن ابھی میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے سکندر! میں نے تمہارے بارے میں اسی دن سے سوچنا

بندر کر دیا تھا جب لالہ رخ تمہاری زندگی میں داخل ہوئی تھی لیکن ضیاء کی زندگی کا حصہ بننے کے لیے مجھے ابھی بہت کچھ بھولنے اور بہت کچھ قبول کرنے کی ضرورت ہے اور اس سب میں بہت وقت لگ جائے گا۔“ سکندر نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”اماں بتاتی ہیں کہ خالہ اور ان کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ اماں اپنی بیٹی کی شادی ان کے بیٹے سے کریں گی۔ خالہ ندر ہیں لیکن اماں نے خالو سے یہ بات ضرور کی تھی اور جب انہوں نے ہمیں سجان انکل کے حوالے کیا تھا تو سجان انکل کو بھی بتادیا تھا لیکن وقت گزرتا رہا۔ اماں ندر ہیں اور خالو نے بھی پلٹ کر رابطہ نہ کیا اور تم چلتے میں سمجھتی رہی کہ شاید وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں خبر ہو جائے گی میں خاموش رہی اور میری خاموشی ہارنگی اور وقت کی چال جیت گئی۔ تم لالہ رخ کا مقدر بن گئے اور میں نے اسی دن سے تمہیں سوچنا چھوڑ دیا لیکن یہ دل و دماغ ہیں کہ کچھ بھی قبول کرنے کو ابھی تک تیار ہی نہیں۔“ سکندر نے ایک گہرا سانس لیا تھا دھیرے سے افشال کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

”جو ہوتا تھا ہو چکا ہے لیکن اب تمہیں اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال برباد نہیں کرنے دوں گا میں نے ضیاء سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں اس کے لیے راضی کر لوں گا اور پھر تم میری خاطر میرے اس وعدے کو مت ٹوٹنے دینا پلیز افشال!“ افشال نے ڈڈبائی آنکھوں سے سکندر کو دیکھا تھا۔ جس کی آنکھوں میں مان جانے کی التجائی۔ افشال کی آنکھوں سے آنسو بہتے تو اس کی سسکیاں گونج اٹھیں سکندر نے اذیت سے لب دانٹوں تلے دبا لیے تھے۔



چائے پینے کے بعد ولید کے اصرار پر مصطفیٰ اسے سہارا دیتا ہا ہر لان میں لے آیا۔ آج بہت دنوں بعد وہ کھلی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ وہ پہلے سے کافی بہتر تھا اس کے بازوؤں کندھوں ٹانگوں کی جوئیں بھی کافی بہتر تھیں تاہم سر کی چوٹ ابھی درد کر رہی تھی۔ کئی ٹیبلٹ ہو چکے تھے پر پریشر ٹینشن چل رہا تھا۔ صبحی بھی اب بہتر تھیں ان کے ہاتھ کا فرائیڈر ابھی بھی موجود تھا تاہم وہ اب اپنے بوتیک جانا شروع کر چکی تھیں۔

”تم نے انا کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟“ دونوں آہستہ آہستہ لان میں ٹہل رہے تھے جب ہی مصطفیٰ نے اچانک پوچھا۔

”کیا کیا ہے میں نے؟“ وہ دونوں رک گئے تھے۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔“ مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں ملائی انداز میں دیکھا تو وہ ہنسا۔

”میں نہیں جانتا میں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے تم پلیز بتا دو۔“

”تم نے جان بوجھ کر اس کے ہاتھ پر چائے گرائی تھی۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ولید طنز یہ مسکرایا۔

”تمہاری نظر کا دھوکہ ہے ورنہ سب دیکھ رہے تھے کہ وہ محض اتفاق تھا۔“ ولید مطمئن تھا۔

”سو چیپ یار! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا وہ بے چاری تمہیں محض چائے دے رہی تھی اور تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ جواباً ولید خاموش رہا۔ وہ پھر دھیرے دھیرے چلنے لگا تھا مصطفیٰ کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔

”تم دونوں کے درمیان جو بھی ہو رہا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حماد پاکستان سے باہر ہے اسے واپس آنے میں دو ماہ تو لگ ہی جائیں گی۔ شہوار بتا رہی تھی کہ پھوپکا ارادہ حمادی واپسی کے فوراً بعد رخصتی کا ہے۔“ ولید خجیدگی سے بولا۔

”یار انا اگر بے وقوفی کر رہی ہے تو کم از کم تمہیں تو اسٹینڈ لینا چاہیے تھا نا۔ تم گھر والوں کو روکے“ حماد بے شک میرا کزن ہے لیکن وہ تم سے زیادہ مجھے عزیز نہیں ہو سکتا۔ میں تم دونوں کو اس طرح دور ہونے نہیں دیکھ سکتا امپائل۔“

”زیادہ ایہ مشغل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود یہ پکڑ لیں کری ایٹ کرنے کا سبب بنی تھی آپے شکی مزاج کی وجہ سے۔“ مجھ پر یقین ہی نہ تھا۔ نجانے کس کس کو لے کر وہ مجھ سے بدظن ہوتی رہی شک کرتی رہی اور پھر اس نے خود ہی اپنی راہیں الگ کی تھیں حماد کو درمیان میں لا کر۔“ ولید کا انداز تپا ہوا اور دو ٹوک تھا۔

”تو تم نے کیا کیا..... تم نے بھی نہ جانے کی کوشش کی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی کیا وجہ تھی اگر وہ شک کر رہی تھی تو کیوں؟“ مصطفیٰ نے اس کو ٹوکا تو وہ طنز یہ مسکرایا۔

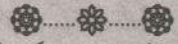
”ہاں کوشش تو کی تھی وہ کاغذ کو لے کر اس حد تک بدظن ہو گئی تھی کہ اس نے کاغذ کی باتوں پر یقین کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں کیا تھا؟ میرا کریکٹر میری ذات ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی جو کاغذ نے اسے کہا اس نے اس پر یقین کیا جو اس نے بتایا یہ ایمان لے آئی۔ میری ذاتی قدر کچھ بھی کام نہ آ سکی وہ اس قدر بدظن تھی کہ اس نے اپنی راہیں الگ کر لیں اب میں بے اہمیت انسانوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتا اس کی مٹیں کرتا اپنی صفائیاں پیش کرتا ایم سوری مجھ سے یہ سب نہیں ہو پایا تھا۔ یہ سب میری انا میرے وقار کے خلاف تھا اور مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ سب سے زیادہ عزیز تھی۔“ لیکن یہ سب جو ہو رہا ہے یہ بھی کچھ اچھا نہیں ہو رہا۔“ مصطفیٰ نے دکھ سے کہا تو ولید نے غصے سے سر جھٹکا۔

”وہ اپنے فحش و نقصان کی خود ہی ذمہ دار ہے وہ جو کرتی ہے جو کرنا چاہتی ہے وہ اس کا دوسرا ہے۔ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں۔“

”لیکن غیر جانبدار تو تم اب بھی نہیں ہو پارے اگر تم بالکل لائق ہو جاتے تو کچھ دیر پہلے تم نے جو حرکت کی تھی وہ نہ کرتے۔“ مصطفیٰ کے لہجے میں گرمی تھی ولید ہنس دیا۔

”چھوڑو کوئی اور بات کرو تم سناؤ جا ب جیسی چل رہی ہے تمہاری۔“ ولید نے موضوع بدلا۔ مصطفیٰ نے بہت خجیدگی سے اسے گھورا تو وہ مسکرا رہا تھا عجیب انحلال بھری مسکراہٹ تھی۔

مصطفیٰ کے دل کو اس مسکراہٹ نے عجیب سے انداز میں چھوا تھا اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیتے قدم آگے کی طرف بڑھائے۔



افشال مان گئی تھی ضیاء کے باہر جانے سے پہلے دونوں کا نکاح کر دیا گیا تھا۔ لالہ رخ بھی اب ماں کے غم سے نکل کر سکندر کے ساتھ زندگی کو مطمئن انداز میں گزار رہی تھی۔ ضیاء باہر چلا گیا تھا وہاں جا کر سکندر کی پرپاری اس نے سنبھال لی تھی۔ سکندر کا پارٹنر اب ضیاء کی رہائش گاہ تھا تاہم دکھائیں ابھی بھی دیگر لوگوں کے پاس تھیں ضیاء نے بھی وہاں جا ب کر لی تھی وہ آہستہ آہستہ سیشنل ہو رہا تھا۔ اس نے باہر جانے سے پہلے افشال سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد سیشنل ہوتے ہی اسے بھی اپنے پاس بلائے گا اور وہ اسی سلسلے میں دن رات کوشش کر رہا تھا۔ سکندر کا لکڑی کی جا ب چھوڑ چکا تھا اس کے پاس اب کچھ رقم نہیں ہو گئی تھی وہ چاہتا تو لالہ رخ کے ساتھ امریکہ چلا جاتا لیکن وہ کچھ عرصہ سی ملک میں گزارنا چاہتا تھا صبحی اور وقار بھی اکثر چکر لگاتے تھے۔

لالہ رخ مستقل گھر میں رہتی تھی وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی اس نے خالہ بی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ زندگی بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ جب ایک دن کانجے سے واپسی پر افشال اپنے گھر کے سامنے ایک بہت بڑی چمکتی گاڑی کو دیکھ کر کھٹکی تھی گاڑی میں موجود شخص کو دیکھ کر وہ چوکی تھی یہ چوہدری حیات علی تھا سکندر کا حقیقی باپ۔

افشال کو یاد تھا کہ جب تک اس کی ماں زندہ رہی تھی یہ شخص ان سے رابطہ رہا تھا لیکن پھر ماں مر گئی اور سب رابطے بھی

ختم ہو گئے تھے۔ آج برسوں بعد دکھائی دیئے تھے۔ چوہدری حیات علی گاڑی سے نکل کر دروازے تک آئے تھے اور پھر خالہ بی نے دروازہ کھولا تھا افشاں وہیں کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔

”مجھے سکندر سے ملنا ہے۔“ انہوں نے خالہ بی سے کہا اور خالہ بی انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر اندر چلی گئی تھیں اور پھر کچھ دیر بعد وہ باہر آئی وہ ان کو اندر لے گئی تھیں۔ افشاں بھی گھر میں داخل ہوئی تھی سکندر اور پوالے حصے سے بیڑھیاں اتر رہا تھا جبکہ چوہدری حیات علی کو خالہ بی اندر بیٹھک میں بٹھا چکی تھیں۔

”کون آیا ہے؟“ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”چوہدری حیات علی.....“ افشاں نے دھیمے سے کہا سکندر ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔

”لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں؟“ اب کی بار سکندر کے لہجے میں از حد غمخیزگی تھی۔

”یہ تو ان سے مل کر ہی پتا چلے گا تم لوگوں اتنی دیر میں چائے بنوائی ہوں۔“ وہ اسے کہہ کر ساتھ والے کمرے میں گھس گئی۔ بیگ اندر رکھ کر باہر آئی تو ساتھ والے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں وہ خالہ بی کو چائے بنانے کا کہہ کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی دروازے کی جھری سے دیکھا دونوں باپ بیٹا آئے سانسے کھڑے تھے۔ سکندر کا انداز لعلق اور بچہ لپک تھا جبکہ حیات علی غم زدہ ٹڈھال سے تھے۔

”تم اپنے باپ سے خفا ہو میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ میں نے کچھ اچھا نہیں کیا لیکن تم میرے حقیقی بیٹے ہو اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔“

”نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا.....“ سکندر کا انداز ایک دم پھر اہوا تھا۔

”یاد کر میں میں وہی وجود ہوں جسے آپ نے یتیم خانے سے نکال کر اپنے دوست کے حوالے کیا تھا اب کیا لینے آئے ہیں۔“ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں جن کے حوالے آپ نے مجھے کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی مرتے ہیں۔“ سکندر کے انداز میں بہت فحش تھی۔

”میں مجبور تھا میں خود بھی تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن سببان نے کہا کہ تمہارے مستقبل کے لیے یہ بہت ضروری ہے میں خوش نہیں تھا لیکن تمہاری بہتری کے لیے مجھے تمہیں سببان کو کوٹھیا بڑا دینا میں تمہاری جدائی کا کرب سہتے ایک پل بھی خوش نہیں رہ سکا تھا۔“ انہوں نے غم زدہ لہجے میں کہا تھا سکندر نے فحش سے انہیں دیکھا۔

”میری جدائی کا کرب کیا اتنا گہرا تھا کہ آپ نے بھی پلٹ کر میری خبر تک نہ لی تھی۔“

”ایسی بات نہیں۔“ انہوں نے بھلانا چاہا تھا۔

”میں سببان سے مسلسل رابطے میں رہا تھا سببان نے مجھے منع کر رکھا تھا کہ تم سے نہ ملوں ورنہ تم ڈسٹرب ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا سی لیے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ دو سال سے سببان نے کوئی رابطہ نہ کیا تھا میں نے کئی بار کوشش کی۔ سببان کے پاکستان والے گھر بھی جاتا رہا کوئی کچھ بتانے کو تیار ہی نہ تھا اور پھر ایک دن ایک ملازم نے بتایا کہ سببان اور اس کی بیوی کو وفات پانے لگی مبینے ہو چکے ہیں۔ مجھے تمہاری بہت فکر تھی لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ تم کہاں ہو؟ چند دن پہلے مجھے کسی سے خبر ملی تھی کہ سببان کا بیٹا اس گھر میں رہ رہا ہے میں اطلاع ملنے ہی چلا آیا۔“ وہ رنجیدگی سے کہتے سکندر کی طرف بڑھے تھے۔ سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا لیکن سکندر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

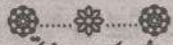
”جو بھی ہے بہر حال مجھے آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔“ سکندر کا انداز قطعی تھا۔

”میں نے زندگی میں ایک غلطی کی تھی مجھے اس بات کی سزا امت دو اب تم جانتے ہو میں وہ سب کرنے پر مجبور تھا۔ تم میرے ساتھ چلو اب سب کچھ بدل گیا ہے میں تمہیں اپنے خاندان میں تمہاری حیثیت اور تمہارا مقام دلاؤں گا۔“

اب ایسا کوئی باقی نہیں رہا جس کی وجہ میں تمہیں خود سے دور رکھنے پر مجبور ہو جاؤں۔ میرے سب بیٹے اور بیٹیاں بہت فرماں بردار ہیں تم ایک بار میرے ساتھ چلو تم دیکھنا وہ سب تم سے بہت محبت سے پیش آئیں گے۔“ ان کا انداز آخر میں احتجاجیہ ہو گیا تھا سکندر نے تنجید کی سے ان کو دیکھا تھا۔

”جب مجھے آپ کی آپ کے خاندان کی ان رشتوں ناطوں کی ضرورت تھی تب تو آپ نے کبھی میری خبر تک نہ لی تھی حتی کہ میں یتیم خانے میں پلٹا رہا کبھی آپ نے پلٹ کر نہ دیکھا اور جب آپ نے کوشش کی بھی تو بھی مجھے ایک ناکارہ عضوی طرح خود سے کاٹ کر کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تب مجھے آپ کے وجود کی آپ کے خاندان اور آپ کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اب مجھے کسی رشتے کسی حوالے کسی بھی تعلق کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کا بیٹا فیضان حیات علی تھا جبکہ میں سکندر سببان احمد ہوں۔ میری شناخت میرا حوالہ سب کچھ بدل چکا ہے میں اپنے آپ کے قدموں پر مضبوط ہو چکا ہوں میری فیملی ہی اب میرا اصل حوالہ ہے۔ مجھے اب آپ سے نہیں ملنا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں رکھنا پلیز آپ یہاں اب دوبارہ آنے کی زحمت مت کیجئے گا۔“ سکندر بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ افشاں کے سامنے سکندر کی شخصیت کا یہ ایک نیا ہیروپ تھا۔ سکندر غصے اور غم کی شدت سے سب کہہ کر وہاں سے نکل کر باہر آیا تھا افشاں کو دیکھ کر رکا اور پھر لب بلب کرنا پڑا جانے کی بجائے گھر سے ہی باہر نکل گیا تھا۔

افشاں نے جھری سے دیکھا چوہدری حیات علی بارے ہوئے انداز میں سر جھکائے رومال سے اپنے آنسو صاف کر رہے تھے۔ افشاں کو ان پر ایک دم شدید رحم آیا تھا لیکن وہ ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی سو وہ خاموشی سے پلٹ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔



واپس پر مصطفیٰ بہت خاموش تھا دوسری طرف شہوار بھی خاموش تھی۔ دونوں کی سوچوں کا مرکز ولید اور انا کی ذات تھی لیکن دونوں ہی ان کے لیے کچھ کرنے میں بے بس تھے۔ گھر آ کر کھانا کھا کر کچھ وقت سب کے ساتھ گزر کر شہوار نماز پڑھنے کمرے میں آ گئی تھی مصطفیٰ کمرے میں آیا تو بستر پر ایک فائل لے کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نماز پڑھ کر آئی تو مصطفیٰ انہی بھی فائل میں مصروف تھا۔

”بات نہیں.....؟“ کچھ سوچتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟“

”پتا نہیں مجھے آپ سے یہ سب کہنا بھی چاہیے یا نہیں لیکن آج انا کو دیکھ کر مجھے لگا کہ ان دونوں کے درمیان دن بہ دن بڑھتے فاصلوں کا صرف ایک ہی حل ہے کہ میں آپ کو بتا دوں۔“ شہوار کا انداز عجیب سا تھا مصطفیٰ چونکا۔

”کوئی خاص بات ہے؟“ جواباً شہوار نے سر ہلایا۔

”بات یہ ہے کہ.....“ اس نے بتانا شروع کر دیا تھا انا کی ولید سے شدید محبت اس کی بدگمانیاں ولید پر شک کرنا کلنف کا اس سے ملنا اس کی کالز کلنف کا زبردستی اسے ساتھ لے جانا بلیک میل کر کے تحریر لکھوا لینا اور پھر واپس چھوڑ کر بلیک میل کرنا یہ بات..... مصطفیٰ حیرت سے سب سن رہا تھا۔

”مائی گاڈ“ مصطفیٰ حیرت زدہ ہوا۔

”نان سینس.....“ کس قدر پاگل ہے یا انا“ سب کچھ سن کر مصطفیٰ کو ایک دم شدید غصہ آیا۔

”عقل نام کی کوئی چیز بھی نہیں اس لڑکی میں۔ اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟“ مصطفیٰ نے ایک دم شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

”تو پھر؟“

انہی سزا جھیلنے کو تیار.....“

حزبِ امت کی بدولت وہ اتنے لوگوں کی زندگی اور جذبات سے کھیل رہی ہے۔“

”وہ بہت شرمندہ ہے۔“ شہوار نے انا کا دفاع کرنا چاہا۔

تھا، شہوار تو ایک دم ساکت ہو گئی۔

کہا؟“ شہوار حب رہی تھی۔ ”اور تم..... تم نے اسی وقت کیوں نہیں بتایا؟ جب امانے تم سے ذکر کیا تھا؟“

”اے بیٹے! یہ کیا دوسرا قصہ ہے؟ مجھ تو ختم ہو چکا۔“

”مجھ کو اڈانٹا ہے۔ میں ہمارے زخموں کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ ”وہ ایک دم خفا ہوئی۔“

شمنگ، کاجا ارا، ساقی، شمشاد، ساکما کجیم سمحان کچانا ارا، رکیچیم انر نہیں کر رہا۔

”آرام سے ادھر بیٹھ کر بات کرو خیر دار یہاں سے ہلے تو۔“ مصطفیٰ نے گھورا۔

آنها را می بیند

سپینس تحریک سے بہرہ یک ما قابل فراموش کہانی

محبت جاوید کے قلم کا شاہکار ناول

عزت

اس حسینہ کی کہانی جسے اس ظالم معاشرے نے جہنم دیا

غور سِزاد

اس عورت کا احوال جس نے ظالم معاشرے میں علم بغاوت بلند کیا

غوریت زاد

آہنی ارادوں والی ریشم بدن کی رواد جس نے وقت کی لگام کو تھام لیا

عورت زاد

حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں پر چلنے والی ایک نازک اندام

عورت آزاد

آگ و خون سے گذر کر منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دریا

عورت زاد

ایک صنف نازک کی سرگزشت، جو باغی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔

عورت زاد

بہت جلد نئے افق کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے

عزتِ اُمّی کے سلسلہ میں اس کو پہنچا دینا اپنی آخری غرض ہے

”میرا رد عمل فطری ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ اس وقت ولید کس قسم کی توڑ پھوڑ کا شکار ہے ایسے عالم میں سب سے زیادہ جس وجود کی سپورٹ اسے درکار ہونا چاہیے تھا وہ انا تھی لیکن ولید کے ساتھ جو کیا ہے اندازہ لگا سکتی ہو ولید اس وقت کس موڑ پر ہے۔“ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سمجھ سکتی ہوں میں، لیکن جب انا ہی کچھ رسپانس نہیں دینے پر آمادہ تو ہم کیا کر سکتے ہیں بھلا؟“ اس نے بے چارگی سے کہا۔

”تم ابھی بھی بہت کچھ کر سکتی ہو بشرطہ کہ تم حقیقت میں اس کی خیر خواہ ہو تو۔“ مصطفیٰ کے جملے نے شہوار کے وجود میں ایک دم گسی لگادی تھی۔

”آپ کا مطلب ہے میں انا کی خیر خواہ نہیں ہوں دشمن ہوں اس کی۔“

”میں نے ایسا کب کہا ہے؟“ مصطفیٰ نے فوراً پتیر ابدلا۔

”لیکن مطلب تو یہی نکلتا ہے نا۔“ اس نے غصے سے دیکھا مصطفیٰ ہنس دیا۔

”بس ثابت ہوا کہ تم دونوں دو تیل ایک جیسی عقل مند ہو۔“ شہوار منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

”اب خود ہی دیکھ لو یہ بات تم پہلے ہی بتا سکتی تھیں خیر اب کیا کرنا ہے میں دیکھ لوں گا۔“ اس کے منہ پھلا کر بیٹھ جانے پر مصطفیٰ نے کہا۔

”کیا واقعی اب سب ٹھیک ہو جائے گا؟“ مصطفیٰ کے نارمل ہونے پر شہوار نے بھی بخجیدگی سے پوچھا انداز میں فکر مندی تھی۔

”معاملہ تو بہت بگڑ چکا ہے پھوپھو ایک طرح سے رشتہ طے کر چکی ہیں انا کی فیملی بھی راضی ہے لیکن کوشش کروں گا اب مکمل طور پر انحصار ولید پر ہے۔ ولید جیسا انا پرست شخص اب مشکل سے ہی مانے والا ہے۔“ مصطفیٰ نے بخجیدگی سے ساری صورت حال واضح کی تھی۔

”کیا آپ یہ سب اب ولید بھائی کو بھی بتائیں گے؟“ شہوار نے فکر مندی سے پوچھا۔

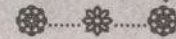
”بتانا تو پڑے گا شاید سب سن کر ولید صورت حال کو سمجھتے ہوئے کوئی اسٹینڈ لے لے۔“

”اور اگر انہوں نے اسٹینڈ ہی نہ لیا تو؟“

”تو پھر تمہاری دوست کی قسمت.....“ مصطفیٰ نے کندھے اچکائے۔ شہوار کے چہرے پر یک دم پریشانی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

”وہیے تمہاری دوست نے معاملہ لگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی دیکھو کیا بنتا ہے۔ اب سب سے پہلے ولید سے بات کروں گا وہ اگر نہ مانا تو انا کے والدین سے اگر ان لوگوں کے دماغ میں معاملہ سلجھانے کی بات آئی تو پھر پھوپھو قاتل کرنے اور رشتہ ختم کرنے کی بات کروں گا“ نتیجہ کیا نکلتا ہے ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے دعا کرو اللہ بہتر ہی کرے۔“

”ان شاء اللہ۔“ شہوار نے سر ہلایا تھا تاہم اندر ہی اندر وہ فکر مند تھی۔ انا اسے بہت عزیز تھی انا کے وجود میں اس نے ایک بہن کی کمی پوری کی تھی۔ بے شک دونوں ہمیشہ بہت سے معاملات میں ایک دوسرے سے کچھ بھی ڈسکس نہیں کر پاتی تھیں لیکن دل سے بندھا دونوں میں جو تعلق موجود تھا وہ ایسا تھا کہ دونوں بھی نہ ایک دوسرے سے غافل رہ سکتی تھیں اور نہ ہی ایک دوسرے کی تکلیف سے بے پروا۔



وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا سوائے امجد خان کے کسی کو بھی علم نہ تھا کہ لالہ رخ کہاں ہے سکندر بھی اب ایک دوست کے ساتھ مل کر امپورٹ ایکسپورٹ کا ایک چھوٹا سا کاروبار شروع کر چکا ہے۔ لیڈر سے بنی مصنوعات ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مختلف چیزیں فیکٹریز سے خرید کر مختلف ڈیلرز کو سپلائی کرنا وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھا، ضیاء بھی امریکہ میں اپنے قدم جما رہا تھا۔

اس نے عیجہ سے اپنا کاروبار شروع کر لیا تھا۔ چھ ماہ بعد اس نے افشاں کو بھی امریکہ بلوایا تھا۔ افشاں کا کبھی کبھی کوئی خطا جاتا تھا وہ اپنی زندگی میں بہت خوش تھی۔ لالہ رخ کو بھی شادی کے محض ایک ماہ بعد ہی اللہ نے خوشی کی امید بگاڑ دی تھی۔ وقت گزرتا چلا جا رہا تھا شادی کے محض دس ماہ بعد لالہ رخ نے ایک بہت ہی خوب صورت بیٹے کو جنم دیا تھا جو، ہوا نے باپ سکندر کی کاربن کاپی تھا۔ بیٹے کا نام دونوں نے عیسیٰ رکھا تھا عیسیٰ بہت ہی پیارا بچہ تھا۔

دقار کی والدہ کی ڈیجھ کے بعد مہوچی اکثر لالہ رخ کے پاس آ جاتی تھی دونوں کا وقت بہت اچھا گزرتا تھا۔ سکندر کو اکثر کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ جاتا تھا خالہ بی اور ان کا قد کاٹا بیٹا ایسے میں بہت بڑا آسرا تھا لالہ رخ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھی۔

عیسیٰ ابھی ایک سال کا ہی ہوا تھا کہ لالہ رخ ایک بار پھر سے امید سے ہوئی تھی۔ وہ اتنی جلدی یہ سب ہونے پر بکھلا گئی تھی تو کبھی نے اسے بہت پیار سے سمجھا تھا۔

جو ہمدی حیات علی اس کے بعد بھی ایک دوبار ان کے گھر آئے تھے اور ہر بار کی طرح وہ پھر نا کام لوٹے تھے۔ سکندر ان کے پاس جانے کو رضامند نہ تھا وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھا۔ اس دولت و جائیداد کی بھی چیز کی اسے کوئی ہوس نہ تھی۔ سو حیات علی کے معاملے میں اس کے دل کا دروازہ نہ کھل سکا تھا اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ ہر بار ان کی لالہ رخ سے ملاقات نہ ہو سکتی تھی۔ لالہ رخ سکندر کے بارے میں صرف وہی جانتی تھی جو نکاح کی رات سکندر نے بتایا تھا اس نے مزید جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی نے بتایا۔ اس بار بھی وہ سکندر سے ملنے آئے تھے اور اتفاقاً وہ گھر پر ہی تھا رات میں ہی وہ مال کی ڈینگ کر کے گھر پہنچا تھا۔

لالہ رخ صوبی کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھی وہ اب کبھی بکھار بوقت ضرورت گھر سے باہر نکلنے لگی تھی۔ اشفاق احمد اور ہمایوں کا خوف اب کی حد تک کم پڑ گیا تھا ابھی بکھار امجد خان کی بھی کال آ جاتی تھی اب ان لوگوں نے گھر میں ٹیلی فون بھی لگا لیا تھا۔ خالہ بی نے سکندر کو اٹھا کر بیٹھک میں بٹھا جاتا تھا ہمیشہ کی طرح سکندر حیات علی کو دیکھ کر مرد ہڑاتا تھا۔

”جی فرمائیے۔“ سلام دعا کے بغیر وہ ان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور دکھائی دے رہے تھے انہوں نے منکر کر اپنے جوان بیٹے کو نگاہ بھر کر دیکھا خوب صورت تو نا جسم..... سڈول بازو جو بغیر کسی ٹیپس کے بنیان میں سے جھانک رہے تھے۔ سرخ و سفید چہرہ گھنے سیاہ بال وہ بہت حسین جوان تھا۔ وہ بالکل اپنی ماں پر گیا تھا زمین کی کاربن کاپی۔ ان کے وجود میں اس قدر خوب صورت وجود کو دیکھ کر طاقت سی بھر گئی۔

”کیسے ہو؟“ انہوں نے ملاحت سے پوچھا تھا۔

”آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟“ سکندر کے انداز میں ان کی ملاحت نے کوئی فرق نہ ڈالا تھا۔ وہی ہمیشہ والا سرد انداز تھا۔

”میں اپنی کچھ جائیداد تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں میں نے شہر میں ایک کوٹھی خرید لی ہے وہ بھی تمہیں دینا چاہتا ہوں تم میرے ساتھ کورٹ چلنا کچھ بیانات ہوں گے اور کچھ اور ضروری کام ہوں گے۔“ سکندر شدید حیران ہوا تھا۔

”کیوں..... میرے نام کیوں کرنا چاہتے ہیں؟“

”تم بھی باقیوں کی طرح میرے بیٹے ہو اس جانیداد کے شراکت دار۔“ انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔

”نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا.....!“ سکندر ان کے ہاتھ رکھنے سے پہلے ہی کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔

”میرا کسی جانیداد کسی جائیداد سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔“ اس کا انداز قطعی تھا۔

”لیکن بیٹا.....!“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا جب خالد بی کا بیٹا چھوٹے سے روتے ہوئے عیسیٰ کو اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”سکندر بھائی یہ بہت دور رہا ہے میرے سے چپ ہی نہیں ہو رہا ہے۔“

”یہ.....“ حیات علی پیارے سے بچے کو دیکھ کر چونکے تھے سکندر نے بچے کو تھام لیا تھا۔

”سکندر بھائی کا بیٹا ہے۔“ خالد بی کا بیٹا کہہ کر کمرے سے بھاگ گیا تھا۔ حیات علی نے از حد فرحت محبت سے بچے کو دیکھا تھا۔

”ماشاء اللہ بہت ہی پیارا بچہ ہے۔“ انہوں نے عیسیٰ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ نجائے کیا ہوا تھا کہ روتا ہوا بچہ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

”ادھر آؤ بیٹا! میں تمہارا دادا ہوں میرے پاس نہیں آؤ گے۔“ انہوں نے محبت سے بازو دیا کیے تھے۔ بچہ بھی ہلک کر ان کی طرف لڑکھا تھا۔

”کوئی تعلق نہیں آپ کا مجھ سے یا میری اولاد سے“ میں کتنی بار آپ کو سنا ہے کہ براہ کرم آپ یہاں تشریف مت لایا کریں میں آپ سے کوئی رابطہ کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔“ تیزی سے پیچھے ہٹتے سکندر نے کہا تھا انداز میں از حد حلقی اور لاتعلقی تھی۔ حیات علی کا دل کٹنے لگا تھا۔

”پلیز آپ میری زندگی میں مداخلت کرنا بند کر دیں میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں اپنی بیوی بچے کے ساتھ بہت خوش گوار زندگی گزار رہا ہوں پلیز آپ بار بار آپ کر میری زندگی میں دخل اندازی کرنا بند کر دیں۔“ مجھے آپ سے کوئی بھی واسطہ کوئی بھی لین دین نہیں رکھنا بڑی مہربانی ہوگی مجھ پر۔“ وہ بڑی سی سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ حیات علی نے بڑی افسردگی سے تم آنکھوں سے سکندر کو جاتے دیکھا تھا۔

وہ بڑے زخم خوردہ اور تھکے انداز میں جھکے کندھوں سے سکندر کے گھر سے نکل آئے تھے ان کا ملازم بخشو ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ تھا۔ یہ ان کی سکندر کے ساتھ آخری ملاقات تھی اس کے بعد انہوں نے ہمیشہ سکندر کی خبر گیری رکھی تھی لیکن پھر کبھی اس کے سامنے جانے کی ہمت نہ کر پائے تھے۔



احسن ولید کو باہر لاؤنچ میں لے آیا تھا انا بھی وہاں موجود تھی۔ ولید احسن کے ساتھ صوفے پر بیٹھا جبکہ صوفے کے بائیں طرف قائلین پرانا بیٹھی ہوئی تھی وہ بظاہر بی وی دیکھ رہی تھی لیکن انداز میں از حد افسردگی تھی۔ ولید نے دیکھا اس کے دائیں ہاتھ پر مرہم لگا ہوا تھا اور مرہم کے نیچے سے چھاتی گلابی جلد جو جلنے کی وجہ سے مزید گلابی ہو گئی تھی۔

ایک بل کو ولید کے دل میں ایک ملال سا جاگا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سر جھٹک کر خود کو اس خود ساختہ ملال سے آزاد کر لیا تھا۔ ولید کو اچھی طرح یاد تھا جب اس نے روشی کے بار بار کہنے پر انا کے سیل نمبر کی انکوائری کروائی تھی اور پھر اسے جو نمبر ملا تھا جس سے سب سے زیادہ کالز نہیں وہ نمبر ولید کو بہت دیکھا بھالا لگا تھا اور اپنے رابطہ کی لسٹ چیک

کرنے کے بعد یہ راز بھی کھل گیا تھا کہ وہ نمبر کس کا تھا۔ انا اس پر شک کرتی تھی، کلاخہ کو نا پسند کرتی تھی لیکن ولید نے کبھی بھی نہ سوچا تھا کہ وہ کلاخہ سے رابطہ بھی رکھے ہوئے ہے۔ کلاخہ کا نمبر انا کے پاس ہونا عجیب کی بات نہ تھی تعجب کی بات تو یہ بھی کہ انا کلاخہ نہ صرف کالز اینڈ کرتی رہی تھی بلکہ وہ اس کو خود سے بھی کالز کرتی رہی تھی، کالز کی نوعیت کیا تھی وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔ یقیناً کلاخہ انا کو بھڑکاتی رہی ہوگی اور انا جیسی عقل مند خاتون آسانی سے اس کا آلہ کار بنتی رہی ہوگی۔ اگر درمیان میں یہ ایکسڈنٹ نہ ہو جاتا تو یقیناً وہ ایک دودن میں انا اور کلاخہ کی کالز کی وائس ڈسٹیکو بھی حاصل کر چکا ہوتا لیکن اب اس کے دل میں انا کے خلاف سوائے غصے اور ملامت کے اور کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔

وقار نکل حماد کا رشتہ نہ صرف قبول کر چکے تھے بلکہ بات شادی تک آچکی تھی۔ حماد کی والدہ انا کو اپنی بیٹی بنا چکی تھیں اب تو بس شادی جیسی رسم باقی تھی باقی بڑوں کے درمیان سب کچھ فائل ہو چکا تھا۔ ولید نے بہت جی سے انا کو دیکھ کر نگاہ پھیر لی تھی جی روشی صوبی کا موبائل لیے ادھر چلی آئی تھی۔

”انا تمہاری کال ہے۔“

”کون ہے؟“ انا سیل توڑ دینے کے بعد انا نے دوبارہ کوئی سیل نہیں لیا تھا، شہوار زیادہ تر روشنی کے نمبر پر کال کر لیا کرتی تھی یا گھر کے پانی سی ایل والے نمبر پر۔ صوبی کے نمبر اس کے لیے یہ پہلی کال تھی۔

”حماد بھائی کی والدہ ہیں۔“ انا ساکت ہو گئی تھی۔ اس نے کم مہم انداز میں ولید کی طرف دیکھا تو اس نے جی ہے اس پر ایک نگاہ ڈال کر چہرہ پھیر لیا تھا۔ انا خاموشی سے انھی روشی کے ہاتھ سے موبائل لے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ ولید نے بہت برہمی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔

”السلام علیکم آئی!“ باہر آ کر انا نے کہا۔

”علیکم السلام! جیتی رہو ٹھیک ہو؟“ انہوں نے محبت سے پوچھا۔

”جی آئی۔“

”تمہاری ماما سے میں بات کر چکی ہوں، بھلے ہم معافی کی رسم نہیں کر رہے لیکن تمہارے لیے ہماری طرف سے کپڑوں وغیرہ کا حق تو بنتا ہے۔ تم مجھے اپنی پسند وغیرہ بتا دو اور نا پ بھی تاکہ ہم تمہارے لیے کچھ نہ کچھ خرید سکیں۔“ انہوں نے محبت سے کہا۔ انا کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کا اندر بالکل خالی ہو گیا ہے۔

”اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی آئی!“ جواباً اسے کچھ کہنا تو تھا ہی دوسری طرف وہ مسکرائی تھیں۔

”لو تکلف کی بھلا کیا بات ہے اب تم ہماری بیٹی ہو تم تمہارے لیے جتنا بھی کریم ہوگا بلکہ شائستہ تو کہہ رہی ہے کہ تم فارغ ہو کسی دن بتا دو ہمارے ساتھ چل کر اپنی پسند کی اشیاء لے لینا۔“ ان کی محبت جوں کی توں تھی۔ انا کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

”اس کو آئی!“ میں اپنے ایگزائیڈ کی وجہ سے بہت بڑی ہوں آپ جو بھی پسند کر لیں گی ٹھیک ہوگا۔“ خود کو سنبھال کر اس نے کہا۔ یہ اب ایک دودن کی بات نہیں تھی عمر بھر کا جوگ تھا۔ وہ خود کو سب کی نظروں سے گرا چکی تھی اور حماد کے علاوہ اب اس کے پاس دوسرا کوئی آپشن بھی نہ تھا۔

ولید کی نفرت اور خود سے برتی جانے والی بے گانگی سب کچھ واضح تھا۔ وہ جو کر چکی تھی اس کے سامنے حماد کو بطور ٹریک حیات قبول کرنا مشکل ضرور تھا لیکن شاید ناممکن نہ تھا۔

”ماشاء اللہ جیتی رہو اور بھی جو پسند ہے ہمیں بتا دو ہم تمہاری پسند کے مطابق ہی شاپنگ کریں گے۔“ ان کی محبت جوں کی توں تھی۔ انا کی ان سے کچھ دیر اور بات ہوئی آئی کے علاوہ شائستہ بھابی نے بھی بات کی تھی۔

شائستہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش اخلاقی سے بات کرتی رہی تھی۔ ان کا انداز بہت فرشتگی تھا ان سے بات کر کے انا کو خود پر چھایا جو کچھ حد تک پگھلتا محسوس ہوا تھا۔ وہ بات کر کے کال بند ہونے پر واپس لاؤنج میں آئی بھی وہاں کبھی مرد حضرات موجود تھے روش بھی وہیں تھیں وہ خاموشی سے اپنی بکس سمیٹ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

”انایت سننا“ صوبو بیگم نے اپنے کمرے سے آواز دی انا خاموشی سے ان کے کمرے میں آگئی تھیں دونوں بستر پر بیٹھی تھیں۔ صوبو بیگم نے کچھ لمبے مزید اسے دیکھا اور پھر محبت سے اس کا ہاتھ تھمایا۔

”ابھی حمادی بابا کی کال آئی تھی۔“ انہوں نے کہنا شروع کیا تھا انا نے محض سر ہلایا۔

”تمہارے پاپا مکمل طور پر اس رشتے کے لیے رضامند ہو گئے ہیں جبکہ میں ابھی تک اس رشتے کو قبول نہیں کر پائی۔ دیکھو بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں حماد کا خاندان بہت اعلیٰ و ارفع ہے لیکن ولید کا سوچوں تو مجھے سب کچھ بے معنی لگنے لگا ہے۔ تم ایک بار پھر سوچ لو ولید بہت اچھا انسان ہے مجھے لگتا ہے کہ تم نے محض جذباتیت میں یہ فیصلہ کیا ہے یہ نہ ہو ولید میں تم پچھتاؤ۔“ انہوں نے محبت سے انا کو دیکھا جو خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

”بیٹا! ساری زندگی کا سوال ہے تم ایک بار مجھ سے اپنے دل کی اصل بات شیئر تو کرو۔“ ان کا انداز بہت محبت آمیز تھا۔ انا کا جی چاہا کہ ان کی گود میں سر چھپا کر سب کچھ کہ دوں۔ بہت روئے اپنی غلطیوں اپنی غلط فہمیوں کا ذکر کروں لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ بس خاموشی سے ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ صوبو نے بہت ضبط سے اسے دیکھا تھا۔

”انا.....“ انہوں نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن انا نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

”ماما جو ہو رہا ہے اسے ہونے دیں، میں اس رشتے سے خوش ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔“

”اگر تم خوش ہو تو پھر تم مجھے خوش دکھائی کیوں نہیں دیتیں۔ سب کچھ تمہارے مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق ہو رہا ہے لیکن تمہارے چہرے سے کوئی خوشی نہیں چھلکتی نہ ہی تمہارے کسی انداز سے کوئی اطمینان دکھائی دیتا ہے۔“ صوبو بیگم ماں تھیں۔ وہ بیٹی کو ایک ماں کی نظر سے دیکھ رہی تھیں اور ان کو اپنی بیٹی کی بھی لحاظ سے نہ خوش دکھائی دے رہی تھی اور نہ ہی مطمئن۔

”ایسی کوئی بات نہیں ماما میں خوش ہوں اور بہت مطمئن بھی۔“ انا کو مسکرا کر ماں کو مطمئن کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

”میں بڑھ لوں پہلے ہی بہت حرج ہو گیا ہے، اب تو کچھ ہی دن رہ گئے ہیں ایگزامز میں۔“ انہوں نے سر ہلا دیا۔ انا وہاں سے نکل گئی انہوں نے صرف خاموشی سے اسے کمرے سے نکلنے دیکھا۔

سکندر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی بیٹی کو دیکھ کر سکندر بہت حیران ہوا تھا سکندر کو اپنی بیٹی کی شکل میں چوہدری حیات علی کی شبیہ دکھائی دی تھی وہ شکل و صورت میں اپنے ماں باپ کے بجائے اپنے دادا پر گئی تھی۔ سکندر اور لالہ رخ دونوں اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھے یہی ان دنوں ضیاء کی کال آگئی تھی۔ ضیاء اور افشاں کے ہاں بھی بچی نے جنم لیا تھا انہوں نے اپنی بچی کا نام روشا نے رکھا تھا۔

زندگی بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ حیات علی نے پھر دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا لیکن ان کا ڈراما پور اکثر سکندر کو اپنی گلی میں آتا جاتا دکھائی دیتا تھا۔ ضیاء وہاں بہت مطمئن تھا اس کا کاروبار ترقی کر رہا تھا ایک دن ضیاء نے کال کی تو بتایا کہ سکندر کی شاپ غیر ملکی کے پاس بھی وہ ماہانہ کرائے کی اجرت ادا کرنے میں اکثر ٹال مٹول کرنے لگا

ہے۔ ایک طرح سے وہ شاپ کا مالک بن بیٹھا تھا اکثر اس کے ساتھ ضیاء کی نگرار ہوتی رہتی تھی۔ سکندر نے اسے اس غیر ملکی سے آرام و سکون سے معاملہ ہینڈل کرنے کی تلقین کی تھی۔

لالہ رخ جو رقم اور زور ساتھ لائی تھی وہ جانتی تھی کہ سکندر یہ سب کاروبار میں استعمال کرے لیکن سکندر لالہ رخ سے کچھ بھی لینے پر آمادہ نہیں تھا۔ لالہ رخ بہت اصرار کرنے لگی تو سکندر نے لالہ رخ کے نام پر کچھ زمین خرید کر اس پر گھر بنوانا شروع کر دیا تھا۔ ایک دن لالہ رخ صوبو کے ہمراہ بچوں کی شاپنگ کے لیے نکلی تھی وہ اب اکثر گھر کی ضروریات اور چیزیں خود ہی خریدتی۔ ہمایوں اور اپنے باپ کا خوف اب خاصا کم بڑ چکا تھا۔ گزے سالوں میں صرف ایک دو بار ہی امجد خان سے رابطہ ہو سکا تھا سنا تھا کہ امجد خان کی دوسرے صوبے میں جاب کے لیے چلا گیا ہے اس نے پولیس کی جاب کر لی تھی باقی کسی بات کا علم نہ تھا۔

اس دن صوبو کے ساتھ شاپنگ کرتے وہ صوبو کو کچھ دیر میں آنے کا ہتا کر ایک اور دکان کی طرف بڑھی تھی جہی دکان کے اندر سے باہر آتے شخص سے وہ بری طرح نگرانی تھی۔ وہ اچھی طرح چادر میں لپیٹی ہوئی تھی، نگرانے سے چادر سر سے پھسل گئی تھی۔

”تم.....!“ سامنے والا وجود اسے دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔ لالہ رخ بھی ایک دم اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر قہقہہ ماری گئی تھی۔

”ہمایوں.....!“ اس کے لب خوف سے کانپتے تھے۔ اس نے فوراً اپنی چادر سر پر کھینچی تھی۔

”لالہ رخ۔“ ہمایوں نے اسے آواز دی تھی۔ لالہ رخ ایک دم ہلٹی تھی اس کا سامان وہیں گر گیا تھا جس کی اسے قطعی پروا نہیں تھی اگر فکر تھی تو ہمایوں سے بچ کر بھاگ جانے کی تھی۔ وہ سر ہٹ بھاگ رہی تھی۔ اسے اپنے پیچھے آتے قدموں کا خوف اتنے جھوم میں بھگا رہا تھا۔ اسے نہیں علم تھا کہ وہ صوبو کو کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر آئی ہے، وہ تو بس سڑک کی طرف بڑھی تھی اور پھر وہاں سے آتے ایک رکشے کو دیکھ کر اس نے فوراً ہاتھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس تک پہنچتے وہ تیزی سے رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔

”بھائی جلدی چلاؤ۔“ وہ چلائی تھی۔ رکشے والا بھی شاید صورت حال سمجھ گیا تھا۔ اس نے فوراً تیزی سے رکشہ چلایا تھا۔ ہمایوں کی گاڑی بہت پیچھے رہ گئی تھی اس نے از حد برہمی سے خود سے دور ہوتے رکشے کو دیکھا تھا۔

”آخر تک مجھ سے بچو گی لالہ رخ آخر ایک نہ ایک دن تو میں تم تک پہنچ ہی جاؤں گا۔“ دور ہوتے رکشے کو دیکھ کر اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے وہ نفرت سے بڑبڑاتا تھا۔

وہ کالج سے لوٹی تو سخت تھکی ہوئی تھی صفراں اسے بلانے آگئی تھی۔

”ضیاء صاحب بلارہے ہیں۔“ وہ جو آرام کرنے کا سوچ رہی تھی وہ پوچھنے لگی کمرے سے نکل آئی۔

”کہاں ہیں ماموں؟“ اس نے صفراں سے پوچھا۔

”وہ ولید صاحب کے کمرے میں ہیں۔“ وہ بتا کر یہ جاوہ جاہوں تھی۔ انا اپنی جگہ رک گئی تھی۔

ماموں ولید کے کمرے میں تھے تو پھر اس کو کیوں بلایا تھا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ ایک دل چاہ رہا تھا کہ چلی جائے دوسرا جی کہہ رہا تھا کہ انکار کر دے۔ ماموں نے خود بلوایا تھا ماموں اب اسے بہت کم مخاطب کرتے تھے کبھی گھر سامنا ہونے پر بھی خاموش رہتے تھے۔ نجائے کیوں بلوایا تھا۔ وہ صوبو کی ولید کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ حسب توقع ولید اپنے بستر پر اڑا تھا۔ چہرے پر برہمی کے تاثرات تھے یوں جیسے وہ ضیاء صاحب سے کسی بات پر سخت برہم ہوا تھا لیکن انا کو

دیکھ کر اس کے چہرے کے عضلات کھینچ گئے تھے۔ ضیاء صاحب اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

”آؤ انا بیٹا۔“

”السلام علیکم ماموں! آپ نے بلایا تھا۔“

”ہاں یہ ذرا ولید کے زخم دیکھو درد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو کال کی تھی کہتا ہے وہ آؤٹ آف سٹی ہے کسی اور کو چیک کروالو۔“

”جی۔“ انا تو ایک دم حیران ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ولید کو دیکھا وہ چہرے پر برہمی کی کیفیت لیے دائیں طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں کسی ڈاکٹر کو کال کرنے ہی والا تھا کہ صغرا نے بتایا کہ تم آگئی ہو دیکھو تو سہی۔“ ماموں نے پھر کہا تو وہ اپنے دل اور سوجن کو سنبھالتی ولید کے بستر کی طرف آئی ماموں اٹھ کر پاؤں کی طرف بیٹھ گئے تھے آج کل ولید کے قدم میں بینڈیج کا سارا سامان میڈیسن وغیرہ موجود رہتا تھا۔

”اوپر بیٹھ جاؤ۔“ ماموں نے ولید کے پہلو میں بستر کے کنارے پر خالی کی گئی اپنی جگہ انا کو پیش کی تھی۔ انا خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

وہ غلطی سے بھی ولید کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ اگر ایک بار دیکھ لیتی تو اس کی آنکھوں سے نکلنے والے اشعاعوں کو دیکھ کر جل کر جہنم ہو جاتی۔

”بازو دیکھو زیادہ دردا رہی ہو رہا ہے۔“ ماموں نے کہا۔

”بابا! میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ مجھے کسی بھی قسم کے ٹریینٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ انا کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتے اس نے ضیاء صاحب کو غٹکی سے دیکھا۔

”تم دیکھو انا۔“ ضیاء صاحب نے تو سرے سے ہی ولید کی کسی بھی دہائی پر کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ انا نے خاموشی سے ولید کے بازو کو تھاما۔

کہنی سے اوپر ایک گہرا زخم تھا جس کی بینڈیج کرائی جا رہی تھی چھوٹے موٹے زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے مگر بے زخموں کا ابھی بھی ٹریینٹ کیا جا رہا تھا۔ ولید بغیر بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ انا نے آہستگی سے زخم پر کی گئی

پٹی کھولی شروع کر دی تھی۔ ولید کی ٹانگی پیچھی ہوئی تھی جیسے وہ خود پر شدید ضبط کر رہا ہو۔ انا نے اپنی اتار کر زخم دیکھا۔ پھر روٹی لے کر ڈینول میں ڈپ کر کے اس نے زخم صاف کیا۔ زخم میں ہلکی سی پیپ پڑی تھی شاید اس لیے زخم درد کر رہا تھا۔

اس نے روٹی اور ڈینول کے ساتھ سارا زخم صاف کیا تھا۔ یہ زخم شاید ونڈا سکرین کا شیشہ ٹوٹنے سے لگا تھا کافی گہرا زخم تھا اس لیے تو ریکور ہونے میں کچھ وقت لے رہا تھا۔ انا نے زخم پر ہر ہم لگا کر زخم کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔

”اس کو کھلا رہنے دیں، بینڈیج مت کرائیں ورنہ پیپ بڑھ جائے گی۔ کھلا زخم خشک ہو کر کھر ٹڈ آنے سے جلدی منڈل ہوگا۔“ اس نے ماموں کو کہا۔

ولید نے برہمی سے اس کی گرفت سے اپنا بازو نکالا تھا۔ وہ جو دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی ایک دم اسے دیکھا تھا۔ ولید کی نگاہوں میں شدید لپک تھی۔ غم و غصے کی گہری کیفیت تھی، وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی۔

”کمر کے پیچھے جو زخم ہے وہ بھی دیکھ لو اور سر کا زخم بھی۔“ ماموں کو تو جیسے بیٹے کے غصے کی غلطی کوئی پروا نہ تھی۔ آرام سے ایک اور بیان جاری کیا۔

”بابا!۔۔۔۔۔ ولید نے باپ کو گھور کر شدید احتجاج کرنا چاہا۔

”خاموش، مریض نہیں بولتے۔“ ماموں کا انداز ایسا تھا کہ انا کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ چلی تھی جسے اس نے بشکل ہونٹ بھیج کر روکا تاہم اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا تاثر بڑی شدت سے ابھرا تھا۔ ولید اس کے چہرے کو دیکھ کر ایک دم پھر اٹھا انا کی مسکراہٹ نے تو گویا اس کے اندر آگ ہی لگا دی تھی۔

”بابا! پلےز اب میں اتنا بھی معذور نہیں ہوں کہ مجھے ہر ایرے غیرے کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ شہر میں ڈاکٹروں کی کمی نہیں پڑ گئی کہیں بھی جاسکتا ہوں آپ گاڑی نکلو انیس بس۔“ اس کا انداز بہت برہم تھا خصوصاً جیسے الفاظ انا نے لب بھیج گئے تھے۔

”بہت بری بات ہے ولید۔“ ماموں نے سخت تنبیہی انداز میں بیٹے کو دیکھا وہ لب بھیج کر غصے سے گردن موڑ گیا۔

”انا تم دھیان سے زخم دیکھو۔“ ماموں پر جیسے بیٹے کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ انا نے سنجیدگی سے ولید کے کندھے اور سر کے زخم کو چیک کیا دونوں کی بینڈیج کی وہ سارا وقت سنجیدہ سنجیدہ رہی تھی اور ولید بھی بغیر بولے کوئی چوں چاں کیے خاموش سے ٹریینٹ کر رہا تھا۔

اپنا کام مکمل کر کے انا نے بینڈیج کا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ سامان سمیٹ کر سائیز پر رکھتے اس نے ولید کی میڈیسنز چیک کرنا شروع کی اور دو گولیاں نکال کر اس نے ماموں کی طرف بڑھائی تھیں۔

”یہ ایک درد کی گولی ہے اور دوسری زخم میں اگر پیپ وغیرہ ہو جائے تو اس کو کور کرنے کی ہے آپ یہ دونوں کھلا دیں۔“

”تم ہی کھلا دو۔“ ماموں جیسے آج اپنے بیٹے کا سارا ضبط آزمایا تھا جانتے تھے۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کی موجودگی ولید کے لیے کس قدر گراں گزر رہی ہوگی اس نے گلاس میں جگ میں سے پانی انڈیل کر ولید کی طرف بڑھایا۔ ولید نے بہت غصے سے گلاس تھاما تھا۔ انا نے خاموشی سے اس کی طرف ہتھیلی بڑھا دی تھی۔ ولید نے دیکھا صاف شفاف نرم سی ہتھیلی پر دو پھلورکی ہوئی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سب اسے بہت اچھا لگتا

اور شاید وہ بڑھا ہوا تھا تھا مام لیتا لیکن اس وقت سب کچھ بہت برا لگ رہا تھا دل کر رہا تھا کہ انا کے وجود سمیت ہر چیز کو آگ لگا دے۔ اس نے بہت تیزی سے دونوں پلوں کی منہ میں رکھیں اور سارا گلاس ایک ہی سانس میں پی گیا تھا۔

گلاس خالی کر کے اس نے ٹیبل کی طرف پختہ جانا تھا جب انا نے ہاتھ بڑھا کر گلاس تھام لیا۔

”میں رکھ دیتی ہوں۔“ اس نے گلاس لے کر سائیز پر رکھا۔ گلاس رکھ کر اس نے ماموں کو دیکھا۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ میں اب جاؤں۔

”تم اب گھر پر ہی ہو چکے ہو ولید کے پاس بیٹھو کافی دیر سے بور ہو رہا تھا مجھے ایک دوست کو کال کرنی ہے صبح سے اس کی کئی کالز چلی ہیں۔“ ماموں نے مسکرا کر کہا اور انا نے گھبرا کر ولید کو دیکھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

”بابا!۔۔۔۔۔ وہ احتجاجا جھپٹا۔

”کیا ہے بارتھی دیر سے تمہارے پاس تھا اب ایک کال تو کر لوں۔“ ماموں نے جواباً بیٹے کو گھورا۔

وہ انا کو اشارہ کرتے وہاں سے چلے گئے اور انا وہ جیسا انی جگہ چوری بن گئی تھی۔

”میں روش کو بھیجتی ہوں ابھی کالج سے آئی تھی بھوک لگی ہے کھانا کھا لوں۔“ ولید اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ اس نے بہتر یہی جانا تھا کہ اٹھ کر یہاں سے چلی جائے۔

”سنو۔“ ولید نے پکارا تھا انا کے قدم ختم گئے تھے۔ انا کو لگا کہ جیسے وہ جمی گئی ہو۔

”تمہاری طرف میرے اتنے حساب نکلتے ہیں کہ اگر بدلے پر آؤں گا تم بہت بری طرح پھنسو گی بہتر یہی ہے کہ تم میرے سامنے مت آیا کرو تمہیں دیکھتا ہوں تو نفرت محسوس ہونے لگتی ہے تم سے تمہارے جیسی شکی مزاج لڑکی جس کے نزدیک رشتوں کا تقدس محض شک کی ایک نگاہ پر منحصر ہے اس کی شکل دیکھنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ گیٹ لاسٹ آئندہ میرے سامنے آئیں تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔“ ولید کا انداز بہت انسٹلنگ تھا۔

احساس توہین سے زیادہ ذلت کا احساس تھا اور سب سے بڑھ کر ولید کی آنکھوں میں دکھائی دی جانے والی نفرت۔ انا کو لگا کہ جیسے اس کا وجود کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا ہو۔ ولید نے بھی اس سے اگر محبت کا اظہار نہیں کیا تھا تو اس سے اس طرح نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا اور یہی سبھی وہ اس کے ساتھ اس قدر بے انداز میں پیش آیا تھا۔ انا نے ایک بار پھر ولید کو دیکھا اس کی آنکھوں میں خفگی و نفرت کے احساس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ انا لب بھیج کر تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید کے کمرے کی طرف آتی روشی بے اختیار ایک طرف ہوتی تھی ورنہ بے اختیار تیزی سے بھاگتی انا سے ضرور ٹکرا جاتی۔ انا بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ روشی نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ حیرانی کا سبب انا کے پیچھے لب اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو تھے۔ وہ کچھ سوچتی انا کے پیچھے جانے کی بجائے ولید کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ ولید بہت غصے سے کھڑا اٹھا اٹھا کر زمین پر پھینک رہا تھا روشی کو دیکھ کر کا۔

”کیا ہوا بھائی؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”کیوں؟“ ولید نے بہن کو گھورا تو اس نے سنجیدگی سے بھائی کے چہرے کے غصیلے تاثرات کو دیکھا۔

”ابھی انا روئی ہوئی آپ کے کمرے سے نکلی ہے اور اب یہاں جس طرح کھڑی پھینک رہے ہیں لگتا تو یہی ہے کہ یہاں ایک میدان جنگ گرم رہا ہے۔“ بہن کی بات پر ولید ایک پل کو ساکت ہوا۔

پھر سر جھٹک کر خود کو ناہل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ روشی نے آگے بڑھ کر کھڑا اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھے تھے۔

”وہیے سیر میلی بتائیں ہوا کیا ہے۔“ بھائی کے پاس بیٹھ کر اس نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“

”آپ جیسا مرد اس طرح ہا پیر ہو کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔“ روشی ٹلنے والی تھی وہ بھی اتنی آسانی سے۔ ولید نے گھورا۔

”مجھ پر نظروں کے تیر چلانے کی قطعی ضرورت نہیں جو بات ہے وہ صاف صاف بتائیں۔“ روشی کا انداز دو ٹوک تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

ولید نے شروع سے لے کر اب تک کی ہر بات روشی کو کہہ سنائی اور روشی حیرت سے سب سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انا ایک چھوٹی سی بات کو لے کر اس حد تک چلی جائے گی۔

”مائی گاڈ۔“ روشی مسلسل بے یقین اور ولید وہ روشی کو سب بتا کر اور زیادہ ڈیپر یہ سڈ ہو گیا تھا۔

”میں انا سے بات کرتی ہوں بھلا یہ کیا بات ہوئی؟“

”کوئی ضرورت نہیں وہ اپنے ہر عمل میں آزاد ہے اور ایک بار بھیجکٹ ہونے کے بعد میں دوبارہ انا بی بی کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ میری انا اور وقار کے خلاف ہے۔ اب کچھ بھی ہو میں انا سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہوں گا۔“ ولید کا انداز بہت جتنی تھا۔ روشی نے بہت دکھ اور تاسف سے اسے دیکھا۔

عباس آفس میں تھا جب فیضان صاحب کی کال اس نے ریسیو کی اور انہوں نے اس سے جو بات کی تھی عباس وہ سن کر ہی حیران رہ گیا تھا۔

”آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں۔“ عباس نے پھر پوچھا۔

”ہاں، تم اپنے والدین کو آج رات ہمارے گھر لے کر آنا باقی بات پھر وہیں ہوگی۔“ ان کا انداز جتنی اور دو ٹوک تھا۔

کال بند ہو گئی تھی۔ عباس کتنی دیر تک شادی مرگ کی کیفیت میں بیٹھا رہا تھا۔ اس دن وہ فیضان صاحب کے جواب پر اُمید ہو کر پلٹا تھا لیکن انہوں نے اسے پھر روک لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کچھ دن سوچیں گے اور پھر جواب دیں گے۔

اور تب سے عباس انتظار کی صلیب پر لٹک رہا تھا اور آج فیضان صاحب نے کال کر کے گویا مژدہ جان سنا دیا تھا۔

عباس نے اسی وقت شاہزیب کی سیکرٹری کو کال کر کے ان کی موجودگی کنفرم کی اور پھر اپنے آفس سے نکل آیا تھا وہ شاہزیب صاحب کے آفس میں آیا تو وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ اس سے بات کر کے انہوں نے اپنی فیکٹری کے پروڈکشن منیجر سے بات کی تھی۔ تب تک عباس بڑے صبر سے بیٹھا رہا تھا۔ انہوں نے کال بند کی تو عباس ان سے نئے پروجیکٹ کے بارے میں بات کرنے لگا تھا بات کئی تو عباس نے سنجیدگی سے اپنے والد کو دیکھا۔

”بابا جان میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ شاہزیب صاحب ایک دم چومکے تھے۔ ایک دم بزنس امور سے ہٹ کر عباس نے ایک نئی بات کہہ دی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا۔ عباس کا انداز سنجیدہ اور اہل تھا۔

”خیریت؟ یہ ایک دم اچانک شادی کا خیال کیسے گیا؟“ انہوں نے بظاہر سرسری انداز رکھا لیکن اندر ہی اندر وہ چونک ضرور گئے تھے۔

”اچانک نہیں میں بہت عرصے سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔“

”اوکے بہت اچھا فیصلہ ہے۔“ انہوں نے ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ سے بیٹے کو دیکھا تھا۔ ”برخودار ابھی صرف شادی کر لینے کا سوچا ہے یا پھر مزید بھی کچھ پلاننگ کر رکھی ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ بیٹا ان کے بانی دونوں بیٹوں سے قدرے مختلف ہے۔ عباس بڑا بیٹا ہونے کے سبب بہت رعایت لے جاتا تھا وہ اپنا ہر فیصلہ خود کیا کرتا تھا پہلی شادی سے لے کر طلاق اور نیا فیصلہ۔

”لڑکی میں سلیکٹ کر چکا ہوں یقیناً آپ کو بھی پسند آئے گی۔“ عباس نے بتایا تو انہوں نے سنجیدگی سے دیکھا۔

”بس مسئلہ یہ ہے کہ اس کے اور ہمارے اسٹیشن لیول میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک ٹڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہے گھر داری اور اخلاقی لحاظ سے بہت اچھی لڑکی ہے۔“ عباس نے مزید بتایا تھا۔

”دیکھو عباس تم نے زندگی میں عادلہ کو سلیکٹ کرنے کی ایک غلطی کی تھی اس کا خیمہ آج تک ہمارا خاندان بھگت رہا تھا یہ مت بھولو کہ تم ایک بچے کے باپ بھی ہو قاق بے شک بہت توجہ اور پرسکون ماحول میں پل رہا ہے لیکن سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے اور یہ لڑکی یا ٹڈل گھرانے کی لڑکیاں بعض اوقات پیسہ دیکھ کر بدل جاتی ہیں۔“

”اسی کوئی بات نہیں ہے بابا میں نے ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔“ عباس نے کہا تھا

شاہزیب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔

”کون ہے وہ لڑکی؟“

”راجہ۔“ شاہزیب صاحب چونکے۔

”کون سی راجہ؟“

”یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ عرصہ میرے کمپیوٹر سیکشن میں کام کرتی رہی تھی پھر اس نے یہ باب چھوڑ دی تھی۔“
 ”لیکن اس لڑکی کی تو شادی ہو رہی تھی تب۔“ شاہزیب صاحب اب اتنے بھی بے خبر نہ تھے۔
 ”جی لیکن پھر نہ ہو سکی۔“

”کیوں؟“ انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”اس کی جس لڑکے سے شادی ہو رہی تھی وہ کہیں اور انوالو تھا پھر اس لڑکے کا کہیں اور نکاح ہو گیا تھا۔“

”اوہ۔“ شاہزیب صاحب کو یہ جان کر حقیقتاً آنسوں ہوا تھا۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی تھی۔

انہیں یاد تھا کہ اسے انہوں نے ہی اپائنٹ کیا تھا عباس کو اعتراض تھا پھر وہ باب کرنے لگی تھی اور عادلہ کی وجہ سے وہ بے چاری کافی زیادہ پریشان بھی رہی تھی۔ تصادف وغیرہ کے مسئلے میں وہ بھی انوالو ہوتی تھی۔

”لڑکی تو بلاشبہ واقعی بہت اچھی ہے لیکن اس کا گھر اتنے بڑے لوگ کیا کہیں گے وہ ہماری ایک عام سی اسلامیاتی تھی بیٹا۔“

”بابا ایسی باتیں مت کریں میں جانتا ہوں آپ سے ہمیشہ انسان کے کردار اور اس کی خوبیوں کو اہمیت دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی بھی اپنے سب سے چہیتے بیٹے مصطفیٰ کی شادی شہوار جیسی لڑکی سے نہ کرتے کہ جس کے خاندان تک کی کسی کو خبر نہیں، جبکہ رابعہ کا ایک خاندان ہے والدین بہن بھائی ہیں۔ بھلے مالی لحاظ سے وہ لوگ ہم سے کم تر ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے میں نے ان لوگوں کو خود سے بہت بلند تر پایا ہے۔ میں عادلہ کی طرف سے ایک بار دھوکہ کھا چکا ہوں میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اس پر کوئی آؤٹ لیکشن ہوگا۔“ عباس کا انداز جتنی اور فیصلہ کن تھا۔

”لیکن بیٹا خاندان میں بھی کچھ لڑکیاں موجود ہیں میں دیر کے بارے میں سوچ رہا تھا ہمارے خاندان کی ہے ہماری بیٹی ہے۔“

”دیر، بابا وہ دوسری عادلہ ہے آپ نے اس کے بارے میں کیسے سوچ لیا۔“ عباس کو شدید دھچکا لگا تھا۔
 ”وہ عرصہ دراز سے بیرون ملک میں رہی ہے وہیں پیدا ہوئی پلی بڑھی ہے شاید کچھ عرصہ ہمارے درمیان رہے تو بدل جائے۔“

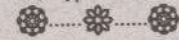
”میں مفروضوں کی بنیاد پر اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا بابا، وہ کئی ماہ سے ہمارے درمیان ہے ایک انچ بھی اس کی ذات میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا مزید کی کیا امید رکھوں، ایم سوئی بابا۔“ شاہزیب صاحب نے خاموشی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

”آپ ایک بار میرے ساتھ چل کر ان لوگوں سے مل لیں آئی ہو آپ کو سب لوگ پسند آئیں گے مالی لحاظ سے کمزور ضرور ہیں لیکن کرداری لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ آج رات کا ٹائم دیا ہے رابعہ کے ماموں صاحب نے آپ کو ماں جی کو لے کر ان کی طرف جانا ہوگا۔“ عباس نے مزید بتایا تو شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”اوکے لی پی پی، ہم ضرور جائیں گے کس وقت پہنچنا ہے منفرم کر کے ہمیں بتا دینا۔“ بیٹے کا کندھا چھپتھا کر حوصلہ افزائی کی تو عباس ایک دم مسکرا دیا تھا۔

”تھینک یو سوچ بابا۔“

”جیتے رہو، یہ ایک دو فائلز ہیں ان کو دیکھ لو، میں ایک میٹنگ میں انوائٹڈ ہوں کچھ وقت لگے گا۔“ انہوں نے موضوع بدلا۔ عباس نے سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے حکم پر سر ہلایا تھا۔



آج فیضان صاحب جلدی گھر آ گئے تھے۔ ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان تھا وہ تمام چیزیں انہوں نے بھابی کو تھا دی تھیں اور خود بآپا کے پاس کرسی پر آ بیٹھے تھے۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ اماں نے سہیل بھابی کو بھی آواز دے دی تھی۔ وہ روم میں سو رہے تھے اماں کی پکار پر ان کے پاس ہی آ بیٹھے تھے۔ رابعہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ مٹیوں کی میٹنگ کافی دیر تک چلی اور پھر ماموں کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ شام سے پہلے ایک فمیلی کے کچھ لڑکوں کو ٹیوشن دیا کرتے تھے ان کی ٹیوشن کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اماں نے بھابی کو بلا کر بتایا تھا۔

”رابعہ کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں کافی امیر فمیلی ہے تم رابعہ کو ساتھ ملا کر کھانے پینے کا اچھا سا انتظام کر لیتا۔“ بھابی سن کر ایک دم یکساں ہونے لگی تھیں۔
 ”کون لوگ ہیں؟“

”رابعہ کے آفس کے لوگ ہیں جن کے ہاں وہ نوکری کرتی تھی۔“

”ہائے اللہ وہ لوگ تو بہت امیر ہیں۔“ بھابی تو ایک دم حیران ہوئی تھیں۔

”رابعہ کے ماموں سے لڑکے نے کئی بار بات کی ہے وہ راضی ہیں آج شام میں آنے کا وقت دیا ہے ان لوگوں کو۔ اب وہ آئیں گے دونوں طرف ملنا ہوتا ہے تو فیصلہ کریں گے۔“

”ہماری رابعہ تو بہت لگی ہے پھر اتنے امیر لوگ..... اس کی تو قسمت کھل گئی۔“ بھابی واقعی بہت خوش تھیں۔

”قسمت تو مقدر سے کھلتی ہے دولت روپیہ پیسہ بھلا کیا قسمت کھولتا ہے، دعا کرو جو بھی ہو ہماری بچی کے حق میں بہتر ہو ورنہ امیری دیکھ کر کون خوش رہ سکتا ہے۔“ اماں کے الفاظ پر بھابی نے سر ہلایا۔

بھابی نے رابعہ کو کھانا کرب بتایا تو وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ تو گزرے دنوں میں ماموں اور سر عباس کی خاموشی سے یہی سمجھتی تھی کہ اب اس رشتے سے انکار ہو چکا ہے لیکن اب یہ نیا فیصلہ وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔

اماں کے کہنے پر اس نے بیٹھنے کی حالت درست کی تھی، باقی گھر کی حالت بھی سنواری تھی۔ اس نے سر عباس کا گھر نہیں دیکھا تھا لیکن وہ جس آفس میں کام کرتی تھی اس کو دیکھ کر وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ ان لوگوں کا لیونگ اسٹائل کیا ہوگا۔ اور پھر ان کے بھائی کی شادی پر ان کے گاؤں جانے پر وہ لوگ جس حویلی میں ٹھہرے تھے اس کی خوب صورتی اور شان و شوکت دیکھ کر ان لوگوں کی امارت کھول کر سامنے آئی تھی۔ گھر کی صفائی سے قانع ہو کر وہ بھابی کے ساتھ چکن میں ان کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔

مغرب کے بعد ان لوگوں نے آنا تھا ماموں مغرب کے بعد بھی گھر نہیں لوٹے تھے۔ مغرب کے بعد اماں کے کہنے پر رابعہ ایک سادہ لیکن کافی اچھا سا سوٹ پہن کر نہادھو کر فارغ ہو چکی تھی بھابی کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے میک اپ نہیں کیا تھا۔ رات سات بجے ان لوگوں کی گاڑی ان کے روڈ پر آ کر دی گئی شاہزیب اور مہر النساء بیگم دونوں تھے ساتھ ڈرائیور تھا وہ گلیوں میں چلنے ان کے گھر تک آئے تھے۔ سہیل بھابی گھر پر ہی تھے۔ عباس نے ڈرائیور کو اچھی طرح سارا ایڈریس سمجھا کر بھیجا تھا سو ڈرائیور کو کوئی دقت نہ ہوئی تھی۔ سہیل بھابی اور اماں نے ہی مہمانوں کو ریسو کیا تھا۔

مہر النساء بیگم کا بڑا پر وقار انداز تھا شاہزیب صاحب بھی آفس ڈیرنگ میں تھے دونوں کی مالی حیثیت ان کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی تاہم دونوں بڑے خلوص اور خوش دلی سے ملے تھے۔ اماں اور سہیل بھابی دونوں سے بات چیت کر رہے تھے۔

”عباس نے مجھے آپ کے ماموں کا بتایا وہ کہاں ہیں؟“

”ماموں نیٹوں پڑھاتے ہیں وہ آج کچھ لیٹ ہو گئے تھے میں نے کال کی تھی کہہ رہے تھے کہ وہ پہنچ جاتے ہیں پکڑ دیر میں۔“ شاہزیب صاحب نے سر ہلادیا تھا۔

مہر النساء بیگم بظاہر خوش دلی سے ثریا بیگم سے مخاطب تھیں لیکن اندر ہی اندر ان لوگوں کی مالی حیثیت دیکھ کر الجھی ہوئی تھیں۔

گھر آ کر شاہزیب صاحب نے بس یہی کہا تھا کہ عباس کے رشتے کے سلسلے میں ایک جگہ چلنا ہے تیار ہو جائیے اس سے زیادہ نہ انہوں نے بتایا تھا اور نہ ہی پوچھنے کا وقت ملا تھا اور وہ تیار ہو کر ان کے ساتھ آ گئی تھیں۔

”بیٹا رابعہ کو کچھ چائے لے آئے۔“ ثریا بیگم نے کچھ دیر بعد کہا تھا سہیل باہر چلا گیا تھا۔ وہ پیغام دے کر پھر واپس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ شاہزیب صاحب سے باہر گزارے گئے تجربے کو شکر کر رہا تھا وہ بھی خوش اخلاقی سے سن رہے تھے۔

رابعہ کے ساتھ بھائی بھی آ گئی تھیں آج سر شام ہی انہوں نے گڑیا کو سلا دیا تھا رابعہ نے سلام کیا تھا مہر النساء بیگم نے کھڑے ہو کر محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔

”یہ میری بیٹی رابعہ ہے۔“ ثریا بیگم نے بتایا تھا۔

پھر مہر النساء بیگم نے بھائی کو ساتھ لگایا تھا انداز خوش اخلاقی لیے ہوئے تھا۔ ثریا بیگم کے اندر اعتماد بڑھا تھا انہوں نے بھائی کا بھی تعارف کرایا تھا۔ رابعہ نے چائے بنا کر شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم دونوں کو دی تھی۔

بھائی دیگر لوازمات لائی تھیں کچھ گھر میں بنایا تھا اور کچھ بڑی میڈان لوگوں نے کافی کچھ اکٹھا کر لیا تھا۔

”ان سب چیزوں کے تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔“ مہر النساء بیگم نے ٹوکا تھا۔

”یہ سب تو آئی آج کل مہمان داری کا حصہ ہے یہ کیسے لیں میں نے خود بنایا ہے۔“ بھائی نے خوش دلی سے پلٹ میں ایک کا پیس ڈال کر ان کی طرف بڑھایا تھا تاہم رابعہ خاموشی سے ثریا بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ باقی چیزیں بھائی ہی سرور رہی تھیں۔ مہر النساء بیگم نے کئی بار رابعہ کو دیکھا تھا۔

نجانے کیوں انہیں رابعہ کا چہرہ دیکھا بھلا لگ رہا تھا۔ عجیب سی کشش تھی جو انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ تبھی ڈور بیل ہوئی تھی سہیل بھائی اٹھ کر چلے گئے تھے ان کا خیال تھا کہ ماموں ہوں گے لیکن ماموں کے بجائے ابو بکر تھا۔

ابو بکر گزشتہ دنوں اپنے گھر شفٹ ہو چکا تھا تاہم ابھی کھاروہ اکثر شام میں ادھر بھی چکر لگایا کرتا تھا۔ سہیل ابو بکر کو بھی وہیں لے آئے تھے۔

ابو بکر ایک بڑھا لکھا نوجوان تھا اس کی کمپنی میں شاہزیب صاحب بہت خوش ہوئے تھے۔ رابعہ اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ مہر النساء بیگم بھی اٹھ کر ثریا اور بھائی کے ساتھ باہر آ گئی تھیں۔ انہوں نے سرسری گھر پر نگاہ ڈالی تھی۔

چند کمرے، ایک چکن ایک ڈرائنگ روم اور ایک چھوٹا سا چکن۔ ان کے گھر کے سامنے یہ گھر کچھ بھی نہ تھا۔ وہ سوچیں تو اس سے بہتر ان کے ملازمین کے گھر تھے لیکن اس گھر کے مکیںوں کی جو بات سب سے زیادہ اٹریکٹ کی تھی وہ ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی تھی۔

وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی تھیں فیضان صاحب نہیں آئے تھے، سہیل بھائی نے کئی بار کالز کی تھیں اور وہ ہر بار کچھ دیر میں پہنچ رہا ہوں کہہ کر کال بند کر دیتے تھے۔ ساڑھے نو بجے شاہزیب صاحب اکٹا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”یار زندہ صحبت باقی سہیل بیٹا اپنے ماموں کو سلام کہیے گا بہت وقت ہو چلا ہے ہم چلتے ہیں۔“

سہیل بھلا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ مہر النساء بیگم اور ثریا بھی وہیں آ گئی تھیں۔ ان لوگوں نے بعد اصرار ان دونوں کو ڈنر

کر کے جانے کا کہا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

”اگر رشتہ داری رہی تو ان شاء اللہ ہم نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ یہاں رکھیں گے بھی لیکن فی الحال دیر ہو رہی ہے رخصت چاہتے ہیں اب ہم۔“ شاہزیب صاحب نے کہا تو ماں نے سر ہلادیا تھا۔

شاہزیب صاحب نے سہیل کا نمبر لے لیا تھا گھر جا کر بیگم سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہہ کر وہ لوگ چلے گئے تھے۔

ابو بکر اور سہیل ان کے ساتھ باہر مین روڈ تک ان کو گاڑی تک چھوڑنے گئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ واپس آ گئے تھے۔ اماں بھائی سہیل بھائی اور ابو بکر سب ہی اسی رشتے پر ہی گفتگو کرنے لگ گئے تھے۔ جب ان لوگوں کے جانے کے 5 منٹ بعد ماموں گھر آ گئے تھے۔

”بہت دیر لگادی ماموں آپ نے وہ لوگ ابھی نکل کر گئے ہیں۔“ سہیل نے شکوہ کیا تھا۔

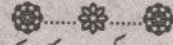
”کیا کرتا یا بڑی مشکل سے گھر پہنچا ہوں پہلے رکشہ لیا اس کا رکشہ خراب ہوا اس نے جس رکشے پر بٹھوایا وہ ٹریفک کے اڈوہام میں پھنس گیا تھا اللہ اللہ کر کے ٹریفک کھلا اور میں گھر پہنچا ہوں۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”ان لوگوں نے کافی دیر انتظار کیا تھا پھر چلے گئے تھے۔“ ماموں وہیں کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

سبھی مہمانوں کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم میں ہی تھے۔

”رشتے سے متعلق کوئی بات کی ان لوگوں نے۔“

”مجھ سے ہی بات کی تھی ان کی بیگم صاحبہ ساتھ تھیں وہی ہمارے خاندان، رشتہ داروں، کہاں سے ہیں سب کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں بظاہر تو اچھے لوگ ہیں اب اللہ مدد کرنے والا ہے۔“ ماموں نے سنجیدگی سے سر ہلادیا تھا جبکہ سہیل شاہزیب صاحب سے ہونے والی گفتگو بتانے لگ گیا تھا اور ماموں سنجیدگی سے سن رہے تھے۔



”کیسا لگا آپ کو یہ رشتہ؟“ گھر میں ان دونوں نے کسی سے بھی ذکر نہ کیا تھا کھانا کھا کر شاہزیب صاحب کمرے میں آ گئے تھے مہر النساء بیگم بھی فارغ ہو کر آئیں تو انہوں نے پوچھا تھا۔

”اگر مالی حیثیت سے بہت کر دیکھا جائے تو بہت ہی اچھا ہے یہ رشتہ لڑکی بھی پیاری سلجھی ہوئی اور تعلیم یافتہ ہے سارا گھر ان ہی سلجھا ہوا ہے لیکن آپ کو اس رشتے کا کس نے بتایا کون لوگ تھے یہ؟“

”یہ لڑکی ہماری فرم میں جاب کرتی تھی پھر اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔“

”اچھا۔“ مہر النساء بیگم حیران ہوئی تھیں۔

”عباس نے مجھے خود اس لڑکی کا کہا تھا اور کہا تھا کہ آج اس کے ہاں جاؤں۔“

”اوہ۔“ مہر النساء بیگم کے لیے مزید حیرانی کی بات تھی۔

”عباس نے خود کہا تھا۔“ وہ واقعی حیرت زدہ تھیں۔

شاہزیب صاحب نے رابعہ اور عباس سے متعلق جو کچھ علم تھا مہر النساء بیگم سے کہہ دیا تھا مہر النساء بیگم سنجیدگی سے سنتی رہی تھیں انہوں نے عادلہ اور رابعہ کا قصہ بھی سنا دیا تھا اور آخر میں عباس کا موقف بھی۔

”ماشاء اللہ لڑکی تو مجھے بہت ہی پیاری لگی ہے بالکل شہوار جیسی۔“ اچانک ان کے ہونٹوں سے نکلا تھا اور پھر وہ خود بھی حیران ہو گئیں۔

”کیا انہیں واقعی وہ لڑکی شہوار جیسی لگی تھی؟“ وہ انہیں۔

”اچھا کیا سوچا ہے پھر آپ نے عباس چاہتا تھا کہ میں آج ہی رشتے کی بات بھی کر کے ڈال لیکن مجھے فوراً یہ سب مناسب نہیں لگا میں نے سوچا کہ پہلے آپ کو دکھا لوں، خواتین میں خواتین کو کچھ کرنے کی صلاحیت بہتر انداز میں موجود ہوتی ہے۔“ مہر النساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ان کی ابھی سوچ کوشاہزیب صاحب کی بات نے کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں دولت، جائیداد کسی کی ہمیں کوئی کمی نہیں عباس کی خواہش بھی ہے تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیں آپ۔“

”ٹھیک۔“ شاہزیب صاحب نے ہنکارا بھرا تھا۔
”میں کل بابا صاحب سے مشورہ کروں گا پھر وہ جو جواب دیں میں وہی کروں گا۔“ انہوں نے کہا تو مہر النساء بیگم نے فوراً اثبات میں سر ہلادیا۔

”یہ زیادہ مناسب ہے وہ خاندان کے بڑے ہیں بے شک عباس لڑکی پسند کر چکا ہے لیکن بابا صاحب کی مرضی اور مشورے سے فیصلہ ہوتا زیادہ بہتر ہے۔“ مہر النساء بیگم نے شوہر کے فیصلے پر فوراً اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

☆☆☆☆

عباس سخت پریشان تھا اس نے شاہزیب سے تو نہیں لیکن اگلی صبح مہر النساء بیگم کو جالیا تھا۔
”کیا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے؟“

”لڑکی تو اچھی ہے پہلی بھی اچھی ہے، رہ گئی مالی حیثیت نہیں نے پہلے اس کو اہمیت دی ہے اور نہ ہی اب دوں گی، تمہارے والد صاحب سے بات کر لی ہے رات ہم تمہارے بابا صاحب سے مشورے کریں گے پھر جو فیصلہ ہوگا دیں گے۔“ عباس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

باقی سارا دن اس کے لیے بڑا ٹھن گزرا تھا اور شام میں بھی وہ جلد آفس سے آ گیا تھا۔ اس نے ماں جی سے بابا صاحب سے مشورہ کرنے کا پوچھا تو انہوں نے کچھ دیر بعد بات کرنے کا کہا تھا۔

کھانا کھا کر کبھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم بابا صاحب کے پاس آ گئے تھے۔ کھانا وہ کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

شاہزیب صاحب نے بغیر تمہید باندھے بابا صاحب کو پوچھ پوچھ کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ انہوں نے کافی دیر سوچا تھا اور پھر سر ہلادیا تھا۔

”لظاہر اس رشتے میں کوئی خامی نظر نہیں آرہی لیکن جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں تو تم اچھی طرح جانتے ہو میں ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتا، عباس کی اگر خواہش ہے وہ خود اس جگہ شادی کرنا چاہتا ہے تو تم دونوں سوچ بچار کر کے فیصلہ کر لو۔“

”میں بتا چکا ہوں تاکہ لڑکی ہمارے آفس میں جاب کرتی رہی ہے ہر لحاظ سے بہت اچھی ہے اصل میں عادلہ کی طرف سے جو نقصان ہم اٹھاتے ہیں اس کے بعد عباس کی ذات کے حوالے سے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ میرے سامنے آفاق کی ذات ہے اور آفاق کو میں کسی سوتیلی ماں کے تجربے سے نہیں گزار سکتا۔“ شاہزیب صاحب نے اپنے خدشات بیان کیے تھے۔

”رسک تو لینا ہی ہوگا خاندان میں کرتے بابا ہر سے لڑکی لاتے دونوں صورتوں میں رسک تو لینا ہی تھا عباس آفاق کا باپ ہے اور کوئی بھی باپ اپنی اولاد کے لیے برائیاں سوچنا کچھ سوچ سمجھ کر ہی عباس آگے بڑھا ہوگا۔“ بابا صاحب کے

الفاظ پر شاہزیب صاحب نے سر ہل کر اپنی بیگم کو دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں ہم ان کو کال کر دیتے ہیں ہم لوگ تو وہاں کا چکر لگا چکے ہیں کسی دن ان لوگوں کو بھی انوائٹ کر لیتے ہیں پھر آپ بھی مل بیچے گا اس کے بعد بات آگے بڑھاتے ہیں شادی یا کتنی جو بھی وہ لوگ چاہیں گے ہم طے کر لیتے ہیں۔“ شاہزیب صاحب نے فوراً حتمی فیصلہ کیا تھا۔

”اچھی رائے ہے یہ بھی، بسم اللہ کرو، اچھے کام میں مزید تاخیر نہیں کرو، باقی اللہ برکت ڈالنے والا ہے۔“ بابا صاحب مطمئن تھے۔ بابا صاحب کے سامنے ساری عمر کا تجربہ تھا۔ عباس ایک میچور مرد تھا۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ عباس نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہوگا اور وہ عباس کی چواکس پر مطمئن تھے۔ سو وہ اس ٹاپک پر شاہزیب صاحب سے مزید ڈسکس کرنے لگے تھے۔

مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب انہیں رالعب اور اس کی فیملی کے بارے میں تفصیل سے بتاتے رہے تھے۔

☆☆☆☆

مصطفیٰ نے آفس ٹائمنگ سے اسٹوڈنٹس کے لیے وقت نکالا تھا۔ وہ اس کی طرف آتا تو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لینا کوئی بزنس میگزین دیکھ رہا تھا وہ ابھی تک بیڈ ریٹ پر تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے ذہن کا بی بھر چکے تھے تاہم ابھی تک اس نے آفس جو آئن نہیں کیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر ولید کا موڈ ایک دم خوش گوار ہوا تھا۔ مصطفیٰ بھی کچھ فرصت سے آیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے بھی مصطفیٰ نے ایک دم بات کا رخ بدلا تھا۔

”پچھو تو مکمل طور پر اس رشتے میں انوالو ہو چکی ہیں وہ ان کی پسند کے مطابق شاپنگ تک کر رہی ہیں۔“ ولید جو بہت فرلش ہو گیا تھا ایک دم سنجیدہ ہوا۔

”ویسے جو بھی ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا۔“
”سوواٹ جونا چاہتی ہے وہی ہو رہا ہے تمہارے ناچاہنے سے کیا ہو جائے گا بھلا؟“ ولید کا انداز چٹخنا ہوا تھا۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔

”تمہارے لیے میرے پاس کافی خبریں ہیں۔“
”کیا؟“ ولید نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

تب مصطفیٰ نے اسے وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے شہوار نے بتایا تھا ولید نے بہت سنجیدگی سے وہ سب سنا تھا۔ بہت سی باتیں اس کے علم میں تھیں لیکن اب جو کچھ مصطفیٰ نے بتایا تھا وہ بہت حد تک تکلیف دہ تھا اس حد تک بھلا کیسے جاسکتی تھی کہ خود بخود اپنی ذات کو اس حد تک لے گئی تھی اور کاشفہ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک بار اس کے سامنے آ جائے تو وہ اس سے سارے حساب بے باق کر لے۔ اور ان ولید کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور اس کا چہرہ ہنسنے سے سرخ کر دے بھلا اسے کس نے اجازت دی تھی کہ وہ اس کی ذات کو اس طرح رگیدتی۔ کاشفہ ڈبل گیم کھیلنے کے چکر میں بہت برا کر چکی تھی۔ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا حشر نشر کر دے۔

”دھرج سے یار“ ولید کی حالت دیکھ کر مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
”بہت برا کیا ہے اتنے..... بہت برا..... آئی دل کل ہر۔“ وہ واقعی بہت زیادہ ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

”کول ڈاؤن یار۔“

”اور یہ کاشفہ چھوڑوں گا اسے بھی نہیں میں۔“ ولید کا ضبط کے مارے برا حال تھا۔ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر برابر تسلی دی۔

”ویسے یہ کاشفہ کون ہے، مثلاً اس کا بانیؤ بیادہ انا کے ساتھ یہ سب کچھ کی ہے مزید غلط فہمی کی دھمکیاں دے رہی ہے ہر اس سال کر رہی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو تو ایک منٹ بھی آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے، جب تک میں بے خبر تھا اور بات میں اب انکو نہیں کر سکتا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ولید نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

”نہیں، اس لڑکی سے میں خود غبنوں کا اب ویسے بھی اس کی جانب میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔“ ولید کا انداز بہت زہریلا تھا۔

”مجھے حیرت ہوتی ہے تمہاری کب سے ایسی لڑکیوں سے دوستی ہونے لگی اور دوستی بھی اس حد تک آگئی اور میں بے خبری رہا۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں نے اس سے دوستی نہیں کی تھی محض اس کے باپ تک پہنچنے کے لیے راہ و رسم بنائے تھے لیکن چند ملاقاتوں میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکی کس ناپ کی ہے پھر جس طرح انا اسے دیکھ کر پریشان ہونے لگی تھی میں اس سے بچنے لگا تھا پھر حالات ایسے ہوئے کہ نہ ہی اس کے باپ تک پہنچ سکا اور نہ ہی اس لڑکی سے اچھی طرح جان چمڑایا۔“ ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے حیران ہو کر دیکھا۔

”تم اس کے باپ تک کیوں پہنچنا چاہتے تھے۔“
”تھی ایک بات لیکن تم چھوڑو، اس انا بی بی سے تو میں اب اچھی طرح غبنوں کا بات کھلی ہے تو اب دیکھنا کیا کرنا ہوں میں۔“ ولید کو ایک بار پھر انا پر حد سے زیادہ تاؤ آنے لگا تھا۔
”کیا کرو گے؟“

”یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ اب کیا کروں گا میں، اتنی جلدی میں انا بی بی اور اس کی سیاسی دوستی کاشفہ صاحبہ کو معاف نہیں کرنے والا۔“ ولید کا انداز قطعاً اور دو ٹوک تھا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆.....

لالہ رخ ایک بار پھر ماں بننے والی تھی رابعہ ایک سال کی تھی جبکہ عیسیٰ اب کافی سمجھدار ہو گیا تھا خالد بی کا کافی آسرا تھا ان کا گھر کافی حد تک کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ سکندر کا کاروبار بھی کافی حد تک انجمنش ہو چکا تھا۔ وقار کی والدہ کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے ضیاء کے کہنے پر باہر دینے کے لیے اہلائی کر دیا تھا اور خوش قسمتی سے ان کے دوستی و بیرون کی درخواست قبول ہو گئی تھی۔ ضیاء ان لوگوں کو سپورٹ کر رہا تھا اور کچھ وہ لوگ خود انتظامات کر رہے تھے وقار کی کچھ زمین بھی اس نے وہ بیٹی بھی انہوں نے گھر کا بھی سودا کر لیا تھا خوش قسمتی سے گھر بھی اچھے خاصے داموں میں بکا تھا لیکن صوبی بھی ایک بار پھر خلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی سودہ لوگ بچے کی پیدائش کے منتظر تھے تاکہ بعد میں وہ لوگ جا سکیں وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا لیکن لالہ رخ اب اکثر خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

اس نے اتفاقاً ایک دو بار ہمایوں کو دیکھا تھا۔ اور ایک بار اس نے ہمایوں کے کچھ قاصیوں کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ وہ اب گھر سے بہت کم نکلتی تھی۔ عیسیٰ بہت سمجھدار اور باتوئی ہو گیا تھا۔ اکثر اس کے سوال لالہ رخ کو مصروف رکھتے تھے۔ سکندر کی وہی رشتیں تھیں بھی اس شہر تو بھی اس شہر۔ انہی دنوں افشاں اور ضیاء بھی اچانک آ گئے تھے۔ افشاں اور ضیاء کی آمد ان سب کے لیے ایک بہت خوش گوار واقعہ تھی۔ افشاں بہت بدل چکی تھی۔ ضیاء کی محبت نے اسے بہت بدل دیا تھا۔ وہ بے انتہا خوش مزاج اور خوش اخلاق ہو گئی تھی۔

ضیاء اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ ان دونوں کو خوش دیکھ کر سکندر کے دل سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر اٹھا۔ افشاں کی آمد کے ایک ماہ بعد صوبی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ خوب صورت تھیکے میں نقوش والی گڑیا جس

کا نام افشاں نے انا رکھا تھا۔ انا ایک بہت ہی پیاری بچی تھی۔
افشاں احسن اور عیسیٰ اس بچی کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔ بھی ان دنوں احسن کی برتھ ڈے آگئی تھی۔ وہ سب ادھر بٹوائے تھے۔ بڑی دھوم دھام سے برتھ ڈے سلیمیر یٹ کیا تھا۔ لالہ رخ کی ڈیلیوری میں بھی دو مہینے باقی تھے۔ بھی وہاں تقریب کے اختتام پر صوبی نے ضیاء سے ایک خواہش کر ڈالی تھی سبھی وہاں موجود تھے۔
”بھئی میرے احسن کی دلہن روشی بنے گی ضیاء بھائی بس یہ بات یاد رکھ لیں۔“ صوبی نے بہت مان سے کہا تھا جبکہ افشاں ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

”مجھے تو کوئی انکار نہیں افشاں سے پوچھ لو۔“ ضیاء نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔
افشاں نے تمام بچوں کے ساتھ کھیلنے اپنی گول منول گوری چچی سی روشانے کو دیکھا تھا وہ بچپن کے رشتوں کے حق میں نہیں تھی لیکن صوبی کی محبت کے سامنے انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔

”ابھی کوئی بھی فیصلہ نکل از وقت ہے بڑے ہو کر بچے بچانے کیا فیصلہ کریں میں اس چیز کے حق میں نہیں ہوں میں سمجھتی ہوں کہ اس سے بچوں کی نفسیات پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑتا۔“ افشاں نے اپنی رائے دے دی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی، چلیں یہ بات ہم بڑوں میں طے پا جاتی ہے میرا وعدہ ہے ہم بچوں کے سامنے ذکر نہیں کریں گے وہ بڑے ہو جائیں ان کے سامنے پروپوزل رکھیں گے اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آپ انکار نہیں کریں گے۔“ صوبی کے الفاظ پر افشاں مسکرا دی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ بھی خاموشی بیٹھی لالہ رخ نے اپنی گود میں ہاتھ پاؤں مارتی انا کو دیکھا تھا اور پھر وقار کے ساتھ خوش گپوں میں مصروف شو ہو کر۔

”یہاں تو رشتہ داریاں طے ہو رہی ہیں۔“ لالہ رخ مسکراتی تھی۔

”ہاں بھائی تم بھی بہتی گناہیں انا تھو ڈال لو تم بھی آخر کو بیٹے کی ماں ہو فائدہ اٹھاؤ۔“ صوبی نے کھلکھلا کر کہا تھا۔

”روشانے تو بک ہو گئی۔“ گول منول صحت مند سی روشی لالہ رخ کو بہت پسند آتی تھی۔

”ارے تمہیں میں سمجھن کے طور پر بری لگی ہوں کیا؟“ صوبی نے لالہ رخ کو نکھیں دکھائی تھیں۔

”آپ کا مطلب ہے یہ چھوٹی؟“ لالہ رخ نے گود میں پڑی انا کو دیکھا تھا۔

”بالکل۔“ صوبی مسکراتی تھی۔

”میں نے تو اپنی دوستوں دوستوں سے رشتہ داریاں بنائی ہیں اگر اللہ نے اور بچے دیے تو ان کے رشتے بھی تم دونوں سے جوڑنے ہیں۔“ صوبی نے زندہ دلی سے کہا۔ افشاں اور لالہ رخ ہنس دی تھیں۔

”اچھی زبردستی ہے تو۔“ افشاں نے چھیڑا تھا۔

”بالکل۔“ صوبی اتر آئی تھی۔

”یہ تو زبردستی کی سمجھ بن رہی ہے، دیکھو رابعہ ماؤں کے کوئی ارمان ہی نہیں۔“ لالہ رخ نے بھی حصہ لیا تھا۔

”ارے کتنی ناشکری ہو تم دونوں، بیٹھے بٹھے تم دونوں کو رشتے مل رہے ہیں اتنا خوب صورت داماد اور اتنی پیاری

کی بہو کہیں اور سے ڈھونڈ کر دکھانا تم دونوں مجھے۔“ صوبی کی باتوں پر وہ بھی ہنس دیے تھے۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ صوبی اور وقار کے جانے کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے لالہ رخ کے ہاں پھر ایک بیٹی نے جنم لیا تھا۔

بہت ہی پیاری اور خوب صورت بچی تھی بالکل لالہ رخ کا پوتو، سکندر نے اپنی اس بیٹی کا نام عائشہ رکھا تھا۔ جس دن عائشہ پیدا ہوئی تھی اس سے اگلے دن صوبی اور وقار بچوں سمیت امریکہ کے لیے فلائی کر گئے تھے روشانے بھی ان کے

بعد ایگزامز شروع ہو رہے تھے پھر اس نے صرف ایگزامز دینے آنا تھا۔ اناس کی کافی ہیلپ کر رہی تھی وہ اکثر اس کے ساتھ آجاتی تھی یا فون پر ڈشیل سمجھا دیتی تھی اور نوٹس وغیرہ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیتی تھی، کالج ٹائم ختم ہو گیا تھا۔ انا کا ڈرائیور لینے آیا تو اس نے بھی مصطفیٰ کو کال کی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے خود آئے اور وٹ کرنے کا کہا تھا۔ انا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ کو آدھ گھنٹہ لگا تھا وہاں پہنچنے میں انا مصطفیٰ کے آنے پر چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

”کیا گزرا آج کالڈن؟“ گاڑی ڈرائیور کرتے مصطفیٰ نے پوچھا۔

”بہت اچھا آج کافی دنوں بعد سب سے ملنا ہوا، اساتذہ سے ملی کافی، ہیلپ ملی ہے۔“

”چلو اچھا ہوا، تمہارے ایگزامز کی تیاری اچھی ہو جائے گی پھر.....؟“ شہوار مسکرا دی تھی۔

”اچھی وہ لوگ کالج روڈ پر ہی تھے شہوار کے نمبر پر گھر سے کال بھی ماں جی گھبراہٹ ہوئی تھیں۔“

”لائبہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اسے سین ہو رہا ہے تم کب تک کالج سے فارغ ہو رہی ہو، شاہزیب صاحب کو کال کی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ میں لائبہ کو لے کر کلینک چلی جاؤں وہ اور سجاد وہیں پہنچتے ہیں۔“

”جی میں ادھر ہی ہوں آپ بھابی کو لے کر آئیں میں ان کی اسپیشلسٹ کو کال کرتی ہوں۔“ اس نے

کال بند کی تھی۔

”کیا ہوا؟“ شہوار نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو مصطفیٰ پریشان ہوا تھا۔

”لائبہ بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

”نا مل کیس تھا اللہ خیر کرے ابھی تو چند دن باقی تھے ڈیپوری میں۔“ مصطفیٰ نے گاڑی لائبہ بھابی کی گائنا

کالوجسٹ کے کلینک کی طرف موڑ دی تھی۔ کچھ دیر بعد ماں جی بھی غڈ حال سی لائبہ کو لے آئی تھیں۔ ڈاکٹر لائبہ کو روم

میں لے گئی تھی، شہوار ساتھ ہی تھی۔

شاہزیب اور سجاد بھی آگئے تھے۔ ڈاکٹر نے سب کو تسلی دی تھی ماں جی مسلسل ورد کر رہی تھیں ڈاکٹر نے لائبہ کو ڈرپ

لگا دی تھی۔ جون جون وقت گزر رہا تھا ماں جی کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ شام سے کچھ پہلے مسکرائی ہوئی شہوار

کمرے سے نکلی تھی۔

”مبارک ہو ماں جی، بیٹا ہوا ہے۔“ وہ بے اختیار مہر النساء بیگم کے گلے لگی تھی۔

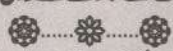
”تیرا شکر ہے مولا۔“ وہ ایک دم ہاتھ اٹھا کر شکر بجالائی تھیں۔

”لائبہ کیسی ہے؟“ سجاد بھابی نے دریافت کیا۔

”الحمد للہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں کچھ دیر میں ڈاکٹر اجازت دیتی ہیں تو آپ لوگ مل بھی سکتے ہیں۔“ سبھی بہت

خوش تھے فاق کے بعد یہ جو ملی کا دوسرا وار تھا۔

ماں جی نے فوراً صدقہ و خیرات نکالا تھا کلینک کے سارے عملے کو دل کھول کر پیسے دیے تھے۔



دریہ نے اپنے موبائل میں موجود ایاز کا نمبر ڈائل کیا اور کال ملنے پر اس نے اسے شہوار کے بارے میں بتایا تھا اور

گھر والوں کے بارے میں بھی۔ ایاز کو کلینک کا ایڈریس اس نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ کال بند کر کے وہ بہت خوش

تھی۔ ایاز پچھلے کئی دنوں سے پاگل ہوا جا رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے شہوار اور مصطفیٰ نکل آئیں اور وہ ان

کو نیست و نابود کر دے۔ آج اسے ایک اچھا موقع ملا تھا۔ ان کی خوشیوں میں رنگ میں بھنگ ڈالنے کا۔ اس کے پاس

ایسی آنکھیں نہیں دیکھی، ایسا کاجل نہیں دیکھا
ایسا جلوہ نہیں دیکھا ایسا چہرہ نہیں دیکھا
اس کے سنگن کا کھٹکنا جیسے بلبل کا چمکنا
اس کی پازیب کی چم چم جیسے برسات کا موسم
ایسا سادہ نہیں دیکھا ایسی بارش نہیں دیکھی
اس کی میٹھی ککڑی ہے بولی، جیسے گیتوں کی رنگولی
سرخ گالوں کا سینہ، جیسے سادہ کا مہینہ
ایسی آنکھیں نہیں دیکھی ایسا کاجل نہیں دیکھا
رخسانہ اسامیل..... تو نسہ شریف

بات چیت چل رہی ہے اور میں اس دوران بہت محتاط رہنا چاہتی ہوں میں ٹڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور میں

نہیں چاہتی کہ کسی کو مجھ پر بات بنانے کا موقع ملے۔“ عباس مسکرا دیا۔

”اوکے آئی لائیک اٹ۔ میں کوشش کروں گا کہ ہماری شادی کا سلسلہ جلدی ملے جا جائے اور پھر آپ کو مجھ سے

بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہو۔“ عباس کی بات پر دوسری طرف موجود راجا ایک دم شپٹائی گئی۔

”ایم سوری آپ غلط سمجھے ہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”لیکن مجھے شادی کی بہت جلدی ہے راجہ، میں آپ کے ساتھ زندگی کو ایک نئے رنگ اور روپ میں جینا چاہتا

ہوں مجھے یقین ہے آپ ایک بہت اچھی بیوی بن سکیں گی۔ میرے والدین راضی ہیں انہوں نے آپ کی

فیملی کو انوائٹ کیا ہے میں اس میں مل جاؤں گا کہ مجھے کوئی دھوم دھڑکا نہیں چاہیے میں سادگی سے شادی کرنا

چاہتا ہوں ٹھیک ہے نا راجہ۔“ عباس نے اس سے تصدیق چاہی تھی۔ دوسری طرف راجہ نیفیوڈ ہو رہی تھی۔

”جی سر..... مجھے بھابی بلارہی ہیں، میں چلتی ہوں۔“ اس نے کال بند کرنا چاہی تھی۔

”رکیں تو سہی۔“ راجہ رگ گئی۔

”میں انتظار کے ان دنوں کو بہت مس کروں گا، میں آپ کے راستے میں امید کے چراغ روشن کیے بیٹھا ہوں مجھے

یقین ہے آپ مجھ تک آنے میں دیر نہیں لگا میں گئی سن رہی ہیں نا؟“ عباس نے کہا لیکن پھر دوسری طرف بالکل

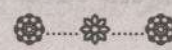
خاموشی محسوس کر کے پوچھا تھا۔

”اللہ حافظ سر۔“ راجہ نے کال بند کر دی تھی۔ عباس اس کی فیلنگز کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ لاکھ با اعتماد سی لیکن تھی تو ایک

لڑکی محبتوں و جذباتوں سے گزرا ہوا وجود، عباس کو یقین تھا لفظ ہر کچھ نہ کہنے والی اپنے محسوسات چھپا کر رکھنے والی یہ لڑکی

اس تک آتے آتے اس کی محبت میں ضرور رنگ چکی ہوں گی اور عباس کو اس وقت کا شدت سے انتظار تھا جب راجہ عباس

کے نام پر اس کے گھر میں موجود ہوگی۔



شہوار آج بہت دن بعد کالج گئی تھی۔ مصطفیٰ خود اسے چھوڑنے گیا تھا اور وہی پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر کو کوئی فرد

لینے آئے گا ڈرائیور کو نہیں بھیجے گا۔ شہوار کا انا کے ساتھ سارا وقت بہت اچھا گزرا تھا۔ اسے اساتذہ سے ملنا تھا کچھ دن

وقت کم تھا اور سب کچھ کرنا تھا۔ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو کالز کی تھیں۔ یہ سب ساتھی اس نے پیسے دے کر اپنے ساتھ ملائے تھے ورنہ اس کے دوست تو کب کا اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ کلینک آیا تو وہاں بھی موجود تھے۔ شاہزیب صاحب ایک اہم میننگ سے اٹھ کر آئے تھے وہ واپس چلے گئے تھے مصطفیٰ کو بھی آفس سے کال آگئی تھی وہ بھی چلا گیا تھا اب وہاں شہوار کے علاوہ مہر النساء بیگم اور سجاد ہی تھے۔ بچہ بہت پیارا تھا لائبر کانی ویک لپ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے دو تین دن اسپتال میں ایڈمٹ کرنے کا کہا تھا۔ سجاد ڈاکٹر کے کہنے پر لائبر کے لیے کچھ انجکشنز لینے باہر نکلا تھا کلینک کے ساتھ والے اسٹور سے انجکشنز نہیں ملے تھے وہ شہوار اور ماں جی کو بتا کر کسی اور میڈیکل اسٹور کی طرف نکلا تھا یہاں چھاموچ تھا۔ ایاز کے لیے مکمل طور پر راہ ہموار تھی۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی، ماں جی وہاں کلینک میں موجود غسل خانے میں وضو کرنے چل دی تھیں۔ شہوار ڈاکٹر سے بات کرتی کمرے سے نکلی تھی تب ہی ایک طرف جیسے ایاز اور اس کے ساتھی فوراً نکل کر شہوار کی طرف آئے تھے۔

”خبردار کسی نے حرکت کرنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو.....؟“ ایاز نے پٹل شہوار کی کپٹی پر تان دیا تھا۔

”کون..... کون ہو تم لوگ.....؟“ ڈاکٹر گھبرا گئی تھی جبکہ شہوار ایاز کو دیکھ کر ایک دم ساکت سی ہوئی تھی۔

”ہمیں تم سے کچھ لینا دینا نہیں اگر زیادہ چوں چوں کی تو گولی حلق میں اتار دوں گا۔“ ایاز نے پٹل کی نوک ڈاکٹر کی کپٹی پر ماری تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شہوار کا وہ حال تھا کہ کانٹو بدن میں لہو نہیں۔

”بہت بھاگ لیا مجھ سے تم نے اب تمہاری باری ختم اور میری باری شروع چل۔“ ایاز نے پٹل کی سر دہائی دوبارہ اس کے سر پر رکھی تھی۔

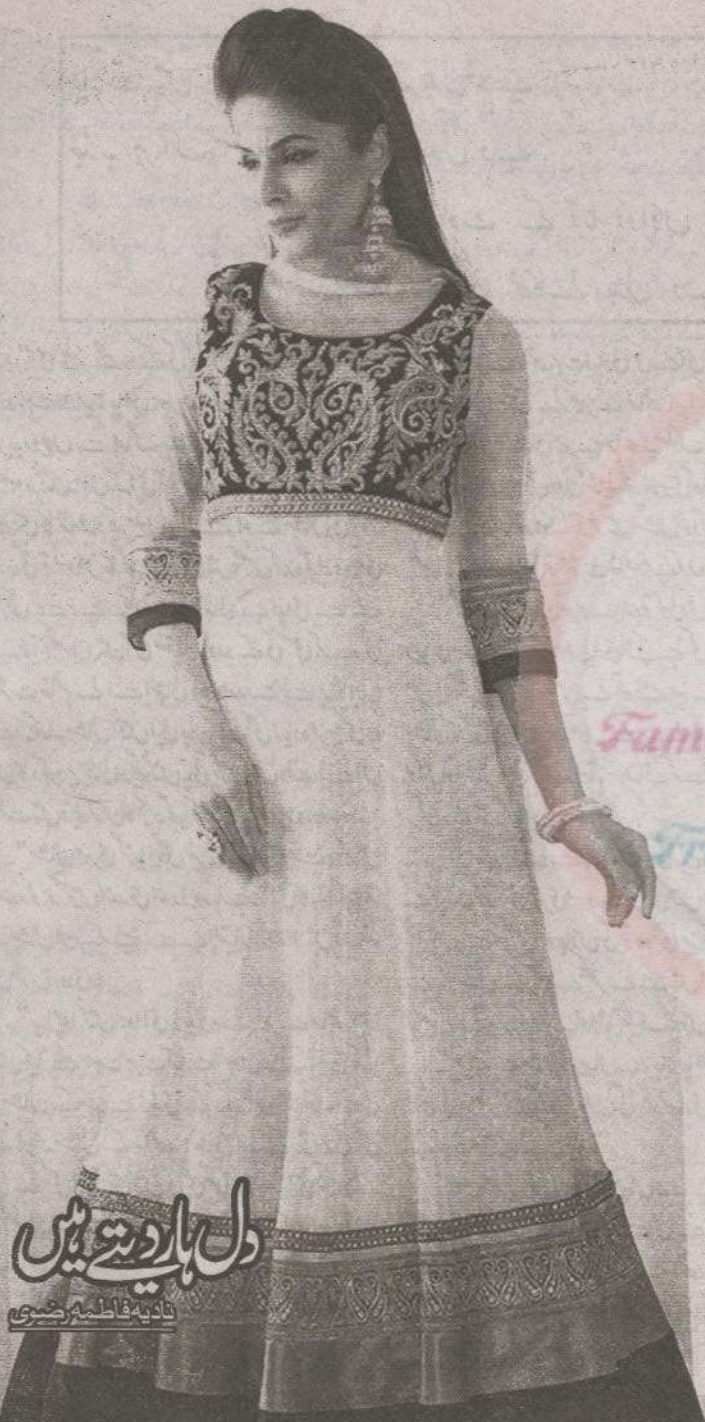
”میں نہیں جاؤں گی۔“ شہوار نے احتجاج کرنا چاہا تھا لیکن ایاز کا پتھر یلا ہاتھ ایک دم زنانے سے شہوار کے گال پر پڑا تھا۔

”یونگ.....!“ وہ گالیاں دینے لگا تھا۔

”چل یہاں سے ورنہ بھیجے میں ساری گولیاں اتار دوں گا۔“ وہ زبردستی شہوار کا بازو پکڑ کر شہوار کو کھینچنے لگا تھا۔

اس وقت اس کلینک میں سوائے ڈاکٹر اور چھوٹے موٹے عملے کے کوئی نہ تھا۔ ماں جی بھی شور کی آوازیں کر رہی تھیں۔ وہ جیتی چلائی تھیں لیکن ایاز بے دردی سے شہوار کو کھینچتا باہر کی طرف لپکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



دل ہادیے میں

نادیہ فاطمہ رضوی

چاہت میں ہم نے طور پرانے بدل دیے

جذبہ ہر اک سنبھال کے خانے بدل دیے

بے فائدہ ہے لوٹ کے آنا ہواؤں کا
ہم نے سبھی پرانے ٹھکانے بدل دیے

”امی پلیز مجھے روکنے کی کوشش مت کریں میں یہاں سے بہت دور جانا چاہتی ہوں۔ لوگوں کی تہن خانہ نگاہوں اور طنزیہ رویوں سے بھاگ جانا چاہتی ہوں۔ میں اتنی بہادر و مضبوط نہیں ہوں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی رسوائی بے بسی کا تماشا دیکھ سکوں۔“ بولتے ہوئے مشال کی آواز رندھ گئی آنسوؤں کا گولہ جیسے حلق میں پھنس کر رہ گیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے نچلے لب کو انتہائی بے دردی سے چکلتے ہوئے آنکھوں میں آئی طغیانی کو روکنے کی سعی کرنے لگی عشرت خانم نے اسے انتہائی دکھ و صدمے سے پرنگاہوں سے دیکھا۔ مشال انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی وہ اس کا دکھ و پریشانی دیکھ نہیں پاتی تھیں اس وقت اسے اس حالت میں دیکھ کر ان کا کلیجہ گویا کٹ کر یزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

”مشال میری گڑیا اچھی طرح سے رولومٹ روکو اس سمندر کو جو تمہیں اندر ہی اندر ڈبو رہا ہے۔ امی کا اتنا کہنا تھا کہ مشال ان کے سینے سے بے اختیارانہ انداز میں لگ کر بری طرح رو رہی۔

”یہ اچھا نہیں ہوا امی ڈیڈی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا مجھے بہت ہرٹ کیا ہے انہوں نے۔“ آج پہلی بار مشال کے منہ سے ڈیڈی کے لیے شکوہ نکلا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ مشال کے ساتھ نا انصافی اور بے رخی برتی تھی اس نے بھی اف بھی نہیں کی تھی مگر آج..... اپنی سبکی چٹک اور ٹھکرائے جانے کے احساس نے اس کے لبوں کو آزاد کر دیا تھا۔

”مجھے ان سے ہرگز یہ امید نہیں تھی اور..... اور علیشہ اس

”نے بھی میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے امی میری اپنی بہن میری چھوٹی بہن نے میرے ساتھ ایسا کیا.....! جب میرے لہجوں نے ہی میرے ساتھ یہ سلوک کیا تو پھر..... تو پھر میں سالہا کو کیا دوش دوں شاید مجھ میں ہی کوئی کمی ہے جو یہ سب میرے ساتھ ہوا۔“ آخر میں مشال خود کو ہی مورد انعام ٹھہراتے ہوئے بولی تو عشرت خانم تڑپ کر رہ گئیں۔

”نہیں میری جان تمہارے اندر تو کوئی کمی نہیں میری بیٹی دنیا کی سب سے اچھی اور پیاری لڑکی ہے کی تو سالار کی بھینچ اس کی عقل میں ہے جس نے تجھ جیسے بہرے کو ٹھکر لیا۔ وہ مشال کا سب سے چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے بولیں تو مشال اپنی تسلی سے نوصاف کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں گویا ہوئی۔

”امی میں یہاں سے چلی جاؤں گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے ڈیڈی کو تو بھی میری ضرورت تھی ہی نہیں اچھا ہے ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں گی تو وہ بھی پرسکون ہو جائیں گے۔“ مشال کے بکھرے بکھرے لہجے میں اس پل عشرت خانم کو بے پناہ دکھ اور بے تحاشا تکلیف محسوس ہوئی۔

”ٹھیک ہے مشال تم یہاں سے جانا چاہتی ہو تو تمہاری خوشی کی خاطر تمہیں نہیں روکوں گی مگر تمہاری ماں تمہارے لیے بہت اداں رہے گی بیٹا۔“

”ہوں میری خوشی میرے یہاں سے چلے جانے میں نہیں ہے امی بلکہ یہ دوسروں کی خوشیوں سے مشروط ہے۔“ مشال غمی لہجے میں بول کر چھپاک سے ہاتھ دم میں چپکی گئی تو عشرت خانم بے اختیار مشال کا دکھ محسوس کر کے رو دیں۔



”تمہیں شرم آنی چاہیے علیشہ اپنی بہن کے منگیتے میں لپچی لیتے ہوئے اور پھر اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کر کے تم نے مجھے بے حد شرمندہ کیا ہے مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔“

”افوہ ماما آپ خواہوہ میں اتنا ایو مثل ہو رہی ہیں اور پہلی بات سالار میں دلچسپی میں نے نہیں بلکہ سالار نے مجھ میں لی ہے اس نے مجھے مشال کے مقابلے میں پسند کیا اب اگر مشال اسے متاثر نہیں کر سکی میں کیا کر سکتی ہوں۔ ویسے بھی مشال جیسی بور اور ڈل لڑکی کو شاید ہی کوئی پسند کرے۔“ علیشہ نے اپنے لمبے لمبے ناخنوں پر کیوکس لگاتے ہوئے انتہائی پر زعم اور مغرور لہجے میں کہا تو عشرت خانم نے اسے فہمائش نگاہوں سے گھورا۔

”شباباش میری بیٹی شباباش ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔“ عشرت خانم کا کٹھنلا طنز اسے تو جیسے آگ ہی لگایا تھا۔

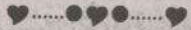
”واٹ ڈو یو مین ماما؟ میں نے کیا چوری کی ہے؟ ایک تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ مشال کو ہمیشہ مجھ پر ترجیح کیوں دیتی ہیں میں آپ کی سگی بیٹی ہوں اور مشال آپ کی بھانجی ہے آپ یہ کیوں نہیں مانتیں کہ مشال آپ کی سوتیلی بیٹی ہے۔“ علیشہ انتہائی چڑچڑی کر بولی تو عشرت خانم کو بے تحاشا اشتعال آ گیا۔

”خبردار علیشہ! اب تم میری مشال کے لیے ایک لفظ بھی مت بولنا اور کان کھول کر سن لو اگر آج کے بعد تم نے مشال کو میری سوتیلی بیٹی کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سمجھیں۔“ عشرت خانم بہت غصندے مزاج کی حامل خاتون تھیں انہیں غصہ شاذ و نادر ہی آتا تھا مگر جب آتا تو سب دم سادھ لیتے تھے علیشہ اندر ہی اندر خائف ہو گئی۔

”میں بس آپ سے یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ اس سارے معاملے میں میرا کوئی قصور نہیں آپ پلیز مجھے کٹلی منٹ کروائیں۔“

”تمہارا واقعی کوئی قصور نہیں ہے قصور شاید میری تربیت و

خون کا ہے۔“ علیشہ کی بات پر وہ پشیمانی سے بولیں پھر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ علیشہ چند لمبے چپ سی رہ گئی پھر سر جھٹک کر کچھ گنگناتے ہوئے دوبارہ اپنے ناخنوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔



اس کا موبائل فون بج بج کر بند ہو چکا تھا اس پل وہ نماز میں مصروف تھی جو بھی اس نے رکعت ختم کی وہ جلدی سے اپنے موبائل فون کی جانب آئی مشال ایک ڈمڈم وارڈا کڑھائی اسے لگا کہ کہیں ہسپتال سے کوئی ایمر جنسی کال نہ آگئی ہو یہی سوچ کر اس نے تیزی سے اپنے موبائل پر آئی مس کال کو دیکھا تو سالار کا نام دیکھ کر چوکی۔

”یہ سالار مجھے کیوں فون کر رہا ہے۔“ وہ ابھی اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ یک دم دوبارہ سے سالار کی کال آنے لگی مشال نے خود کو پکڑ لیا اور لبس کا بٹن دبایا۔

”ہاں بولیں سالار کوئی کام تھا کیا؟“ وہ اپنے لہجے کو سرسری سا بناتے ہوئے بولی جب ہی سالار کے ادا کیے گئے جملے اسے سخت طیش میں مبتلا کر گئے۔

”مشال ہم نے اچھے دوستوں کی طرح اس رشتے کو باہمی رضامندی سے ختم کیا تھا نا تو پھر تم علیشہ کو کیوں برا بھلا کہہ رہی ہو اسے پریشان کر رہی ہو۔“

”آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے میں بھلا علیشہ کو کیوں پریشان کرنے لگی؟“

”تو پھر آئی علیشہ کو کیوں ڈانٹ ڈپٹ کر رہی ہیں وہ بے چاری اتنی ہرٹ ہو رہی ہیں۔“ سالار اس کی بات پر بے اعتبار انداز میں بولا تو مشال نے بھی تمام لحاظ مروت کو بالائے طاق رکھ کر اس کی طبیعت صاف کرنے کا فیصلہ کیا۔

”مسٹر سالار آفریدی ایک بات آپ اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھالیں کہ مجھے آپ اداں آپ کے بے چاری علیشہ سے کوئی مطلب واسطہ نہیں اور نہ مجھے آپ دونوں کے رشتے سے کوئی غصہ یا غصہ ہے لہذا آپ دونوں اس خوش فہمی سے باہر نکل آئیں کہ مشال احمر کوئی کم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے آپ نے مگنی توڑی اور میری بہن کو پسند کر کے اسے

بروز کوڑا کر دیا فائن! ہر شخص اپنی مرضی کا مالک ہے آپ کو جو ٹھیک لگا وہ آپ نے کیا مجھے آپ کے کسی عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیلئے اور ہاں آئندہ اس طرح فون کر کے مجھ سے باز پرس کرنے کی جرأت مت کیجیے گا۔ یہ کہہ کر انتہائی مشغول انداز میں شمال نے فون بند کر دیا تھا پھر گہری گہری سانس لے کر وہ خود کو کچڑ کرنے لگی سالار آفریدی کے جملوں نے اس پر اسے بری طرح ہرٹ کیا تھا۔ مثال پوچھل دل اور مشغول قدموں کے ساتھ میس کی جانب آگئی، ٹھنڈی سبک اور تازہ ہوا کے جھوکوں نے اس کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالا اسے بے ساختہ چہ ماہ پہلے کا وقت یاد آ گیا سالار آفریدی اس کے ڈیڑی کے دوست مختار آفریدی کا بیٹا تھا مختار آفریدی سے ان کے گھر یلو مرام تھے۔ سالار آفریدی جب لندن سے واپس آئی تو گری لے کر پاکستان آیا تو اسے سنجیدہ اور سنجی ہوئی مثال احمد پر بہت پسند آئی چونکہ سالار آفریدی میں بھی کسی چیز کی کمی نہیں تھی لہذا یہ رشتہ باآسانی قائم ہو گیا دونوں مفتی کے بندھن میں بندھ گئے۔ مثال احمد آکر کڑی اور اپنے پروفیشن سے بے حد متعلق بھی سالار آفریدی جب بھی اس کے ساتھ آؤنگک کا پروگرام بناتا تو کوئی نہ کوئی مجبوری آئے آجاتی، کبھی ہسپتال میں اس کی ڈیوٹی ہوتی تو کبھی کوئی ایمر جنسی آجاتی، جبکہ سالار آفریدی چڑ کر رہ جاتا ایسے میں علیحدہ سالار آفریدی کے ہمراہ یہ وقفہ کر کے لیے نکل جاتی۔

”مثال تمہیں روپوں پیسوں کی کیا کمی ہے بھلا محض چند ہزار کے لیے تم ہسپتال میں کیوں خوار ہوئی ہو۔“ ایک دن سالار نے بے تحاشا شب کر کہا تھا جس پر وہ بے پناہ حیران ہوئی تھی۔

”سالار! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں میں نے یہ شعیرہ پیسے کمانے کے لیے نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے اپنایا ہے۔“ اسی طرح کی باتوں پر ان دونوں کے درمیان اکثر بحث ہو جاتی تھی سالار کی والدہ چونکہ بیمار رہتی تھیں لہذا وہ چاہتی تھیں کہ گھر میں جلد سے جلد بچھا جائے جب شادی کی بابت انہوں نے سالار سے بات کی تو سالار نے گویا دھماکا کر ڈالا۔

”امی میں مثال کے بجائے علیحدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے جلد بازی میں یہ فیصلہ کر لیا مثال اور میری عاداتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہماری باتوں ہماری سوچوں یہاں تک کہ ہماری پسند و ناپسند کی بھی نقطے میں کوئی مطابقت نہیں ہے جبکہ اس کے برعکس علیحدہ مجھے اپنیائف بانٹنے کے طور پر بے حد پسند ہے“ سالار کی والدہ صالحہ بیگم پہلے تو کلمہ کبریا حیرت و خیر سے اسے سمجھتی رہیں پھر یہ تمنا شاعری سے گویا ہوئیں۔

”رشتے جوڑ کر یوں توڑ دینا کوئی کھیل نہیں ہے سالار
مجھے تو اس بات پر بے پناہ حیرت ہے کہ مشال جیسی اعلیٰ
صفات کی لڑکی تمہیں ناپسند کسے ہوئی؟“

”آپ کچھ بھی سوچیں اسی فکر میں مشاغل سے شادی نہیں کر سکتا۔ آپ اہل نکل سے میری اور علیہ کے بات کریں۔“

”تم باطل تو نہیں ہو گئے ہو سلازلان کی ایک بیٹی سے نسبت توڑ کر میں دوسری بیٹی کا ہاتھ کیسے مانگ سکتی ہوں وہ اس بات پر سخت خفا ہوں گے۔“ سلازلان کی بات انہیں اچھٹا لگی تھی۔

”آپ اس بات سے پریشان مت ہوں اور انکل بالکل خفا نہیں ہوں گئے عیشہ ان کو جنٹل کر لے گی۔“ سالار انہیں اطمینان دلانے والے انداز میں بولا تو صاحبہ کیسے محض اسے دیکھ کر رہ گئیں گویا وہ دونوں تو سب کچھ طے کیے بیٹھے تھے اب ان کے کچھ کنکری کوئی نچوڑا ہی کہاں رہ گئی تھی۔

پھر ایک شام اچانک سالار آفریدی مشال کے گھر چلا
آیا آج حسن اتفاق سے مشال بالکل فارغ تھی وہ سالار کو
فون کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسے دیکھ کر وہ خوش گواہی
سے گواہ ہوئی۔

”میں ابھی آپ ہی کو فون کرنے والی تھی آئیے لان میں چل کر بیٹھتے ہیں۔“ مثال اسے لیے لان کی جانب چلی آئی اس پل مسٹر ڈومیر و ن رنگ کے استراج کے سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ مثال اھر اھر کی باتیں کر رہی تھی جبکہ سالار محض ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا جب

یہ مثال کوسالاری کی تنجید کی وضاحت دماغی چونکا ئی۔
 ”کیا بات ہے سالار کوئی پرانلم ہے کیا..... آپ کچھ
 اچھے ہوئے لگدہ ہیں پلڑے مجھے بتائیے کیا بات ہے؟“
 مثال کچھ پریشان ہی ہو کر بولی تو سالاریک دم الارٹ سا ہو کر
 بیضا چہرہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایچھولی مثال مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“
 ”ہاں تو کیجیے“ وہ جلدی سے بولی۔

”مشال امی میری شادی کرنا چاہ رہی ہیں۔“ مشال
سلاار کی بات پر تھوڑا جھپٹی پھر لگا ہیں جھکا کر دھیمی آواز میں
بولی۔

”تو پراہلم کیا ہے؟“
 ”پراہلم تو کوئی نہیں ہے میں خود بھی شادی کرنا چاہتا
 ہوں مگر.....! اتنا کہہ کر سالار ایک گہری سانس فضاء
 میں خارج کرتے ہوئے رکا تو مشال نے کافی الجھ کر
 سالار کی جانب دیکھا۔
 ”مگر کیا؟“

”مگر میں تم سے نہیں بلکہ علیشہر سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بھارت سے اپنی بات مکمل کر گیا۔ مثال کو گواہیجیے اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو اس نے نامجھنے والے انداز میں اسے دیکھا تو سالار ایک نئی سانس میں سب کہنا چلا گیا۔

”میری اور تمہاری پھر میں زمین آسمان کا فرق ہے تمہاری دنیا صرف گھر سے ہسپتال اور ہسپتال سے گھر تک گھومتی ہے جب کہ میں پوری دنیا گھومنا چاہتا ہوں ایک ایسے انڈیا پارٹنر کے ساتھ جسے ڈریسنگ کاسٹس ہوں گلوگوں کو متاثر کرنے کا ہنر ہو جس کے مزاج میں شوخی و حرارت ہو جس کی ریڈیٹنگ طبیعت ہو جو صرف میری قربت میری چاہت کی منتہی ہو نہ کہ مریضوں اور اپنے ہسپتال کے چکر دوں میں پڑی رہے۔“ مثال کو اس بل ایسے محسوس ہو رہا تھا

جیسے اس کے جسم کا ریشہ ریشہ انتہائی بے دردی سے کسی نے علیحدہ کر دیا ہو اپنی ہتک اور یوں رعونت سے ٹھکرائے جانے کے احساس نے اسے برف کی مانند مجددِ صمدِ دکر دیا تھا سالار

اپنا فیصلہ سنا کے وہاں رکا نہیں تھا جبکہ مثال بالکل سادہ
و بے لقیں سی وہیں پیشی تھی، ایک دم بے تحاشا ہواں اس کے
اندر بھر گیا تھا اس پل اسے اپنا دم گھٹا محسوس ہوا۔

علیہہ اور سالار کی شادی کی تیاریاں زوروشو سے جاری تھیں، احمد علی خان کی لاڈلی اور چیتھی بیٹی کی شادی بھی انہوں نے تو گویا اپنی تجویز کا مکمل کھول دیا تھا جب علیہہ نے ان کے گلے میں بانٹیں ڈال کر انتہائی لگاؤ سے بتایا تھا کہ سالار مشال سے نہیں بلکہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو احمد علی خان ایک پل کا خاموش ہوئے مگر دوسرے ہی لمحے بولے۔

”ٹھیک ہے اگر سالار کو مثال سمجھ میں نہیں آئی اور تمہارے ساتھ اس کی انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے تو مجھے اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں۔“ ہمیشہ کی طرح وہ یہ بات بھی علیہ پر کہہ مانتے ہوئے بولے تو علیہ پر کھل اٹھی۔

”اوہ ڈیڈی میں جانتی ہوں اسے مجھے معلوم تھا کہ آپ میری کوئی بھی بات نہیں ٹالیں گے آئی لو یو ڈیڈی۔“

”آئی لو یو ٹو مائی سوئیٹ ڈائر“ اصر علی خان مسکرا کر بولے تھے انہوں نے ہمیشہ مثال کوڈی گریٹ کیا تھا اور علیہ کے کواہمیت دی تھی مثال نے جب سے ہوش سنبھالا تھا وہ یہی بات نوٹ کرتی آئی تھی مگر کبھی اس بات کا ذکر اس نے شہرت خانم یا علیہ سے نہیں کیا تھا اصر علی خان سے بھی کوئی شکایت یا سوال نہیں کیا تھا مگر آج پہلی بار اس نے اپنے باپ سے بے پناہ شکوہ ہوا تھا کیونکہ اس کی بار اس کی عزت نفس اس کے نسوانی پندراس کی ان پرجملہ ہوا تھا اسے تو لگا تھا کہ شاید دیڈی اس بات پر انتہائی ناگواری اور غصے کا اظہار کریں گے آخر وہ بھی ان کی بیٹی تھی مگر دیڈی کے اس طرز عمل نے آج مثال کو بری طرح توڑ پھوڑ کر رکھا دیا تھا وہ بے تحاشا رونے لگی تھی۔

♥.....♥♥.....♥

رات کو سونے سے پہلے ہمیشہ احمد علی خان کی عادت کتاب پڑھنے کی تھی اس وقت بھی وہ حسب معمول آرام

اشرف الہیاء اور خیر الہیاء

خانم کا کون

نزلہ، زکام اور کھانسی سے
تحفظ بھی علاج بھی

اشرف

مکمل سکون
ایک سیون



041-8847601-2 Fax: 041-8847607
info@ashraflabs.com www.ashraflabs.com

وہ کرسی پر بیٹھے ورق بینی میں مصروف تھے جب ہی عشرت خانم بیڈ کی چادر دست کرتے ہوئے انہیں دیکھ کر گویا ہوئیں۔

”اگر یہ آپ نے اچھا نہیں کیا“ آپ کو علیحدہ کی بات نہیں مانی چاہیے تھی آپ کو کم از کم یہ تو سوجنا چاہیے تھا کہ اس فیصلے سے مثال کے دل پر کیا گزرے گی؟“

”عشرت تم اس بات کو بار بار کیوں دہراتی ہو؟ اگر میں علیحدہ کی بات ماننے سے انکاری ہو جاتا تو اس پر کیا گزرتی؟ اس بات کا بھی احساس ہونا چاہیے تم کو۔“ اصرار علی خان کتاب سے نگاہیں ہٹائے بغیر کافی چڑ کر بولے تو عشرت خانم سہولت سے چلتی ہوئی ان کی مقابل کرسی پر بیٹھ کر بولیں۔

”مثال آپ کی اپنی بیٹی ہے آپ کا اپنا خون آپ کی پہلی اولاد آپ کی عفت خانم کا دوسرا وجود۔“

اس بار اصرار علی خان نے کتاب سے نگاہ اٹھا کر انہیں ساٹ نظر دے دیکھا پھر زور سے کتاب بند کر کے اسے سائیز ٹیبل پر رکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

”یہ باتیں میں پہلے سے جانتا ہوں تم کو بتانے کی یاد دلانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔“

”مگر شاید آپ یہ چیز ہر بار بھول جاتے ہیں کہ مثال آپ کی اس بیوی کی بیٹی ہے جس کو آپ خود سے بھی زیادہ چاہتے تھے اور.....!“

”ہاں یہی بات تو میں بھول نہیں سکتا کہ مثال میری اس عزیز از جان ہستی کی اولاد ہے جس کے آنے سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے ہر ناطہ تو ذکر بہت دور چلی گئی۔“

اصرار علی خان کٹیے انداز اور سخت لہجے میں عشرت خانم کی بات درمیان میں ہی ایک کر بولے تو بے ساختہ عشرت خانم سر تھام کر رہ گئیں، کتنی کوشش کی تھی انہوں نے اس بات کو اصرار کے دل و دماغ سے نکالنے کی انہیں یہ سمجھانے کی کہ موت برحق ہے کوئی نفس اس سے بچ ہی نہیں سکتا اور یہ کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا یہ ایمان ہے کہ موت صرف اللہ کے حکم سے آتی ہے انسان چاہی سانس لکھوا کر دنیا میں آتا

ہے وہ اتنی ہی سانسیں دنیا میں پوری کرتا ہے دراصل عفت خانم ان کی بڑی بہن تھیں جو اپنے ماموں زاد اصرار سے کم عمری میں ہی منسوب تھیں اصرار عفت کو دل و جان سے چاہتے تھے اور ان کی تمام بے قرار یوں اور بے تاب یوں کی گواہ عشرت خانم تھیں وہ اصرار علی خان کو خوب چھیڑتی تھیں پھر جب دونوں شادی جیسے خوب صورت بندھن میں بندھے تو ان کی محبت اور زیادہ پختہ اور مستحکم ہو گئی اور جب قدرت نے انہیں ایک پھول کے آنے کا عندیہ دیا تو گویا دونوں کی خوشیوں کا جیسے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا مگر تقدیر تو کچھ اور ہی رقم کیے بیٹھی تھی عین ڈیلیوری کے وقت سنگین پیچیدگیوں کی وجہ سے ماں اور بچے دونوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں اصرار علی خان ڈاکٹر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولے کہ ان کی زندگی عفت خانم کو کسی بھی طور بچائیں مگر شاید ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ وہ چاندی بیٹی کو جنم دے کر دار فانی سے کوچ کر گئیں اصرار علی کی حالت باگلوں جیسی ہو گئی تھی انہوں نے چھ ماہ تک اپنی بیٹی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی جسے عشرت خانم نے اپنے کلیجے سے لگا لیا تھا جو ان کے پاس ہی پل بڑھ رہی تھی۔ جب مثال ایک سال کی ہوئی تو گھر والوں نے مثال اور عشرت خانم کے بے پناہ جذباتی لگاؤ کو دیکھ کر اصرار سے عشرت خانم کو یہاں سے کا فیصلہ کیا جسے دونوں نے ہی خاموشی سے قبول کر لیا۔ وہ اصرار علی خان کی بیوی بن کر مثال سمیت ان کے گھر آ گئیں اور اگلے سال ان کی گود میں علیحدہ نے آنکھ کھولی اصرار علی خان نے اپنی پدرانہ شفقت علیحدہ پر بے دریغ لٹائی وہ ان کی آنکھ کا تار اسی جبکہ مثال سے ان کا سلوک انتہائی اجنبیوں جیسا بے گانہ اور سرد تھا یہ بات ان کے دل و دماغ میں خچے گاؤ کر بیٹھ گئی تھی کہ اگر مثال کی دنیا میں آدنیس ہوئی تو آج عفت خانم زندہ ہوتیں ان کے ساتھ ہوتیں صرف مثال کے وجود کی وجہ سے عفت نے زندگی سے تعلق توڑا تھا۔

”تم ان فضولیات کو چھوڑو اور اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں دھیان دو جو در۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کی شادی میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی رہے۔“ اصرار علی خان کی آواز نے انہیں کسی گہری سوچ سے جواکایا۔

”آپ کی دوسری بیٹی یہاں سے جارہی ہے، ایسا بے باق کے کسی گاؤں میں چھوٹی سی ڈپنری ہے جو اس کے پروفیسر چلا رہے ہیں، انہیں اپنے گاؤں میں کچھ ڈاکٹر کی ضرورت تھی، مثال سے کہا تو وہ وہاں جانے کو تیار ہو گئی۔“

عشرت خانم بغور احمد علی خان کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی، انہیں لگا کہ شاید یہ خیران کے سپاٹ دل پر کچھ اثر انداز ہو جائے مگر انہیں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب احمد صاحب نارمل لہجے میں بولے۔

”ہاں ٹھیک ہے چلی جائے۔“

”وہ علیچہ کی شادی سے پہلے ہی جارہی ہے احمد۔“ انہوں نے ایک بار پھر کمزوری کوشش کی کہ شاید باپ بیٹی کو روک لے مگر بے سود۔

”یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ وہ کندھے کا کر بولے اور پھر اپنے بیڑ پر آرام کرنے کی غرض سے اٹھ کر چلے گئے۔ عشرت بیگم خاموشی سے صرف انہیں دیکھتی رہ گئیں۔



”اف اللہ سالار میرا تو بھنس بھنس کر برا حال ہو گیا، کوئی اتنا بھی بے وقوف ہو سکتا ہے۔“ وہاں کی جانب آئی علیچہ کی بیٹی سے بھرپور آواز اس کی سماعت سے فگرائی اس وقت علیچہ سالار کے ہمراہ وہیں براجمان تھی جبکہ امی چائے کی ٹرائی کی جانب متوجہ تھیں۔ مثال نے ایک سرسری سلام کیا اور جواب کا انتظار کیے بیٹائی کی جانب متوجہ ہوئی۔

”میں ہسپتال جارہی ہوں امی آج میری ٹائٹ ہے صبح ان شاء اللہ جاؤں گی۔“

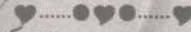
”مثال بیٹا ایک کپ چائے تو پینتی جاؤ۔“ امی محبت بھرے لہجے میں بولی جب ہی سالار نے علیچہ کو مخاطب کیا۔

”تم جیلری وغیرہ بھی جلدی ڈیساؤ کر لو اچھا ہے وقت سے پہلے کام ہو جائیں۔“ سالار کی بات پر عشرت خانم خوشنوا و خفیف سی ہو گئیں جبکہ بیچ اور وائٹ دنگ کے سادے سے سوٹ میں وائٹ کوٹ پہنے مثال نے اپنی ماں کی

کیفیت کوٹ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”اچھا امی جلدی سے بنادیں۔“ مثال علیچہ سے کچھ فاصلے پر صوفے پر بیٹھی تو چائے کی پیالی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے عشرت خانم نے بے اختیار مثال اور پھر علیچہ کی جانب دیکھا اس وقت علیچہ بلیک فینٹک کی چیز میں لٹی کر کی ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہنے چہرے پر میک اپ کیے بہت خوب صورت لگ رہی تھی جبکہ انتہائی سادہ سے شلوار سوٹ میں بالوں کی چوٹی بنائے دھلے دھلائے چہرے سمیت مثال میک اپ کے نام پر آنکھوں میں کاجل لگائے انتہائی دلکش و فربہ اور مضمون لگ رہی تھی۔

”سالار آج رات کی پارٹی میں میں کیا ڈریس اپ کروں تم پلیز میری ہیلپ کرو میں نے کچھ نئے ڈریسز لیے ہیں تمہیں دکھائی ہوں۔“ یہ کہہ کر علیچہ وہاں سے اٹھی تو سالار نے سائیز کارز میں رکھے میگزین کو اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ مثال نے خاموشی سے چائے کا کپ ختم کیا اور پھر عشرت خانم کو ”اللہ حافظ“ کہہ کر باہر نکل گئی جبکہ سالار اس کے جاتے ہی میگزین اپنی جگہ پر رکھ کر عشرت خانم کی جانب متوجہ ہو گیا۔



مثال نے پوری طرح سے اپنی پینٹنگ مکمل کر لی تھی پروفیسر صلاح الدین اس کے کالج میں مثال کو پڑھاتے تھے ان کا تعلق ایبٹ آباد کے کسی گاؤں سے تھا جب تعلیم سے فارغ ہو کر مثال نے ایک مقامی ہسپتال میں جاب شروع کی تو پروفیسر صلاح الدین نے اسے اپنے گاؤں کی ڈپنری میں بطور ڈاکٹر تعینات ہونے کی آفر کی اس وقت تو اس نے انہیں سہولت سے انکار کر دیا تھا مگر اب وہ خود بھی راہ فرار چاہ رہی تھی پروفیسر صاحب کی عمر اب کافی ہو چکی تھی لہذا انہوں نے کالج کی جاب کو خیر باد کہا اور اپنے آبائی گاؤں کی ڈپنری میں خدمات انجام دینے لگے جب مثال نے خود ان سے وہاں آنے کو کہا تو وہ بے تحاشا خوش ہو گئے۔

”مثال بیٹا یہ تو بہت اچھی خبر ہے یہاں لوگوں کو علاج کی سہولتیں اتنی آسانی سے میسر نہیں میرے ساتھ ڈاکٹر

راجل کام کر رہے ہیں مگر بطور لیڈی ڈاکٹر تم یہاں آ جاؤ گی تو عورتوں کو علاج معالجہ کی سہولت فراہم ہو جائے گی۔“

”سر وہاں میری رہائش کا بندوبست تو ہو جائے گا نا۔“ مثال ان سے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

”ارے بیٹا تم اس کی بالکل فکر مت کرو یہاں میرا گیٹ ہاؤس ہے تم آرام سے یہاں رہو گی کسی بھی چیز کی ضرورت تمہیں ہوگی تو تم مجھ سے کہہ دینا۔“ پروفیسر صلاح الدین اسے اطمینان دلاتے ہوئے شفقت سے بولے تو مثال یک دم ہلکی پھلکی ہو گئی۔

”ٹھیک ہے سر میں اگلے تین دنوں میں یہاں پہنچ رہی ہوں۔“

”پروفیسر دیکھ بیٹا تم مجھے دن اور نام بتا دینا میرا ڈرائیور تمہیں پک کر لے گا۔ تم ڈائریکٹ ایبٹ آباد پہنچو گی؟“ آخر میں پروفیسر صاحب استفسار یہ لہجے میں گویا ہوئے تو مثال سہولت سے بولی۔

”نہیں سر میں یہاں سے اسلام آباد جاؤں گی وہاں میرے ماموں رہتے ہیں پھر ان کے بیٹے کے ساتھ باقی روز وہاں پہنچو گی۔“

”اوکے بیٹا جیسے تمہاری مرضی مجھے تمہارا انتظار رہے گا۔“ پروفیسر صاحب کی بات پر اس نے ان سے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔



مثال کے جاتے وقت بار بار عشرت خانم کی آنکھیں بھیگ بھیگ جارہی تھیں اور مثال ان کو دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ بھلا کوئی سوتیلی ماں بھی اتنا پیار کر سکتی ہے بھلے وہ ان کی عزیز از جان بہن کی بیٹی تھی مگر اپنے شوہر کی پہلی بیوی کی بھی تو اولاد بھی نہ جانے کس مٹی کی بیٹی ہوئی تھیں عشرت خانم نہ انہیں عفت خانم سے کوئی حد محسوس ہوتا اور نہ ہی مثال سے انہیں پر خاش تھی وہ تو علیچہ سے زیادہ اس سے محبت کرتی تھیں جس پر علیچہ ان سے سخت نالاں رہتی تھی۔

”مثال اگر تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے کوئی بھی پریشانی یا مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دینا بیٹا۔“ عشرت خانم بار بار اسی بات کی تاکید کر رہی تھیں مثال ان کی بے

قراری دیکھ کر مسکرا دی۔

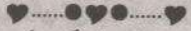
”آپ کیوں فکر کرتی ہیں امی میں کوئی بچی تو نہیں ہوں نا اور پھر کون سا سات سمندر پار جارہی ہوں۔“ وہ نرمی سے ان کے دونوں بازوؤں کو تھامتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

”میں ماں ہوں بیٹا اولاد چاہے کتنی ہی بڑی اور سمجھدار ہی کیوں نہ ہو جائے ماں کا دل ہمہ وقت اپنے بچوں کی فکر و خیال میں الجھا رہتا ہے۔“

”امی میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ جیسی ماں ملی۔“ مثال ان کے سامنے دوڑا نو بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ کو تھام کر محبت بھرے لہجے میں بولی تو عشرت جہاں نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔

”میں بھی تو کتنی خوش نصیب ہوں جسے تم جیسی پیاری بیٹی ملی ہے۔“ پھر دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دینے لگی علیچہ اندر داخل ہوئی تھی چائے کیوں یہ منظر اس کے اندر جیسے آگ سالگا گیا تھا اسے لگتا تھا کہ مثال نے اس کی ماں پر جیسے قبضہ کیا ہوا ہے علیچہ نے جب سے ہوش سنبھالا اور اسے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ مثال اس کی سگی بہن نہیں ہے وہ مثال سے کتنی ہی گئی جب بھی وہ اپنی ماں کو مثال پر اپنی ممتا اور توجہ دینا لٹائی دیکھتی تو مثال سے بری طرح چڑ جاتی اس نے آج تک مثال کو اپنی بڑی بہن تسلیم نہیں کیا تھا۔

”آپ اس کام سے فارغ ہو جائیں تو ذرا صالحتی ٹی کا فون سن لیجیے وہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ علیچہ مثال کو جھپتی ہوئی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کافی ناگواری سے بولی تو عشرت خانم ”میں ابھی آئی“ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں جبکہ علیچہ بھی ایک نگاہ غلط مثال پر ڈال کر وہاں سے پلٹ گئی۔



مثال اسلام آباد ماموں کے گھر آئی تو وہاں اس کا پر تپاک استقبال کیا گیا وہ کافی سالوں بعد یہاں آئی تھی میڈیکل کی ٹیف پڑھائی کی وجہ سے وہ زیادہ آتی جاتی نہیں

”بہت اچھا امی۔“ پھر وہ آج کے دن کی تمام روداد انہیں سنانے لگی، عشرت خانم انتہائی دلچسپی سے اسے سننے لگیں۔

ایٹ آباد کا موسم بہت حسین ہو رہا تھا آتی سردی کی گلابی پریوں نے وادیوں میں ڈال کر شروع کر دیا تھا۔ دین میں سنہری دھوپ میں ہلکی ہلکی خنکی ہے جد بھلی معلوم ہوتی تھی البتہ شام ڈھلے ٹھنڈک میں اضافہ ہو جاتا تھا سردیوں کا موسم اسے ہمیشہ سے پسند رہا تھا وہ یہاں آ کر مطمئن تھی سالار اور علیچہ کی جانب سے کافی حد تک دھیان ہٹ گیا تھا۔ آج اتوار تھا زینت بی بی نے اسے مزید آتلیٹ کے ساتھ گرم گرم پراشوں کا ناشہ کرایا تھا وہ ناشتے سے فارغ ہو کر عنابی شمال اپنے وجود پر لپٹ کر گیٹ ہاؤس کے باہر بنے چھوٹے سے دلفریب باغچے میں کرسی بچھا کر بیٹھ گئی پر کیف سی حدت اور نرمی لیے دھوپ کی شعاعیں اس کے وجود کو پرسکون حرارت بخش رہی تھی۔ وہ میگزین کی ورق گردانی میں مصروف ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک بچے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

”آپ گندے ہیں میں آپ سے خفا ہوں آپ پر اس توڑ دیتے ہیں مجھے اب آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“

مشال نے اس آواز پر بے اختیار گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو سامنے سے تقریباً پانچ سال کی عمر کا لڑکا اپنی پیارا اور کیوٹ بچہ تادکھائی دیا جب کہ اس کے پیچھے پیچھے تاد کوئی شخص گویا اس کو منانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

”عالیان تم ایک بار شہر کمریری بات تو سن لو یار“ وہ شخص منت امت آمیز لہجے میں بولا تو وہ بچہ اپکا ایک اپنی جگہ فرزند ہو گیا خضر ایمان خوش ہو گیا کہ عالیاں نے کم از کم ہریک تو لگایا ورنہ وہ اتنی دور سے یونہی خراماں خراماں اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ حالانکہ عالیاں اس شخص کی منت پر نہیں بلکہ مشال کو دیکھ کر رکھا تھا جبکہ خضر ایمان بوگون و طبا کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے مشال کو اب تک دیکھ نہیں سکا تھا۔

”گڈ بوائے تو میری جان بات یہ ہے کہ.....!“

چائے اور پکڑیوں کے ساتھ اس کی منتظر تھی۔
 ”اے رواہ زینت بی بی چائے کے ساتھ پکڑے یہ تو تم
 نے بہت اچھا کام کیا۔“ مشال خوش ہو کر گویا ہوئی تو زینت
 بی بی مسکرائے لگی۔

”بی بی صاحبہ آپ کو جو کچھ میں پلوانا ہوا وہ مجھے بتا دیا کریں مجھے سب پکانا آتا ہے آج تو میں نے خود ہی اپنی مرضی سے کڑی گوشت اور سادے چاول پکالے ہیں کھانے کے وقت گرم روٹی بھی ڈال دوں گی۔“

”ہاں ٹھیک ہے مجھے چکن کڑائی اچھی لگتی ہے ویسے تو کوئی آپٹیشن ڈش ایسی نہیں ہے جس کی میں فرمائش کروں۔ تم خود ہی اپنی مرضی سے جو چاہو پکالیا کرو میں سب کچھ کھا لیتی ہوں۔“ مثال چائے کی چٹکی لیتے ہوئے بولی تو زینت بی بی محض سر ہلا کر وہاں سے باہر چلی گئی چائے سے فارغ ہو کر مثال نے عشرت خاتم کو فون ملایا تو دوسری ہی بیل پر انہوں نے فون پک کر لیا۔

”ای آپ نے تو فوراً میرا فون اٹھالیا کیا کر رہی ہیں؟“
مشال مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تو عشرت خاتم مغموم لہجے
میں بولیں۔

”اپنی بیٹی کو بہت یاد کر رہی تھی۔“ ان کا اداس و بھیکا لہجہ محسوس کر کے مشال پریشان ہی ہو گئی۔

”امی اگر آپ اداس ہوں گی تو میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس آ جاؤں گی۔“

”مثال میری جان زندگی میں پہلی بار تم مجھ سے اتنی دور
 نئی ہونا اس لیے میں ڈسٹرب ہو رہی ہوں تم فکر مت کرو
 میں کچھ دن میں خود کو ایڈجسٹ کر لوں گی۔“ عشرت خانم
 اسے وضاحت دیتے ہوئے بولیں۔

”امی کچی بات ہے نا آپ خود کو سنبھال میں کی یوں اس طرح سے میرے لیے ادا اس نہیں ہوں گی؟“ مشال نے ان سے استفسار کیا تو وہ ہنس کر گویا ہوئیں۔

”ہاں میری جان میں سیٹ ہو جاؤں گی اور پھر تم سے
فون اور اس کا ٹپ پر بھی تو بات ہوتی رہے گی اچھا یہ بتاؤ کتنا
کلون کیسا گزرا؟“

کھاتی سڑک رواں دواں تھی جو چاروں جانب سے پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔

”مشال بیٹائیہ زینت بی بی ہے اس گیسٹ ہاؤس کے پھولیدار کی بیوی اور یہ یہاں تمہارے پاس ہی رہیں گی تمہارے سب کام بھی کریں گی۔“ چالیس سال کے لگ بھگ کی ادیم عمر فری بی بی عورت سے پروفیسر صاحب نے مشال کا تعارف کروایا تو زینت بی بی نے جھٹ سے سلام کر ڈالا۔ مشال نے بھی اسے ولیم السلام کہا تب پروفیسر صاحب الدین مشال کو خطاب کر کے بولے۔

”تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مزینت بی بی سے کہہ سکتی ہو اور پھر میں بھی یہاں موجود ہوں اب تم فریش ہو کر تھوڑا آرام کر لو گھر آج رات کا کھانا اور کل کا ناشتہ تم ہمارے ساتھ کرو گی۔“

”ارے سر کوئی تکلف کی بات نہیں ہے۔“ مثال
نے انکساری سے کہا تو پروفیسر صاحبِ طبعیت بھرے
لہجے میں بولے۔

”تم کل جو چاہے پکا لینا مگر آج رات تم ہمارے ساتھ
کھانا کھاؤ، ہو اوکے۔“

”او کے سر“ مثال ہوتے ہوئے بولی تو پروفیسر صاحب مطمئن ہو کر وہاں سے چلے گئے جبکہ مثال زینت بی بی کی معیت میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

اگلی صبح مشال نے ڈنچسری کٹی تو وہاں سب ہی نے اسے
کھلے دل سے خوش آمدید کہا پھر دوپہر گئے تک وہ خواتین اور
بچوں کے ساتھ مصروف رہی دن کا کھانا بھی اس نے وہیں
کھایا۔ ڈاکٹر راجیل اور دیگر اسٹاف بہت کٹا پریتو تھے شام
ڈھلے دو گیسٹ ہاؤس کی جانب لوٹی اور جو نبی اندر داخل ہوئی
رینت بی بی نے بڑی مستعدی سے اس کے ہاتھوں میں چھمی
جیزیں سنبھالیں اور چائے بنانے کی غرض سے وہاں سے
چلتی بنی۔ مشال نے سب سے پہلے جا کر گرم پانی سے شاور
لیا اور پھر قدرے گرم سوٹ پہن کر موٹی سی شال شانوں پر
ڈال کر سینگ روم میں چلی آئی جہاں رینت بی بی گرما گرم

تھی جبکہ علیہ کئی دفعہ اچکی تھی، دو دن مامول نے زبردستی اسے اپنے گھر میں روکا۔ تیسرے دن وہ اپنے مامول زاد بھائی ارسلان کے ہمراہ ایبٹ آباد کے لیے نکل آئی تھی اسلام آباد سے ایبٹ آباد کا سفر بہت خوش گوار تھا تقریباً چار بجے وہ ایبٹ آباد کے قریبی گاؤں میں داخل ہوئے تھے۔ مشال پہلی بار یہاں آئی تھی گاؤں کا بڑا اور بے پناہ خوب صورت تھا اور پھر ایبٹ آباد شہر سے بہت نزدیک بھی تھا۔ مشال روفیئر صلاح الدین کے گھر آسانی پہنچ گئی تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، تقریباً آدھا گھنٹہ بیٹھ کر ارسلان نے اجازت مانگی تھی۔

”اے بیٹا! بھی تو اتنا سفر طے کر کے تم آئے ہو اور ازلے پاؤں ہی واپس روانہ ہو رہے ہو آج رات یہیں رک جاؤ۔“

پروفیسر صلاح الدین خوش اخلاقی سے گویا ہوئے تو ارسالان صہابی نے سہولت سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”بہت شکریہ پروفیسر صاحب مگر میرا اسلام آباد جانا بہت ضروری ہے کچھ کام ہیں جو میں ادھر سے چھوڑ کر آیا ہوں۔“

”ارسلان بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ اتنی دور
آپ مجھے چھوڑنے کے لیے آئے۔“ مثال ممنونیت
بھرے انداز میں بولی تو ارسلان بھائی اسے محبت سے
دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”دنیا بھینس بھائیوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتیں اور پھر یہ تو میرا فرض تھا۔“ ارسلان بھائی سب سے اجازت لے کر روانہ ہو گئے تو پروفیسر صاحب مشال کو گیسٹ ہاؤس لے گئے وہ بیڈروم کا جدید طرز کا بنا گیسٹ ہاؤس، بہت آرٹھک انداز میں لکڑی کا بنا ہوا تھا، یہاں ضروری استعمال کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ مشال کو گیسٹ ہاؤس بہت پسند آیا۔ سامنے کی کھڑکی سے تاحدنگاہ بنہ بنہ رو دکھائی دے رہا تھا جبکہ سرفرد خوب صورت درخت اور ان میں لگے منفرد پھول اور پھل بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ شفاف دھلا کھر آسمان اسے یہاں سے اتنا قریب محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنا ہاتھ بوڑھا کر آسمان کو چھو لے گی۔ گیسٹ ہاؤس سے کچھ فاصلے پر ریل

ہوں۔“ وہ بچہ مشال کو دیکھ کر اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا کر بولا تو بے اختیار مشال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے بھی ہاتھ بڑھا کر ہاتھ ساتھ ہونے سے تمام لیا۔

”آئی ایم مشال..... ڈاکٹر مشال۔“ خضر ایمان کی سماعت سے نسوانی آواز گھرائی تو وہ متجب سا ہو کر تھوڑا قریب آیا مشال اب پوری طرح اس کی نگاہوں کی گرفت میں آ گئی تھی۔ آف وائٹ ڈھیلی ڈھالی کرتی پر عنابی ٹراؤزر پہنے جب کہ عنابی بی مشال اوڑھے وہ اسے یہاں کی مقامی ہرگز نہیں لگی۔

”کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں رہتی ہیں اور آپ کے کتنے بے بی بی ہیں؟“ عالیاں کے سوالات پر مشال کو بے اختیار ہنسی آ گئی وہ کھل کر ہنسی ابھی تک اس کی نگاہ خضر ایمان پر نہیں پڑی تھی۔

”میں اسی گیسٹ ہاؤس میں رہتی ہوں اور میرے بے بی نہیں ہیں۔“ وہ گیسٹ ہاؤس کی جانب اشارہ کر کے خوش گواری سے بولی تو عالیاں ایک دم بے پناہ پریشان ہو گیا۔

”کیوں آپ کے بے بی کیوں نہیں ہیں؟“ عالیاں کے سوال پر مشال نے شپٹا کر جو ہنسی نگاہیں دوسری جانب اٹھائیں تو انتہائی گریں فل سے شخص کو خود پر نگاہیں مرکوز کیے پایا آدمی خضر ایمان عالیاں کی جانب متوجہ ہوا۔

”عالیاں چلیے اب گھر چلیے“ دادی آپ کا دھت کر رہی ہوں گی۔“

”تو تو نہیں گھر نہیں جاؤں گا۔“ وہ خندی انداز میں سر زور زور سے نفی میں ہلا کر بولا۔

”تم بہت بدتمیز ہو گئے ہو عالیاں! اب میں تمہاری پٹائی کردوں گا سمجھے۔“ خضر ایمان عاجز سا ہو گیا تھا وہ غصے میں بولتا جو ہنسی عالیاں کی جانب بڑھا تو عالیاں جلدی سے لپک کر مشال کی گود میں بیٹھ گیا۔

مشال کو عالیاں کی اس ادا پر بے تحاشا پیار آیا اس نے بے اختیار چٹاچٹ اس کے سیب جیسے سرخ گالوں کو چوم ڈالا جبکہ اس عمل کو خضر ایمان نے خاصی ناگواری سے دیکھا۔

”عالیاں میں نے آپ کو کتنی دفعہ سمجھا ہے کہ اس طرح

انجلی لوگوں کے پاس نہیں جاتے۔“ نجائے کیوں مشال کو خضر کی بات کافی بری لگی۔

”کیوں کیا میں آپ کو شکل سے بچے چرانے والی لگتی ہوں۔“

”کسی کے ارادے اور نیت اس کے چہروں پر لکھے نہیں ہوتے۔“ خضر ایمان رکھائی سے عالیاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے مشال کی گود سے ایک جھٹکے سے اتارتے ہوئے بولا تو مشال اچھی خاصی گلگ گئی۔

”میں یہاں کی ڈسپنری میں ڈاکٹر ہوں ڈاکٹر مشال احمد نام ہے میرا۔“ وہ اپنا تعارف کرواتے ہوئے بولی۔

”لو کہ تو پھر میں کیا کروں؟“ وہ کندھے اچکا کرتے روڈ انداز میں بولا کہ مشال منہ کھولے شخص اسے دیکھتی رہ گئی بادامی رنگ کے شلوار سوٹ میں شانے پر براؤن مردانہ مشال ڈالے وہ اسے خاصا مغرور اور بددماغ لگا۔

”آپ تو کافی بد اخلاق معلوم ہو رہے ہیں۔“ وہ سینے پر دونوں بازوؤں کو باندھتے ہوئے طنز یہ لہجے میں بولی۔

”آپ کیا کچھ پروسیجر کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔“ خضر اپنی براؤن آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالتا ہوا بولا تو مشال احمد چہرہ چٹپٹے کے لیے گڑبڑائی گئی۔

”میں کیوں آپ پر پروسیجر کرنے لگی مجھے کوئی اور کام نہیں ہے کیا۔“

”تو ٹھیک ہے کیجیے اپنا کام۔“ یہ کہہ کر وہ عالیاں کو ایک ہی حسرت میں اپنی گود میں بھر کر وہاں سے پلٹا جب کہ مشال ہونٹوں سے دیریں کھڑی اس کے انداز پر غور کرتی رہ گئی پھر دوحرف بھیج کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر میگزین پڑھنے لگی۔



وہ صبح سے ہی ڈسپنری میں مصروف تھی تھوڑی سی فرصت میسر آئی تو وہ کرسی پر سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ کسی کے قدموں کی آواز پر بے ساختہ اس نے آنکھیں کھولیں سامنے ہی عالیاں کھڑا اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا مشال کو اسے دیکھ کر انجلی سی خوش ہوئی۔

”اے عالیاں بیٹا آپ یہاں کیسے آئے؟“

”میں خان بابا کے ساتھ آیا ہوں آنجلی آپ سے ملنے جانا کہ بابا مجھ پر خفا ہو رہے تھے۔“ وہ بھولپن سے بولا تو مشال کو اس پر ڈھیروں پیارا گیا مشال نے اسے اپنے پاس بلایا اور گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو بیٹا آپ کو اپنے بابا کو خفا نہیں کرنا چاہیے تھا نا۔“

”مگر مجھے آپ سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں تاہیں آپ کو اپنی Birds دکھاؤں گا اور میرے پاس بہت سارے بہت اچھے اچھے toys بھی ہیں۔“ عالیاں مشال کی جانب رخ موڑ کر بولا تو مشال مسکرا کر بولی۔

”اگر میں آپ کے گھر چلی جاؤں گی تو یہاں مریضوں کو کون دیکھے گا۔“ مشال کی اس بات پر عالیاں سوچ میں پڑ گیا پھر کچھ دیر بعد خوش ہو کر بولا۔

”ٹھیک ہے میں آپ کا دھت کر لیتا ہوں جب آپ کی چٹھی ہو جائے گی تو پھر ہم ساتھ گھر چلیں گے۔“ مشال اس کی بات پر ہنس دی پھر اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

”آج نہیں جانو میں پھر بھی آپ کے گھر آ جاؤں گی آپ کی Birds اور toys دیکھنے کے لیے۔“ عالیاں مشال کے انکار کرنے پر منہ پھلا کر اس کی گود سے اتر گیا۔

”عالیاں تم خفا ہو گئے مجھ سے۔“

”جی ہاں خت خفا ہو گیا ہوں میں آپ سے میں نے دادی دادا اور سب کو بتا دیا تھا کہ میں مشال کو لینے جا رہا ہوں۔“ وہ ناراضگی والے لہجے میں بولا تو مشال اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”میں آپ کی صرف مشال ہوں مشال آنٹی نہیں ہوں۔“

”نہیں آپ آنٹی نہیں ہیں بابا کہتے ہیں کہ آنٹی گندی ہوتی ہیں اور آپ بہت اچھی ہیں اس لیے آپ آنٹی نہیں ہیں۔“ وہ اسے بیڑوں کی طرح سمجھاتے ہوئے بولا تو مشال نے اسے مخلوط کن نگاہوں سے دیکھا ابھی وہ مزید کچھ بولتی کہ آدمی خضر کی گھمبیر آواز کرے میں گئی۔

”عالیاں میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ یہاں نہیں آنا“

مگر تم نے میری بات نہیں مانی بہت خدی ہو گئے ہوتے۔“ خضر کی سخت سرزنش پر عالیاں سہم گیا۔ مشال کو بے اختیار اس بددماغ سر پر غصے کا رخسار پڑ گیا۔

”عالیاں چھوٹا ہے آپ اس سے نرمی سے بھی بات کر سکتے ہیں۔“

”میں عالیاں کا باپ ہوں مجھے معلوم ہے کہ اپنے بیٹے سے کس طرح بات کرنی ہے براہ مہربانی آپ مداخلت سے پرہیز کریں۔“ وہ هنوز انداز میں بولا تو مشال بھی پوری طرح میدان میں اتر آئی۔

”حیرت ہے کہ ایک بچے کا باپ ہو کر بھی آپ کو بچہ کی نفسیات نہیں معلوم کہ بچوں کو کس طرح ہینڈل کیا جاتا ہے؟ یہ تو آپ کا تہائی نہیں ہے۔“

”اچھا تو اب آپ مجھے بچوں کی نفسیات کی بابت سکھائیں گی۔“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا تو مشال نے اترنے والے انداز میں کہا۔

”فی الحال میرا ایسا موڈ نہیں۔“

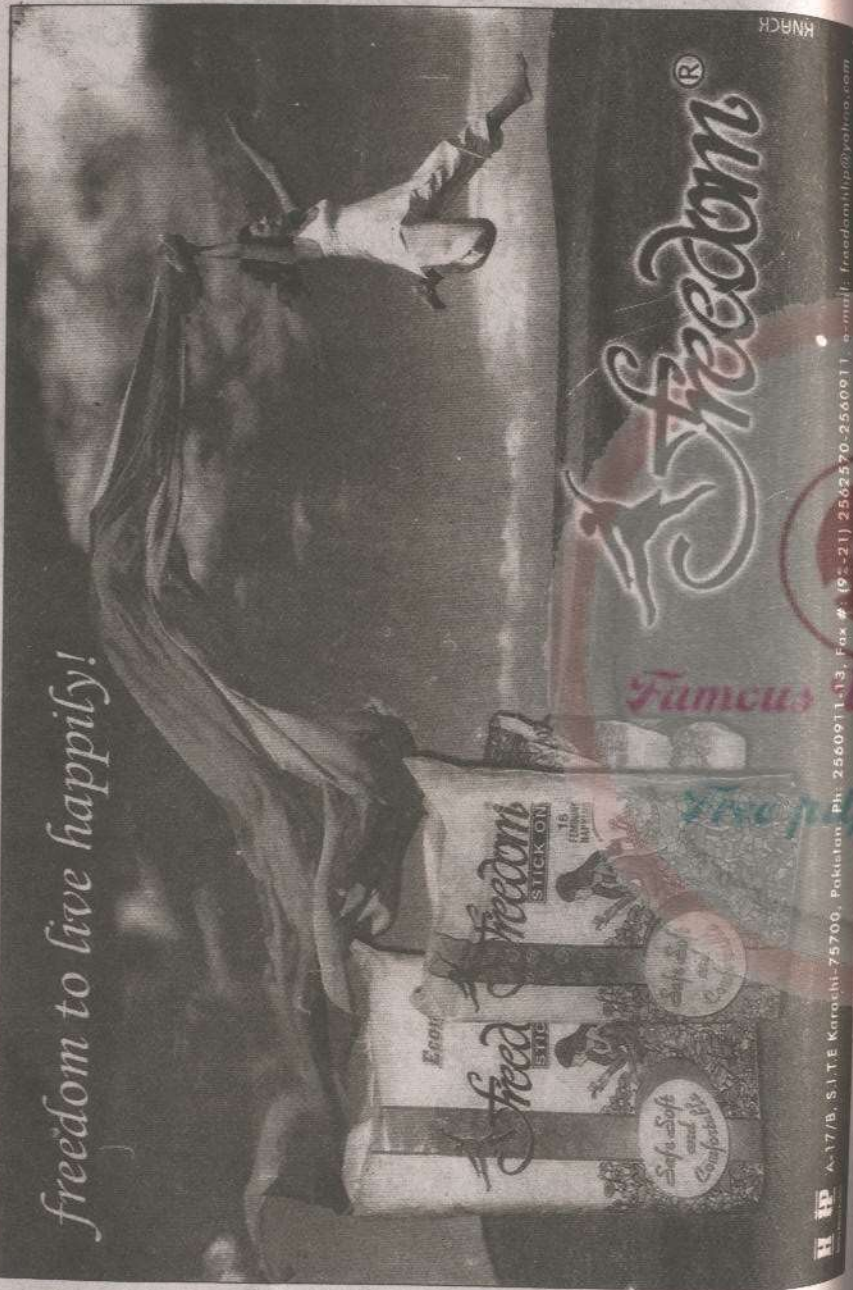
”ہوں خود پر بہت زعم ہے آپ کو۔“ بلیک شلوار کرتے پر آف وائٹ شال کندھے میں ڈالے آنکھوں پر فرم لیس گلاسز پہنے کتنی مونچھوں تلے عنابی لبوں کو بھیج کر وہ اپنے دونوں بازوؤں کو سینے پر باندھتے ہوئے اسے سترا نہ لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”زعم نہیں ہے یقین ہے اپنے آپ پر۔“ وہ بھی خود اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی جبکہ عالیاں بڑی دلچسپی سے دونوں کی ٹوک جھونک ملاحظہ کر رہا تھا۔

”اوسہ کافی پرانا طریقہ ہے دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کا۔“ وہ برا سامنے بنا کر بولا مشال نے پہلے اسے ناگہی والے انداز میں دیکھا پھر بات اس کی سمجھ میں آئی تو گویا اس کے تلوے پر لگی اور سر پر بھیجی.....!

”کیا..... کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ کی اسٹوڈنٹ سی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ ڈیپ ریڈ کلر کے گرم شلوار سوٹ پر کای گریں مشال اوڑھے غصے سے لال

freedom to live happily!



”دادی یہ ہے مشال میری بیسٹ فرینڈ“ عالیاں کی بات پر ان خاتون نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا پھر ان ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ خضر اس وقت بخار میں مبتلا ہے وہ ان کی معیت میں اس کے کمرے میں آئی، خضر اس وقت بالکل بے سدھ تھا، مشال نے اپنے پریشانی انداز میں اس کا اچھی طرح چیک اپ کیا پھر انجکشن تیار کر کے اس کے بازو میں لگایا جبکہ مسز ایمان دلاؤین کو خضر کے ماتھے پر ٹھنڈی پٹیاں رکھنے اور ضروری بدلیات و ادویات ان کے حوالے کر کے وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

”اگر ان سب کے باوجود ان کا بخار نہیں اترتا تو پھر آپ مجھے کال کر لیجئے گا“ وہ سہولت سے بولی تو مسز ایمان دلاؤین اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے پریشان لہجے میں بولیں۔

”بہت پیاری بیٹی ہو تم“ پھر بعد اصرار انہوں نے اسے کافی پروکھا اور گفتگو کے دوران خضر کے حوالے سے انہوں نے بہت ساری باتیں شیئر کیں، مشال وہاں کافی دیر بیٹھی رہی گھر آ کر بھی اس کی سوچیں خضر ایمان کے ارد گرد گھومتی رہیں۔

اگلے دن مشال خضر کا دوبارہ چیک اپ کر رہی تھی۔ ”مسٹر خضر آپ کا بی بی کچھ بڑھا ہوا ہے میں فی الحال آپ کو دوا دیتی ہوں مگر دن میں دوبار آپ اپنا بلڈ پریشر ضرور چیک کروا لیجئے گا۔“ مشال بلڈ پریشر کا آلہ واپس ڈبے میں رکھتے ہوئے بولی تو خضر نے محض اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا اس کا بخار اتر چکا تھا البتہ تھوڑی کمزوری باقی تھی۔

”مشال بیٹا خضر اب ٹھیک تو ہے نا؟“ مسز ایمان قدرے پریشان سی ہو کر بولیں۔

”جی آئی یہ اب ٹھیک ہیں بس ذرا سردی لگنے سے بخار ہو گیا تھا۔ ان شاء اللہ ایک آدھ دن میں بالکل فٹ ہو جائیں گے۔“ مشال اپنے مخصوص انداز میں بولی تو مسز ایمان ”میں ابھی آتی ہوں“ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں جبکہ مشال اپنے میڈیکل بکس سے میڈیسن تلاش کرنے لگی۔

”ڈاکٹر راجیل کو بھیج دیجیں آپ نے آنے کی رحمت

سالا اور علیچہ کی شادی بخیر و عافیت انتہائی دھوم دھام سے انجام پائی تھی۔ اس کی فیس بک وال پر ان دونوں کی تصویریں بھری پڑی تھیں ڈیڈی ان تصویروں میں کتنا خوش لگ رہے تھے یہ دیکھ کر مشال بے حد ادا سی ہو گئی۔

”آپ کتنا خوش اور مطمئن لگ رہے ہیں یقیناً آپ کو میری ذرا سی بھی یاد نہیں آئی ہوگی یہ نیک خیال نہ آیا ہوگا کہ ایک دوسری بیٹی بھی اس دنیا میں موجود ہے آپ ایسے کیوں ہیں ڈیڈی؟“ وہ احمد علی خان کی تصویر سے ہم کلام ہو کر شکوہ کنٹاں لہجے میں بولی پھر آہستگی سے آنکھوں میں آنے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی کہ اسی دم ڈورنٹل جی مشال نے بے اختیار گھڑی کی جانب دیکھا جو رات آٹھ بجے کا اعلان کر رہی تھی۔ ایسٹ آباد میں اس وقت آدھی رات ہو رہی تھی۔ تھوڑی سی دیر میں زینت بی بی آ کر بولی۔

”وہ ڈاکٹر صاحبہ زمیندار صاحب کے گھر سے ان کے ڈرائیور آئے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ حویلی میں کوئی بیمار ہے آپ انہیں جا کر دیکھ لیں۔“ زینت کے منہ سے یہ پڑھوہ سن کر وہ اپنا میڈیکل بکس اٹھا کر باہر آئی تو خان بابا کو مختصر پایا۔

”وراصل ڈاکٹر صاحبہ ڈاکٹر راجیل اپنے شہر گیا ہوا ہے لہذا اتنی رات کو ہم نے آپ کو تکلیف دیا اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔“ خان صاحب خالص پٹانمی لہجے میں بولے تو مشال ”کوئی بات نہیں“ کہہ کر لینڈ کروزر میں بیٹھ گئی تھوڑی سی دیر میں وہ خان بابا کے ہمراہ حویلی میں داخل ہو رہی تھی جب ہی اسے کوئی خیال آیا تو وہ استغماہیہ انداز میں بولی۔

”خان بابا بیمار کون ہے؟“ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتے عالیاں ”مشال“ کہہ کر تیزی سے اس سے آ کر لپٹ گیا۔

”مائی فرینڈ اتنے دن کہاں تھے تم؟“ وہ بڑی محبت سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی۔

”میں مائی کے گھر گیا تھا وہ بیمار تھیں نا۔“ عالیاں اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا وہ اندر داخل ہوئی تو ایک معمری گریس فل خاتون سے اس کا سامنا ہوا۔

کیوں کی۔ وہ اپنے مخصوص کمرے لہجے میں بولا تو بے ساختہ مثال کو لپیٹا گئی۔

”کیوں مجھ سے کیا آپ کو الہی ہے؟ ویسے آپ کی معلومات کے لیے آپ کو بتا دوں کہ ڈاکٹر راجیل چھٹی پر اپنے گھر گئے ہوئے ہیں۔“ مثال کی بات پر خضر جو اب خاموش رہا آخر وہی رنگ کے مثال سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی اپنے سبکی لائٹ براؤن بالوں کی ہمیشہ کی طرح پونی بنائے وہ اس وقت مکمل طور پر دوائیوں کی جانب متوجہ تھی۔

”آپ یہ پلیز دوائیوں وغیرہ رہنے دیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے میں اب ٹھیک ہوں۔“ خضر کے ہنوز روڈ انداز پر مثال نے چونک کر اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

”یقین کیجیے میں آپ کو امپریس کرنے یا اپنی جانب راغب کرنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہی میں تو صرف یہاں اپنے گھر سے.....“ مثال روانی میں بولتے بولتے اچانک رکی۔

”آئی مین پروفیسر صلاح الدین کی آفر پر یہاں آئی ہوں۔“ اب کہ وہ قدرے سنبھل کر بولی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔ ”آپ یہ خدشات پلیز اپنے دل و دماغ سے نکال دیں کہ آپ کی شاندار پرنسٹی اور مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ کو دیکھ کر میں اور لڑکیوں کی طرح آپ کی جانب بڑھوں گی ان ٹیکٹ میں خود بھی ایک بزنس مین کی بیٹی ہوں اور میری شخصیت بھی بہت شاندار ہے۔“ آخری بات پر خضر بے ساختہ مسکرایا۔

”کافی اعتماد ہے آپ کو اپنے آپ پر۔“ وہ مظلوم ہو کر بولا۔

”بالکل جناب۔“

”کیا نام ہے آپ کے فادر کا؟“ اس نے پوچھی پوچھ لیا۔

”احمد علی خان۔“ وہ اپنا سامان سمیٹتے ہوئے مگن انداز میں بولی تو خضر چونکا۔

”احمد علی خان۔“ اس نے زیر لب دہرایا پھر مثال کو دیکھا

جواہری نشست سے اٹھ چکی تھی۔

”اوکے خضر صاحب آپ اپنا خیال رکھیے گا اور پلیز وہاں قائم پر لے لیجیے گا۔“ یہ کہہ کر وہ اس کے کمرے سے نکل گئی جبکہ خضر بہت دیر تک اس مفرد اور پیاری لڑکی کے متعلق سوچے گیا۔

.....♥.....

اگلی شام کو خضر اس سے ملنے گیسٹ ہاؤس چلا آیا۔ وہ اس کی آمد پر قدرے حیران ہوئی تھی۔

”وراصل میں آپ کو سوری کہنے آیا تھا۔“ مثال خضر کو دیکھ کر محض خاموش رہی۔

”امی نے آپ کو ٹائپ اور لیلی کے بارے میں بتایا تھا ان دونوں لڑکیوں نے پہلے عالیان سے دوستی کی اور اس کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کی میں نے صرف عالیان کی خاطر ان کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دو سال پہلے ٹائپ ہماری زندگی میں آئی وہ عالیان کی ٹیچر تھی اس نے پہلے عالیان کو اپنا گرویدہ کیا عالیان محض تین سال کا تھا امی لما نے ٹائپ اور عالیان کا لگاؤ دیکھ کر ٹائپ کو میری زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا مگر چند ہی دنوں میں ٹائپ کی اصلیت سامنے آ گئی جب اس نے عالیان کو کسی بات پر زور دیا تو پھر مارا پھر چند ماہ بعد لیلی کی انٹری ہوئی وہ میرے لبا کے دوست کی بھانجی تھی یہاں گھومنے پھرنے آئی تھی۔ عالیان مین ماں کا بچہ ہے وہ ہر لڑکی میں اپنی ماں کو تلاش کرنے لگتا ہے ٹائپ کی طرح وہ لیلی سے بھی ایچڈ ہو گیا لیلی بھی ہمہ وقت ہر دم اس پر غار ہوتی رہتی یہ سب دیکھتے ہوئے میرے والدین نے اسے پروپوز کر دیا ہماری شادی میں کچھ دن ہی باقی تھے جب لیلی کی اصلیت بھی میرے سامنے آ گئی۔“ مثال خاموش بیٹھی وہ تمام حقائق سن رہی تھی جو وہ خضر کی امی سے اس دن سن چکی تھی۔

”ایک دن میں بتائے لیلی کے گھر پہنچا تو وہ ہنس ہنس کر اپنی لڑن کو اپنا کارنامہ سنارہی تھی مجھ تک پہنچنے کے لیے اس نے میرے معصوم بیٹے کو سیر می بنایا تھا۔“ اس بل خضر کا لہجہ زہر خند ہو گیا تھا۔

”خضر صاحب میں یہ سب کچھ جانتی ہوں آپ کی امی نے مجھے اس رات سب کچھ بتا دیا تھا لیکن آپ یقین کیجیے میرا لبا کوئی ارادہ نہیں۔“

”آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔“ وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا تو مثال بے ساختہ مسکرائی۔

”پہلے میں آپ کو شرمندہ نہیں کرتی یہ کافی پیچھے پلیز۔“ مثال زینت بی بی کی لائی کافی کے مگ کو اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تو خضر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

”آپ کے والد احمد علی خان میرے اچھے واقف کار ہیں ہماری اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔“

”اچھا۔“ وہ خوش گوار حیرت سے بولی۔

”ابھی کچھ دنوں ان کی بیٹی کی شادی میں میں بھی شریک تھا۔“ خضر جو بات کل سے سوچ رہا تھا وہ زبان پر لے ہی آیا مثال کے چہرے کے بدلنے رنگوں کو اس نے بغور دیکھا۔

”ہوں..... ان کی بیٹی علیشہ کی شادی ہوئی تھی۔“ مثال بھینچے بھینچے انداز میں بولی۔

”اگر آپ برائے ماں میں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے اپنی بہن کی شادی ایشیہ کیوں نہیں کی؟“ خضر قدرے جھجک کر بولا مثال کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے اس نے انھیں آمیزہ نظروں سے اسد دیکھا۔

”ائس اوکے کوئی بات نہیں۔ میں کل صبح کراچی جا رہا ہوں اگر آپ اپنے گھر کچھ بھیجنا چاہیں تو.....“ وہ موضوع پلٹتے ہوئے بولا جب کہ مثال کو اچانک کچھ یاد آیا اس نے عشرت خانم کے لیے دو گرم سوٹ اور ہانگی دانت کا بنا خوب صورت سا ڈیکوریشن پیس خریدنا تھا ساتھ میں ایک مثال بھی لی تھی۔

”میں نے اپنی امی کے لیے کچھ چیزیں خریدی ہیں اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو.....“

”اور مجھے تو خوشی ہوگی۔“ وہ اس کی بات درمیان میں ہی اچک کر بولا۔

پھر مثال ”ایک منٹ آئی“ کہہ کر اپنے کمرے میں آئی

اور جلدی سے تمام چیزوں کو پیک کر کے ایک پارسل تیار کر کے خضر کے حوالے کر دیا خضر وہ پارسل لے کر وہاں سے چلا گیا۔

.....♥.....

دسمبر شروع ہو چکا تھا پورے پاکستان میں سردی کی سوغات نے اپنا ڈیرہ جمایا تھا ایبٹ آباد میں سخت سردی تھی۔ مثال کی تو بعض اوقات سردی سے حالت غیر ہو جاتی تھی اسے اتنی کڑا کے در سردی کی عادت نہیں تھی عشرت خانم نے کئی بار اسے کراچی آئے کو کہا ”گروہ ٹال گئی دراصل وہ احمد علی خان کی جانب سے بہت دل برداشتہ تھی یہاں آ کر انہوں نے ایک بار بھی اسے فون نہیں کیا تھا۔ فون پر عشرت خانم نے انہیں بتایا تھا کہ خضر ایمان دو تین بار ان کے گھر آ چکا تھا امی نے بھی اسے بتایا کہ وہ علیشہ اور سالار کی شادی میں بھی شریک ہوا تھا جبکہ علیشہ اور سالار کے درمیان شادی کے پہلے ہی ماہ جھگڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سالار کو شادی سے پہلے علیشہ کی وہی خوبیاں جن کی وجہ سے اس نے مثال کو چھوڑا تھا وہی بری لگنے لگی تھیں دوسری طرف علیشہ بھی سالار سے انتہائی ناخوش تھی وہ سب کچھ چھوڑ چھاؤں کر گھر واپس آ گئی تھی مگر اس بار حیرت انگیز طور پر ڈیڑی نے علیشہ کو کافی ڈانٹا ڈپٹا تھا اور زبردستی اسے سالار کے ہمراہ بیج دیا تھا اور واضح لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ سالار کی بیوی ہونے کی حیثیت سے سو بار گھر آئے مگر اگر اس نے سالار کو چھوڑ کر اس گھر کی راہ لی تو اسے یہاں کے دروازے بند ملیں گے یہ سب جان کر اسے بے پناہ حیرت ہوئی تھی۔

.....♥.....

سخت سردی کی وجہ سے وہ بخاری لپیٹ میں آ گئی تھی پروفیسر صاحب نے اسے میڈیسن وغیرہ دے دی تھیں وہ بے حد اواس اور ڈپریشن ہو رہی تھی اپنا گھر اور امی ڈیڑی اسے بے پناہ یاد آ رہے تھے وہ پوچھتی روتے روتے سو گئی تھی جب ہی اسے اپنے بالوں میں کسی کی انگلیوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی کوئی بہت پیار و نرمی سے اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ مثال نے بے حد گھبرا کر رخ موڑ کر دیکھا تو سامنے

بیشی شخصیت کو دیکھ کر اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔
 ”ڈیڈی آپ یہاں؟“ پھر اسے نجانے کیا ہوا کہ وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دی اُس کے ساتھ ساتھ احمد علی خان بھی رو رہے تھے۔
 ”میں بہت برا ہوں نامشال میری گڑیا پلیز اپنے ڈیڈی کو معاف کر دو نجانے میں کیسے اتارے جس اور سنگ دل ہو گیا تھا تمہاری حق تلفی کرتا رہا مجھے معاف کر دو میری بیٹی۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے جبکہ یہ سب سن کر مشال بے تحاشا رو دی۔

عشرت خانم اور احمد علی خان اسے واپس گھر لے جانا چاہتے تھے مگر مشال کو اس شہر اور یہاں کے لوگوں سے بہت انسیت ہو گئی تھی وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی۔
 ”ٹھیک ہے میری گڑیا جیسی تمہاری خوشی مگر کچھ دنوں کے لیے تو اپنے ڈیڈی کے ساتھ گھر چلو۔“ احمد علی خان اسے پیار کرتے ہوئے بولے تو اس نے ہاں میں سر ہلایا وہ عالیان سے مل کر اور جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے اپنے گھر چلی آئی۔

مشال احمد علی خان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی جب ہی علیشہ کی آمد ہوئی اس نے انتہائی سپاٹ نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھا پھر کھٹ کھٹ کرنی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی عشرت خانم لاؤنج میں داخل ہوئیں تو احمد صاحب گویا ہوئے۔

”اوکے بیٹا آپ اپنی امی کے ساتھ گپ شپ کر رہے ایک ضروری فائل دیکھنی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ ہاں سے چلے گئے تو مشال عشرت خانم سے باتوں میں لگ گئی جب ہی خضر کا تذکرہ آن لگا۔

”مشال بیٹا خضر بہت اچھا اور سمجھدار لڑکا ہے جانتی ہو تمہارے ڈیڈی کے احساسات پر بڑی بے حسی کی چادر بھی اسی نے اتاری۔“ یہ واقعی مشال کے لیے انکشاف تھا وہ حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

”ہاں بیٹا خضر D.C آفیسر ہے اس حوالے سے

تمہارے ڈیڈی سے اس کے مراسم ہیں جب وہ تمہارا دیا پارسل لے کر یہاں آیا تو مجھے اس سے باتیں کر کے بہت اپنائیت محسوس ہوئی میں نے تمہارے وہاں جانے کی وجہ پوچھی۔ یہ سب تمہارے ڈیڈی کی سرد مہری کا سبب اسے بتادیا۔ یہ سب جان کر اسے بہت افسوس ہوا پھر ایک دن وہ گھر آیا پھر تمہارے ڈیڈی کو آئینہ دکھایا۔“ وہ بولتے بولتے رکیں تو مشال ہنوز تحقیر انہیں دیکھنے لگی۔

”اس نے کہا کہ جس صورت حال سے آپ گزر رہے ہیں اس سے ملتی جلتی کیفیت سے میں بھی گزرا ہوں۔“ مجھانی بیوی اہم سے آپ کی طرح شدت کے ساتھ محبت تو نہیں تھی مگر میں اسے پانچویں نہیں کرتا تھا وہ بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی میں اس کی دل و جان سے قدر کرتا تھا اسے پسند کرتا تھا اس کے ساتھ رہتے ہوئے بہت خوشی محسوس کرتا تھا مگر عالیان کو ختم دے کر جب اس نے ہم سب سے منہ موڑا تو میں نے اس کا ذمہ دار اس معصوم بچے کو نہیں ٹھہرایا یہ تو مشیت الہی تھی جب کہ آپ نے اللہ کے فیصلے سے خفا ہو کر اپنی ساری ناراضی مشال کے معصوم وجود پر نکالی یا آپ نے بہت غلط کیا مسٹر احمد۔“ عشرت خانم مزید بھی اسے تفصیلات بتاتی رہیں جب کہ مشال کے دل میں خضر ایمان کی قدر و منزلت بے پناہ بڑھ رہی تھی۔

وہ آج اس سے ملنے اس کے آفس چلی آئی مشال نے اس کی P.A سے اپنا تعارف کر دیا تو تھوڑی ہی دیر بعد انٹر کام کے ذریعے خضر سے اجازت لے کر اسے کمرے میں بھیج دیا۔

”اوہ ڈاکٹر صاحب آپ نے یہاں آ کر تو میرے فیس کی رونق ہی بڑھا دی۔“ انیش گری تھری ٹیس سوٹ میں انتہائی گریس فل شخصیت سمیت وہ بے حد خوش مزاجی سے بولا۔

مشال اسے دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

”میرا نام مشال ہے خضر صاحب۔“
 ”اور میرا نام صرف خضر۔“ وہ اسی کے انداز میں بولا پھر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے جب ہی اس نے

استفسار کیا۔

”واپس ایسٹ باڈ جانے کا کب تک ارادہ ہے۔“
 ”ان شاء اللہ فرسٹ جنوری کو کراچی سے نکل جاؤں گی۔“ یہ کہہ کر وہ پل بھر کو خاموش ہوئی پھر دھیرے سے بولی۔ ”دراصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔“ مشال کے جملے پر خضر نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا ڈاکر پر پل ٹل کے سوٹ میں ہمیشہ کی طرح سادے سے چلے میں وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ ”آپ نے ڈیڈی کا دل میری طرف سے صاف کر دیا آپ نے یہ کام کتنی آسانی سے کر دیا جو کام میری امی سالوں سے نہ کر سکیں۔“

”اس لو کے مشال۔“ وہ دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

”مشال ایک بات پوچھوں تم اگر مائنڈ نا کرو۔۔۔۔۔۔ وہ اچانک آپ سے تم پر اترا آیا امشال کو اس کا تم کہنا نجانے کیوں بہت اچھا لگا۔
 ”ہاں ہاں بالکل پوچھیے۔“ وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

”تم سالار میں انٹر میڈیٹ مین وہ تمہارا انگلیتہ تھا تم اسے پسند کرتی تھیں؟“

”یہ تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ میں اسے پسند کرتی تھی یا نہیں کرتی تھی البتہ اپنے والدین کے فیصلے پر میں نے بخوش آمادگی ظاہر کی تھی مگر سالار کے مجھے اس طرح ٹھکرانے پر بہت افسوس ہوا تھا۔“ وہ صاف گوئی سے بولی پھر موضوع بدلتے ہوئے یونہی پوچھ نہی۔

”آپ کے کیا ارادے ہیں؟“

”میرے ارادے تو کافی ٹیک ہیں امی نے میرے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے سوچ رہا ہوں کہ شادی کر ہی لوں۔“ خضر انتہائی دلنشین انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو چمن سے مشال کے اندر کچھ ٹوٹا۔

”وہ رشتہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ وہ بمشکل مسکراتے ہوئے گویا ہوئی پھر اس سے مزید بیٹھائی نہیں گیا وہ خضر کو خدا حافظ کہہ کر ہاں سے نکل آئی۔

♥.....♥.....♥

مشال اپنی پکینگ مکمل کر چکی تھی کل صبح اسے ایسٹ آباد کے لیے ٹکٹا تھا احمد صاحب اسے خود چھوڑنے جا رہے تھے وہ اس بات پر بے حد خوش تھی مگر اندر ہی اندر کہیں اداسی ڈیرے ڈالے ہوئی تھی وہ خضر کے متعلق سوچتے سوچتے اس کے خیالوں میں گم ہو گئی پھر کچھ دیر بعد چونک کر خود سے گویا ہوئی۔

”اونہہ۔۔۔۔۔۔ مجھے اس سے کیا خضر کسی سے بھی شادی کرے۔“

♥.....♥.....♥

31 دسمبر کی شام تھی کچھ ہی گھنٹوں بعد نئے سال کی آمد تھی علیشہ اور سالار دونوں گھر آئے ہوئے تھے آج پہلی بار

علیشہ اس سے اپنائیت سے ملی تھی۔
 ”مشال اپنا کچھ خیال بھی رکھا کر ذہر وقت بس کام میں مصروف رہتی ہو۔“ علیشہ کے پر خلوص انداز کو محسوس کر کے مشال مسکرا کر بولی۔

”اوکے مائی ڈیزر سسٹر میں اب اپنا خیال رکھوں گی۔“
 مشال کا اتنا کہنا تھا کہ کراچیا تک علیشہ مشال کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مشال مجھے معاف کر دو میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے میں بہت بری ہوں نا مگر تم بہت اچھی ہو پلیز مجھے معاف کر دو۔“ بے اختیار مشال بھی علیشہ کے ساتھ رونے لگی آج دونوں کو اپنی اپنی بہنیں مل گئی تھیں جو ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی اکٹھے تھیں احمد صاحب نے علیشہ کے دل و دماغ پر مشال کے خلاف جی کا ہی کو کھرج کر نکالا تھا عشرت خانم یہ منظر دیکھ کر اپنی آنکھوں میں آنے خوشی و شکر کے آنسو صاف کرتے ہوئے شکرانے کے نوافل ادا کرنے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

♥.....♥.....♥

علیشہ سالار کے ہمراہ نیو ایئر نائٹ منانے چلی گئی تھی۔ عشرت خانم اور احمد صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے مشال عشاء کی نماز سے جونہی فارغ ہوئی



عکس جاناں
صدف آصف

گھر میں بچنے والی ڈوریل نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تو تھوڑی ہی دیر بعد ملازمہ نے اسے کسی مہمان کی آمد کا بتایا۔ مشال جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی، خضر کو دیکھ کر بے اختیار خوش ہوئی۔

”ارے آپ یہاں۔“ خضر اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”میں نے سوچا کہ تمہیں نئے سال کی مبارک باد دے دوں۔“ وہ خوب صورت سا بکے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا تو مشال نے اسے نزاکت سے تھما۔ بلو جینز پر اسکن کلر کی ٹی شرٹ میں وہ آج بہت خاص لگ رہا تھا۔ مشال کے دل کی دھڑکنیں قدرے بے ترتیبی ہوئی تھیں۔

”مشال میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ باہر چلو۔“ نئے سال کا آغاز میں تمہارے سنگ کرنا چاہتا ہوں۔“ خضر کی اس انوکھی فرمائش پر وہ پہلے تو کافی حیران ہوئی پھر قدرے چڑکربولی۔

”میرے خیال میں آپ کو اس لڑکی کے ساتھ باہر جانا چاہیے جسے آپ کی امی نے آپ کے لئے پسند کیا ہے۔“ ”اسی لڑکی کے ساتھ تو باہر جانا چاہ رہا ہوں یار۔“ خضر کی اس بات پر مشال بے اختیار اچھل پڑی پھر اسے انتہائی اچنبھے سے دیکھ کر گویا ہوئی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”مطلب یہ کہ اس دفعہ امی اور عالیان کے ساتھ ساتھ میں بھی تم سے امپر لیں ہو گیا ہوں۔ عالیان کی طرح میں بھی تمہیں اپنے کھر لے جانا چاہتا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔“ خضر کے اتنے خوب صورت اظہار پر پہلے تو وہ ہلنقوں کی طرح اسے دیکھتی رہی پھر اچانک ڈھیروں شرم نہ جانے کہاں سے عود کر آئی جسے چھپانے کی غرض سے وہ اپنا رخ اس کی جانب سے موڑ گئی۔

”آپ کو میرا یقین ہے کہ میں ان لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں۔“ وہ دھیرے سے بولی تو خضر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے مقابل آ کر رکھا پھر انتہائی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

سب بہانے ہیں دنیا داری کے
کسی نے کسی کا سکون لوٹا ہے

سچ تو یہ ہے کہ زمانے میں
میں بھی جھوٹی ہوں تو بھی جھوٹا ہے

ٹوسٹر میں توستیں کے بعد فریدہ یوسف نے جلدی سے فرانک پین میں ہاف فرائی انڈا، صبح صبح ان کے ہاتھ بہت تیزی سے چل رہے تھے۔ دوسرے چولہے پر رکھی چائے کی خوش بو، طلب بڑھا رہی تھی۔ انہوں نے کپوں میں گرم چائے نکالی اور رنجو کی مدد سے ناشتہ ٹیبل پر لگولیا، فریدہ نے اس لڑکے کو اوپر کے کاموں کے لیے رکھا تھا، یوسف احمد جو آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ٹیبل پر آئے تھے، بیوی کو توست پر چیم لگانے کا اشارہ دیا، خود سامنے رکھا فیش جوس کا گلاس ختم کیا۔ تانیہ اور عرفان بھی تیار ہو کر ناشتے کے لیے آگئے تھے۔ کاشان پہلے سے پورچ کھا رہا تھا۔ یوسف احمد کی موجودگی میں سب نے خاموشی سے ناشتہ ختم کیا۔ سوائے کاشان کے جو بے چینی سے بار بار پہلو بدلتا رہا۔ سب جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوسف احمد بیٹی کو کالج ڈراپ کرتے ہوئے آفس جاتے جبکہ عرفان اپنی بائیک پر یونیورسٹی جاتا تھا۔

”کیا بات ہے شان! تم آفس نہیں جا رہے؟“ یوسف احمد نے باہر نکلتے ہوئے مڑ کر بڑے بیٹے کو گھورا جو بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا ماں کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ ”جی لابی! اس تھوڑی دیر میں نکلتا ہوں۔“ وہ ایک دم گھبرا کر دوبارہ کھڑا ہوا۔ مٹی پیتھل کپنی کے ایک بڑے عہدے پر فائز جوان بیٹی کی ایسی بوکھلاہٹ پر فریدہ کا چہرہ مسکرا اٹھا۔

”موصوف باپ کے دفتر جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہی میرے کان کھائیں گے۔ میں تو

ان لوگوں کی روز روز کی لڑائیوں سے تنگ آگئی ہوں آج، یوسف صاحب سے بات کرتی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے، ان دونوں کی شادی کروادیں۔“ فریدہ نے رنجو کو آواز دی، ٹیبل سے ناشتے کے برتن اٹھواتے ہوئے، بیٹے کی بے چینی بھانپ گئیں، سوچتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

کاشان نے دروازے کے قریب جا کر پہلے باپ کی گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنی۔ ان لوگوں کے جانے کا اندازہ ہوا تو اطمینان بھری سانس لی اور ماں کی طرف پلٹا۔ وہ کچن سے سبزی کی ٹوکری تھا، تیزی سے لی وی لائن کی طرف بڑھیں، روزانہ مارننگ شوزد دیکھتے ہوئے، دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنا، ان کا معمول تھا۔ کاشان کا صبر اب مکمل طور پر رخصت ہو چکا تھا۔

”مما..... ممائیں تو“ وہ ان کے برابر والے صوفے پر بیٹھتی ہی شروع ہو گیا۔

”آج کا کیا ایجنڈا ہے وہی پرانا یا کچھ نیلا ہے؟“ فریدہ نے آلو کھرچتے ہوئے جوان بیٹے کو چھیڑا۔

”وہ ہی تو ہے جس نے زندگی عذاب بنا دی ہے۔ بس آپ یہ منگنی کی انگوٹھی منصف چاچا کے گھر واپس کرائیں، مجھے اس لڑکی سے اب کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔“ کاشان نے انگلی سے چاندی کا چھلا اتار کر زور سے ماں کے سامنے رکھا اور انگلی پر پڑنے والے نشان کو مسنے لگا۔ وہ ان ڈراموں کی عادی ہو چکی تھیں، ٹینشن لیے بنا کام میں مصروف رہیں۔

”میں آپ لوگوں کو بتا رہا ہوں۔ اب اس لڑکی کے

ساتھ میرا گزارا ہونا مشکل ہے۔“ کاشان ماں کی بے پروائی پر بدکا۔ اعلان کرنے والے انداز میں۔ ان کو متوجہ کرنے کے لیے زور سے باؤں بچکا۔

”اس! کون سی لڑکی، بھئی یہ کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے؟“ فریدہ کا موڈ خوش گوار ہوا۔ انہوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے وی کار بیوٹ اٹھایا۔

”مما! پلیز مذاق نہ کریں۔ دنیا میں ایک ہی تو لڑکی ہے، مفرح منصف۔ جس سے میری منگنی ہوئی ہے۔ اسی نے کاشان یوسف کو زوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ورنہ کسی میں اتنا حوصلہ نہیں کہ آپ کے شہزادے کو غصہ دلا سکے۔“ کاشان نے منہ بگاڑ کر بچوں کی طرح ماں سے شکایت کی۔

”اچھا اس بار باریا کیا ہو گیا؟ کہ میرا یہ شہزادہ ایک بار پھر برسوں پرانی منگنی توڑنے پر تل گیا۔“ فریدہ کے لیے یہ باتیں معمول کی تھیں۔ انہوں نے معمول کے مطابق پوچھا۔

”وہ بہت خود سر ہو گئی ہے۔ اس کا ابھی سے یہ حال ہے تو شادی کے بعد میری کسی درگت بنائے گی؟ کوئی بات نہیں مانتی ہر وقت اپنی من مانی کرتی رہتی ہے۔“ وہ ایک ہاتھ سے دوسرے پر ہکا ماتے ہوئے بولا۔

”کاشان! مجھے یہ ساری باتیں اذیر ہو چکی ہیں۔ پلیز..... میرا مارننگ شو نکلا جا رہا ہے۔ ویسے بھی آج اداکارہ نہا کی اسٹین کی رسم دکھائی جائے گی۔ تم جلدی سے اصل مدعا پر آؤ۔“ فریدہ نے بے تابی سے جھٹیل بدلتے ہوئے اپنی پسند کا شو لگایا۔

”چھوڑیں یہ فضول شو لگتا ہے ان لوگوں کے پاس کوئی دوسرا کام ہی نہیں۔ فلاں کی شادی ڈھمکال کا دلہہ..... خیر آپ مفرح کی سہیلیں۔ جب میں نے اسے سہیلی بنایا میں واقفہ لینے کو منع کیا۔ وہ نہ مانی۔ میری بس یہ خواہش تھی کہ وہ کبھی سہیلی سے سجیکٹ میں ماسٹر زکر لے۔ جب بھی وہ نہ گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس کے بعد ضرور جاب کی ضد کرے گی۔ بالکل یہی ہوا۔ خدا خدا کر کے تعلیم مکمل ہوئی

نہیں کہ محترمہ جاب کے ارادے سے گھر سے باہر نکلنے پر کمر بستہ ہو گئیں۔“ کاشان نے گاڑی کی چابی سے کھیلے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔ فریدہ کا دل چاہا بیٹے کے خدشات پر اپنا سر پیٹ لیں مفرح تائی اماں سے اس بارے میں پہلے ہی اجازت لے چکی تھی، ان دونوں میں غصہ کی انڈر اسٹینڈنگ پائی جاتی تھی۔

”ماں! وہ کوئی برا کام تو نہیں کر رہی۔ مجھے سب پتا ہے۔ تمہیں تو اس کے ہر معاملے میں بلاوجہ کے اعتراضات اٹھانے کی عادت ہو گئی ہے۔“ فریدہ نے بے توجہی سے بولتے ہوئے لی وی کی طرف دیکھا۔

”مما! آپ بھی نہ ہمیشہ اس کی ہی حمایت کرتی ہیں۔ تب ہی تو وہ دوسرے پر چڑھ گئی ہے۔ مجال ہے جو محترمہ گھر داری کی طرف توجہ بھی دیں۔ بس ہر وقت باہر نکلنے کے بارے میں سوچتی رہتی ہے۔“ کاشان سسکل ماں کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔

”بیٹا! برائے مہربانی اسے کرنے دو جو وہ کرنا چاہ رہی ہے۔ ایک بار شادی ہونے دو۔ اس کے بعد تو لڑکیوں کے سارے شوق گھر تک محدود ہو جاتے ہیں۔“ فریدہ نے کام روکا۔ بیٹے کی طرف منہ کر کے نرمی سے استدعا کی اور دوبارہ آلوکے چوکور نکلنے کاٹنے لگی۔

”آپ کی ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ مجھے کسی خاطر میں نہیں لاتی۔ آپ اور چاچا رقیہ کی طرح میں اپنی بیوی کو ایک گھریلو لڑکی دیکھنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ تو بس سب سے انوکھی ہے۔ مجال ہے جو کچن میں جا کر کسی کے لیے ایک کب چائے کا بھی بنا سکے۔“ کاشان نے ماں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے غلط بیانی سے کام لیا۔ فریدہ یوسف نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ بس نگاہ اٹھا کر اسے گھورا، وہ تھوڑا گڑبڑایا۔ اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔ ابھی تک ماں کے ذہن میں اپنا کتنے بھانسنے میں ناکام ثابت ہوا تھا۔

”آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ میری بیوی روزانہ جاب کے لیے گھر سے باہر نکلے۔ جب میں اسے عیش و آرام میں رکھ سکنا ہوں تو وہ کیوں

حیرت انگیز نسخہ جات سے موٹاپے سے مکمل نجات پائیے

ایک ماہ 30 یا 60 روز کم 6 کلو گرام

سلیٹنگ کورس کے استعمال سے جسم کے اندر پیدا ہونے والی بیماریاں جو موٹاپے کا سبب بنتی ہیں ان کا مکمل خاتمہ



موٹاپا

یقینی ختم

ایڈیل

فری ہوم ڈیلیوری



HR کورس عورتوں کے جسم پر ہونے والے کئی مسائل کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر فوائد میں شامل ہیں: کورس کی مدد سے ہارمونز کا توازن برقرار رہتا ہے، کورس کی مدد سے ہارمونز کا توازن برقرار رہتا ہے، کورس کی مدد سے ہارمونز کا توازن برقرار رہتا ہے۔

ایچ۔ آر۔ کورس



مشہور کے لیے فون یا جوائی ٹی وی پر بڈریو کی پیارسی بھی منگوائی جاسکتی ہے

چہرے کیل مہاسے اور داغ دھبوں کا خاتمہ

ایڈیل بیوٹی کورس

مشہور کرکٹ علاج

ہیلتھ گرو

پاکستان ہومیو پیتھک کلینک

فون: 042-37470123, 042-37470128, 0300-4370496

E-mail: pkhhc@hotmail.co.uk Website: www.pkhhc.com

کرے گی۔ چند دنوں کے لیے اپنا شوق پورا کرتا جا رہی ہے۔ کرے آخر آپ اعتراض کرنے والے ہوتے کون ہیں؟“ فریدہ نے رنجو کالایا ہوا چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے رسائیت سے سمجھایا، ساتھ ہی ایک سوال بھی اٹھایا۔

”میں کون؟ واہ ماما! وہ آپ سے ایسی بچکانہ بات کی توقع نہ تھی۔ ارے میں اس کا ہونے والا شوہر ہوں۔“ کاشان تو جیسے گرم توڑے پراچھلنے لگا، پورے استحقاق سے بولا۔

”شان، ہونے والا نا۔ یہ ہی بتانا چاہ رہی ہوں۔ ابھی شوہر بنے نہیں ہو، جو اس کی زندگی کے ہر معاملے کا فیصلہ کرتے پھر دو۔ ابھی وہ اپنے باوا کے گھر پر ہے۔ اسے ابھی کھل کر سانس لینے دو۔ ویسے بھی چاب کوئی اتنا بڑا الشو نہیں۔ جس کے لیے رشتے ختم کر دیے جائیں۔ اپنی جگہ اور میری بات چھوڑ دو۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آج کی بچیاں اتنا شعور رکھتی ہیں کہ بیک وقت گھر اور پارہ کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہوئے اپنے سے بڑے رشتوں کا بھی خیال رکھ سکتی ہیں۔“ فریدہ نے ہونے والا کو کھینچا تو وہ ایک دم چسپہ گیا پھر کچھ سوچ کر منہ کھولا۔

”میں نے ہمیشہ آپ کے سمجھانے پر خاموشی اختیار کی تاہم اب تو اپنا ہونگی آپ چاہا جی کو منع کر دیں۔“ فریدہ منہ موڑ کر نیوی میں گن ہو گئیں۔ وہ بیٹے کے جذباتی پن سے اچھی طرح واقف تھیں، جانتی تھی کہ وہ ایک بار پھر شور مچا کر خاموش ہو جائے گا۔ رشتے یوں ہی پل بھر میں ختم تھوڑی ہو جاتے ہیں۔ یوسف احمد کو بیٹے کے ارادوں کی ہوا بھی لگ جاتی تو وہ کاشان کو گھر سے باہر نکلنے سے بھی نہیں چوکتے۔ انہیں چھوٹا بھائی منصف بیٹوں کی طرح عزیز تھا۔

فریدہ نے نیوی سے نگاہ ہٹا کر بیٹے کو دیکھا۔ لمبا، چوڑا شاندار سا شان اسکاٹن بلو شرٹ، بلیک پینٹ میں بہت ہینڈم لگ رہا تھا۔ چہرے پر چھائی تجیدگی اس کی وجاہت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔

مردوں کی طرح مشقت کرے۔ شام کو جب تھک ہار کر واپس گھر لوٹے تو اس کا موڈ مجھ سے بھی زیادہ آف ہو۔“ کاشان نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی پھر مستقبل کی پیش گوئی کی۔ فریدہ فطری طور اس وقت ان باتوں کو سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ ویسے بھی ان کا خمیر محبت سے گندھا ہوا تھا۔ وہ کبھی اپنے اور یور کے بچوں میں فرق روا نہیں رکھتی تھیں۔ اسی لیے دونوں خاندانوں کے بیچ بھی تعلقات خراب نہ ہوئے۔ جس خاندان کے بڑے انصاف پسند ہوں وہاں کا نظام کبھی نہیں گھڑتا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ بیٹے کے مقابلے میں مفرح کی طرف دار بن جاتیں۔

”سنو تم جن باتوں کو سوچ سوچ کر اپنا اور میرا دماغ خراب کر رہے ہو، وہ انتہائی فضول اور بے مقصد ہیں گویا ڈاؤن ٹاکل از مرگ، مفرح میرے ہاتھوں میں پٹی بڑھی ہے، جیسا تم اس کے بارے میں سوچ رہے ہو وہ بالکل ایسی پٹی نہیں ہے۔“ فریدہ نے بیٹے کی بک بک سے تنگ آ کر اس پر آنکھیں نکال لیں۔ جھجھکا کر چھری ٹوکر میں پٹی۔

”ماما! آپ کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں۔ مفرح ایک بار چاب کرنے لگی تو اسی لائف اسٹائل کی عادی ہو جائے گی۔ میں اس سے بچ سکتی ہوں۔ اسی لیے اس کی پروا بھی ہے۔ مگر وہ بھی تو یہ بات سمجھے کسی کو پا کر کھونے سے بہتر ہے کہ پایا ہی نہ جائے۔“ کاشان نے جلدی سے ماں کے کانڈھے دباتے ہوئے اپنا نوکھا فلسفہ دہرایا۔ فریدہ نے اس کے مرنے کی وہی ایک ٹانگ پر اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

”بیٹا! دیکھو۔ شادی میں تھوڑا عرصہ رہ گیا ہے۔ چپ کر کے گزار لو۔ کوئی نیا کھینچا امت کھڑا کرنا یہی ہم سب کے لیے بہتر ہے۔ اپنے لبا جی کو جانتے ہوتا۔“ فریدہ نے انگلی اٹھا کر بیٹے کو وارننگ دی۔ باپ کے نام پر وہ منہ لٹکا کر پیٹھ گیا، ان کو اس نامعقول پر ایک دم اسے پیارا لگ گیا۔

”اچھا دیکھو میری اس معاملے میں مفرح سے تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ وہ شادی کے بعد بالکل بھی چاب نہیں

”یہ لڑکا جانے کب سدھرے گا۔ نصیب سے اتنی اچھی لڑکی بڑ گئی ہے۔ اس کی نادانیوں کی وجہ سے کہیں یہ منگنی بچ بچ ہی ختم نہ ہو جائے۔“ ایک دم جو سوچ ذہن میں آئی۔ وہ پریشان ہو اٹھیں۔ دل پر ہاتھ رکھا۔

☆☆☆

”تائی اماں! پلیز ذرا گھر میں پڑتک بنانے کی ترکیب بتائیے گا۔ آج میں رات کے کھانے میں سب کو اپنے ہاتھوں کا میٹھا کھلاؤں گی۔“ مفرح عادت کے مطابق دروازے سے شور مچاتے ہوئے گئی۔ منصف احمد کا گھر اندر بڑے بھائی یوسف احمد کے بڑوں میں ہی آباد تھا۔ دونوں بھائیوں نے ترکے میں ملنے والی رقم سے ایک ساتھ دو پلاٹ خرید کر برابر برابر گھر بنوائے تھے۔ تعمیراتی کام کے دوران انہوں نے ٹھیکدار کے مشورے پر ایک عقل مند یہ دکھائی کے لان کی مشین دیوار سے ایک چھوٹا دروازہ اندر سے کھلویا، اس طرح دونوں گھرانوں کی آمدورفت میں آسانی ہو گئی۔

”بیٹا! ادھر آ جاؤ۔ میں یہاں ٹی وی لاؤنج میں ہوں۔“ فریدہ نے زوردار آواز میں مفرح کو جواب دیتے ہوئے بیٹے کو گھورا۔ سامنے بڑا چاندی کا چھلا اٹھارن بڑی اس کی اٹلی میں پہنا دیا۔ مفرح بے فکری سے گردن ہلاتی اندر داخل ہوئی۔ تائی اماں کے ساتھ شان کو بیٹھا دیکھ کر ایک دم چوکی۔ مفرح کے حساب سے تو اس وقت فریدہ اکیلی تھی، اسی لیے وہ چہرے پر عجیب و غریب بھورے سے آمیزے کا لپ لگائے بے تکلفی سے اندر چلی آئی، جو رقیہ نے اسے لگانے کا کہہ کر صبح سے پیالے میں کھولا تھا۔

”مما! چنیل..... اف..... چنیل۔“ مفرح کو دیکھ کر اس کی شوخیاں لوٹ آئیں۔ شان کے یوں چلانے پر وہ شرمندہ ہو کر تیزی سے واپس پلٹ گئی۔ ان دونوں کا مشترکہ قہقہہ دو رتک اس کا پیچھا کرتا رہا۔

کاشان کی فطرت کو سمجھتے ہوئے۔ فریدہ آج کل مفرح کو کوکنگ کی ٹریننگ دے رہی تھیں تو رقیہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیٹی پر دنیا جہاں کے حسین بننے اور رنگ گورا

کرنے کے ٹوکے آزما رہی تھی۔ مفرح بے چاری ان دیورانی، جنھانی کے بچ گھن چکری ہوئی تھی۔

☆☆☆

فریدہ بھی ایک غیر جانب دار اور کھلے ذہن کی عورت تھیں۔ وہ اپنی اولاد کی اچھائیوں کے ساتھ ساتھ اس میں موجود کمی بیشی کو بھی اچھے طریقے سے پہچانتی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ تا عمر کاشان سے جذباتی انسان کو مفرح جیسی شخصہ مزاج کی لڑکی ہی پینڈل کر سکتی ہے۔ مفرح کا رنگ گندی، شرقی آنکھیں، لمبے بال پرکشش دیکر اس میں کوئی کمی نہ تھی مگر فریدہ نے ایک جوہری کی نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ وہ یہ بات مانتی تھی کہ مفرح میں برواشت کا مادہ وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ وہ ہی کاشان کے مزاج درست رکھ سکتی ہے۔ فریدہ کو یہ لڑکی پیار سے گندمی نظر آتی، یوں لگتا جیسے اس خاندان کی محبت اس کے اندر سانس بنی ہو۔ ان کو اس بات کا بھی ادراک تھا کہ صرف شان ہی نہیں۔ مفرح بھی ان کے بیٹے کے پیار میں پاگل ہے۔ مگر ان دونوں کے بچ جاری نظریات کی جنگ اس محبت کو دبا دیتی ہے۔ انہوں نے بھی اس کی نوسائیت کا غرور سنبھالے رکھا۔ بیٹے پر حقیقت آشکار نہ کی جو کھتا تھا کہ مفرح اسے بالکل اہمیت نہیں دیتی۔ وہ بے بھی مفرح کو ایسا مضبوط بنانے کے پیچھے ساری کارستانی فریدہ کی تھی۔ انہیں اس چھوٹی سی لڑکی پر بہت ترس آتا جو شان کے مزاج کی برہمی سے خوف زدہ اس کے سخت سنانے پر نازک ہونٹوں کو بچھنے سر جھکائے کھڑی رہتی۔ شاید محبت پر بے اعتباری رشتوں کی پائیداری کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ وہ مفرح کو بے انتہا چاہتا تھا۔ محبت تو چھوٹا لفظ تھا، وہ اس جلی لڑکی کے عشق میں پاگل تھا، مگر جہاں بات انا کی آجانی وہ سب بھول بھال اس پر چڑھ دوڑتا۔

”اس سے کیوں بات کی۔ یونیورسٹی میں اتنی دیر کیوں لگائی۔ آج جلدی کیوں جانا ہے؟“ یہ وہ سوالات تھے جن کے جوابات دیتے دیتے اب مفرح بور ہوئے لگی تھی۔ پہلے تو وہ ایسی باتوں پر سہم جاتی۔ صفائیاں دیتی دہی

ہو جاتی۔ مفرح نے کئی سالوں تک وہ ہی کیا جو اس نے چاہا۔ وہ دن کو رات کہتا تو وہ بھی سر ہلا کر تائید کرتی۔ اس سے دب جاتی مگر کب تک۔ مفرح نے اس کی محبت کو اس کا تسلط جانا، اسے محسوس ہوا جیسے وہ شان کا مفتوح علاقہ بن گئی ہو۔

”شان ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ کبھی اپنے آپ کو نہیں بدلے گا۔“ مفرح شان کی غیر موجودگی میں اس کی زیادتیوں پر اپنی دوست جیسی تائی کے سامنے رو دیتی۔ ”دیکھو بچے! وہ مرد ہے تم جتنا اس کے سامنے جھکوں گے وہ عادی ہوتا جائے گا۔ جیسے تم اس کی ملکیت ہو۔ جب تم بچ ہو تو اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی روایات کا پاس رکھتے ہوئے وہ کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے۔“ فریدہ نے اس کے نرم کالوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”اس نے مجھے چھوڑ دیا میں تو اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔“ مفرح نے سرگوشی میں اپنے خوف کا اظہار کیا۔ کیلی آنکھیں فریدہ کی جہاں دیدہ نگاہوں سے جا ٹکرائیں، حوصلہ ٹھٹھل ہوا تو دل ٹہرنے لگا۔

”بیٹا! میں اس بات کی ذمہ داری لیتی ہوں۔ وہ تم سے کبھی الگ نہیں ہوگا۔“ فریدہ کی اہمیت افزائی نے اس کے اندر سے پھڑپھڑ جانے کا ڈر اکھاڑ پھینکا۔ مفرح کی عزت نفس جاگ اٹھی۔ پہلے مردت ختم ہوئی اب لحاظ بھی گیا وہ بھی ضد میں آ گئی۔ ہر وہ کام کرتی جو اسے مناسب لگتا۔ کاشان روکنا رہ جاتا۔

مفرح کا یہ یارو پ اور مزاج کی تبدیلی کاشان کے گے میں ہڈی بن کر اٹکنے لگی۔ اسے مفرح سے اپنی منوانے کی عادت ہو گئی تھی۔ تنگی کی حد سے بڑی ہوئی تابعداری نے شان کو بڑا خوش باش رکھا تھا، مگر وہ اب شان کی بے جا جذباتیت سے اب گئی۔ ایسا بھری کہ اس کے قابو سے ہی باہر ہو گئی۔

☆☆☆

”اس وقت کہاں جا رہی ہو؟“ مفرح آنکھوں پر گلہاز بڑھائے، کانڈھے پر اپنا بیگ لٹکائے، تیزی سے گاڑی کا

دروازہ کھول رہی تھی، وہ بچپا کے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر مسکراتا ہوا گاڑی کے سامنے سے چلا آیا۔ اتنی پیاری سیدھی دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ محبت میں پوچھ بیٹھا۔

”سی ویو تک لانگ ڈرائیو کا ارادہ ہے۔“ مفرح نے تپ کر جواب دیا۔ وہ کیا کہتے ہیں ”بدا چھا بدنام برا“ اس وقت یہ ہی ہوا، وہ پریشان تھی۔ شان کا بے ضرر سوال بھی شاہ کر کے لگا۔ الٹا جواب دے کر تیزی سے گاڑی نکالی۔ یہ جا وہ جا۔ کاشان ہکا بکا رہ گیا۔ اسی وقت الٹے پاؤں گھر لوٹا۔ ماں کے سامنے آ کر خوب چلایا۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ رقیہ کا بخارا یک دم تیز ہو گیا تھا۔ گھر میں اتفاق سے کوئی اور نہ تھا۔ مفرح ماں کو بتا کر پاس ہی ماریٹ میں واقع میڈیکل اسٹور تک دوایا لینے لگی تھی۔

فریدہ کے لیے کاشان کا جذباتی پن دن بہ دن مصیبت بننا جا رہا تھا۔ اب تو ان کی دیورانی رقیہ بھی دبی زبان میں ہونے والے داماد کی بلا وجہ کی برہمی پر اظہار تشویش کرنے لگی، فریدہ جوان بیٹے کو سمجھا سمجھا کر تھک گئیں۔ اس پر چند دنوں تک ہی اثر ہوا پھر اندھیری رات چھا جاتی۔ جن دنوں وہ بھرداری کا مظاہرہ کرتا تو یہ دورانیہ مفرح اور فریدہ کی زندگی کے بہترین وقت پر مشتمل ہوتا۔ کسی چھوٹی سی بات کو لے کر ان منگنی شہکان میں ان بن ہو جاتی اور کاشان غصے میں ماں کی باتیں بھول بھال کر مفرح کے پیچھے بڑھ جاتا، فریدہ تک جب فریقین کا مقدمہ ہوتا۔ انہیں سراسر بیٹے کا ہی قصور دکھائی دیتا۔ شکر ہے یوسف احمد کے کانوں میں بیٹے کے کروت نہیں پڑے تھے، ورنہ وہ خود ہی یہ منگنی ختم کرنے میں لگ جیتے۔

☆☆☆

”السلام علیکم مفرح یہیں رہتی ہے نا؟“ کاشان نے جیسے ہی تیل پر جا کر دروازہ کھولا وہ بروقارا چٹنی عورتوں کے ساتھ ایک کم عمر خوب صورت سی لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اس نے کاشان کو دیکھتے ہی بے چینی سے نوپا پوچھا۔ وہ حیران ہوا۔ ان کے عقب میں جھانکا۔ کالی رنگ کی وی ٹی آئی کار

لشکارے مار رہی تھی۔ ڈارننگ سیٹ پر باوردی ڈرائیور بیٹھا تھا، وہ تھوڑا مرحوب ہوا۔ کاشان ماں کے ساتھ چاچا کے گھر رقیہ کی مزاج پر ہی کرتے آیا تھا۔ ان کا بخار اب اثر چکا تھا۔ ڈورننگ کی تو وہ دروازہ کھولنے لگا۔

”جی نہیں رہتی ہے۔ آپ لوگ کون ہیں؟“ عادت کے مطابق شان کے دماغ میں کلبلا تا سوال فوراً ہی ہونوں تک آیا۔

”شاید مفرح کی کوئی سہیلی ہے۔“ اس نے لڑکی کو دیکھ کر سوچا۔

”کیا ہم اندر آسکتے ہیں یا آپ کے گھر کی کسی خاتون سے بات ہو جاتی تو اچھا تھا۔ رشتے ناٹے کی باتیں ایسے دروازے پر کھڑے ہو کر تو نہیں کی جاتی نا۔“ ایک بڑی عمر کی خاتون نے شائستگی سے کہا تو وہ سنائے میں آگیا۔ کان ایک دم کھڑے ہو گئے، دروازے میں پاؤں پھنسا کر یوں کھڑا ہو گیا۔ جیسے وہ لوگ زبردستی اندر گھس جائیں گی۔

”میں سمجھا نہیں۔ آپ لوگ کیا کہہ رہی ہیں۔ کس کے رشتے کا سلسلہ پلینز اپنا تعارف تو کروا میں؟“ وہ ایک دم تیزی سے بولا، مڑ کر دیکھا کہ کہیں کوئی اندر سے اس طرف تو نہیں آ رہا۔ شک نے سراٹھایا اور بے چینی سے پاؤں ہلاتے ہوئے پوچھا۔

”دیکھیے میں احمد بھائی کی چھوٹی بہن ہانیہ ہوں۔ یہ میری ماما اور خالہ ہیں۔ ویسے کیا آپ کی فیملی میں مہمانوں سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟ مفرح آپ کی تو بہت اچھے اخلاق کی ہیں۔ ہمیں نہیں پتا تھا کہ ان کا بھائی برکس نکلے گا۔“ کم عمر لڑکی تیز تیز لہجے میں بولی۔ پورے دس منٹ سے وہ لوگ اس گفتگوئی عمل سے گزر رہے تھے۔ اب انہیں بھی غصہ آ گیا۔ ہانیہ کے ”بھائی“ کہنے پر وہ اچھل پڑا۔

”سوری میم آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں مفرح کا بھائی نہیں ہوں۔ بانی داوے یہ احمد کون ہیں؟ میں پہچانا نہیں۔“ کاشان کا میٹر اب گھومنے لگا۔ وہ ایک دم رکھائی سے بولا۔

”آپ احمد بھائی کو بھلا کیسے پہچانیں گے۔ اس سے

قبل کبھی ملاقات تھوڑی ہوئی ہے۔“ ہانیہ کی طرف سے بڑے شائمانداز میں جواب آیا وہ بلبلاتا تھا۔

”پلیز ساری باتوں کو چھوڑ کر اگر آپ اصل مدعا تک آجائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔“ کاشان نے چبا چبا کر کہا۔ اسے ہانیہ کا انداز بیان، بہت ناگوار گزرا۔

”ہم لوگ دراصل، مفرح آپ کی رشتے کے سلسلے میں آئے ہیں، آپ شاید ان کے کوئی کزن ہیں۔ پلیز اندر جا کر ہمارے آنے کی اطلاع دے دیں۔“ ہانیہ کھڑے کھڑے جھکنے لگی تو تیزی میں بول کر جان چھڑائی۔ دونوں خواتین کے چہرے پر بھی اب ناگواری کی لکیریں کھینچے لگیں۔ وہ بیٹے کے مجبور کرنے پر یہاں آئی تھیں۔ اس پر ایسا بے مروتی کا سلوک۔ ہانیہ کی بات سے کاشان کا وجود ان دیکھے جھکوں کی زد میں آ گیا یوں محسوس ہوا۔ ایک زور دار دھماکا ہوا اور وہ دروازے میں بٹ گیا۔ سیل فون ہاتھ سے چھوٹے چھوٹے پھٹا۔

”آپ یہ کیا بول رہی ہیں، دماغ تو ٹھیک ہے، وہ صرف میری کزن ہی نہیں مگنیر بھی ہے اور آپ لوگ اسے کیسے جانتے ہیں؟ کیا مفرح بھی؟“ یہ سوال وہیں میں آتے ہی اس کی آواز دھیمی پڑ گئی، ورنہ اس سے قبل تو وہ شیر کی طرح دھماکا تھا۔

”اوہ آئی ام سوری، شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی۔ وہ میرے اور بھائی کے ساتھ ہی پونی ورسی میں پڑھتی ہیں۔ بھائی کی خواہش پر میں نے ان کی ایک سہیلی سے گھر کا پتہ لیا اور میں رشتے کے سلسلے میں یہاں امی خالہ کو ان سے ملوانے کے لیے لے آئی۔“ ہانیہ کا اعتماد ڈانوا ڈول ہوا، زبان میں بھی لڑکھائٹ آ گئی۔

”حیرت ہے۔ آپ لوگ ایسے ہی کہیں چل پڑتے ہیں۔“ اس نے کافی بدگیزی سے کہا۔

”ٹھیک بات ہے۔ غلطی ہماری ہے ہم لوگوں کو چاہیے تھا کہ پہلے فون پر بات کرتے پھر یہاں آتے، مگر احمد اتنا ڈانوا ہوا کہ پتا ملتے ہی ہمیں بھری دو پہر میں یہاں بھیج دیا۔“ ہانیہ کی امی نے شرمندگی ظاہر کی۔ بیٹے پر

شدید غصہ بھی آیا جو ایک غیر لڑکے کے سامنے بلاوجہ گھر کی عورتوں کو شرمندہ کر دیا۔

”حیرت ہے۔۔۔۔۔ مفرح آپ کی نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ کہیں آپ جھوٹ تو نہیں بول رہے۔“ ہانیہ نے مشکوک لگا ہوں سے اسے دیکھا تو وہ مزید چڑ گیا۔ رشتے کی بات سن کر پہلے ہی دماغ ہلک سے اڑ گیا تھا۔

”محترمہ! میں کوئی پاگل دکھائی دے رہا ہوں، جوتی بڑی بات ایسے ہی کہہ دوں گا۔“ کاشان نے مکا دیوار پر مارتے ہوئے کہا تو وہ تینوں ڈر گئیں۔

”کون ہے بیٹا! کب سے دروازے پر کھڑے ہو؟“ فریدہ اور قریس اس طرف آئیں تو کاشان سے پوچھا۔

”خود ہی پوچھ لیں آپ کی لاڈلی کا رشتہ آیا ہے۔“ وہ ماں اور چچی کو ان لوگوں سے باتیں کرتا چھوڑ کر پاؤں پٹختا اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

کیا ہوا بھائی! آخریت تو ہے؟“ عرفان جو سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ شان کو یوں کم سمی وی لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھا تو پوچھنے لگا۔

اس نے بھائی کو جواب نہیں دیا۔ کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تو دھم سے صوفے پر بیٹھ کر سر تھام لیا۔ عرفان جلدی سے اندر پانی لینے بھاگا۔

”ان لوگوں کا یوں منہ اٹھا کر یہاں آنے کا مقصد کیا تھا۔ کیا مفرح بھی احمد میں انوا لو ہے؟ پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ ایک دفعہ تو پوچھنا پڑے گا۔“ ہمیشہ کی طرح منجی سوچ اس پر حاوی ہونے لگی۔ دل میں درد سا اٹھا۔ وہ اپنا چوڑا سینہ مسنے لگا۔ بے یقینی کے راستے پر چلتے ہوئے وہ اندھیروں میں بھٹکنے لگا۔

☆☆☆☆

”بات سنو تم خود کو کیا سمجھتی ہو آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور ہو یا پری۔ سارا زمانہ تمہارا دیوانہ بنا ہوا ہے۔“ شان دھڑ دھڑ کرتا ہوا، مفرح کے کمرے میں داخل ہوا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے کھورا۔

”واہ۔۔۔۔۔ لانا چور کو تو ال کو ڈانٹے۔ غصہ تو مجھے کرنا

چاہیے۔ اگر میرے یونیورسٹی فیلو کی فیملی ہمارے دروازے تک آئی اور شوشی قسمت آپ سے ٹکرائی گئی تو خواتین کو گھر کے اندر بٹھا کر کبھی بات کی جاسکتی تھی یہ کیا کے ان بیچار یوں کو اتنی دیر تک باہر کھڑا رکھا۔“ وہ بھی اس پر کرجی۔

”واہ۔۔۔۔۔ تمہارے دل میں ان لوگوں کا بڑا درد اٹھ رہا ہے۔ میں جو پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دو۔“ شان ایک دم آگے بڑھا اور کرسی کے پیچھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر پوچھا۔ جس پر وہ بیٹھی تھی۔

”میرے پاس آپ کے فضول اور لایعنی سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔“ مفرح اس کے انداز پر بالکل نہیں ڈری۔ ترکی بہ ترکی جواب دیا تو وہ ایک دم پیچھے ہٹا۔

”کاشان صاحب! شہر میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو احمد خان کی مہمان نوازی کی گواہی دیتے نہیں تھکتے، کیسے پتا تھا کہ اب ان کا پوتا یوں، دادا کی روایات کو کھلے لگائے گا۔“ مفرح کی آواز بھر گئی۔ اسے بالکل یہ بات پسند نہیں آئی کہ کسی پر بھی اس کے خاندان کا اتنا برا اثر پڑے۔

”واہ تو بات یہاں تک پہنچ گئی۔ اب محترم احمد صاحب شکایتیں لگاتے ہیں اور ہماری ہونے والی بیوی مسکرا مسکرا کرتی ہیں۔“ کاشان کا دماغ الٹ چکا تھا، وہ بے سوچے سمجھے بولتا چلا گیا، شک کے کیڑے نے اس کو بہت برے طریقے سے کاٹا بغیر کسی تصدیق کے ایسے ہی الزام لگانے سے بھی نہ چوکا۔

”اوکے آپ کا جو دل چاہے سمجھیں، مجھے صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں مگر ایک بات یاد رکھیے گا۔ آئندہ اگر میرا کوئی جاننے والا ہمارے گھر کی دہلیز تک آجائے تو برائے مہربانی ان سے ایسی بدسلوکی نہ کی جائے۔“ وہ ایک دم بے باک اور خشک لہجے میں بولی۔ شان ہکا بکا رہ گیا۔ جب تک بات اس کی سمجھ میں آئی، مفرح کمرے سے جانے کے لیے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور منہ پھیر کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

”ٹھیک ہے۔ میں ایسی لڑکی سے کبھی بھی شادی

نہیں کروں گا، جو شادی کے وعدے کسی اور سے کرے اور انگلی میں انگلی کسی اور کے نام کی پہن کر گھومے۔“
 کا شان کا غصہ آسان کو چھوٹنے لگا، اس نے آگے بڑھ کر مفرح کی گوری نازک سی کلائی اتنی کسی کر پکڑی کہ درد کے مارے اس کی سسکاری نکل گئی اور اس کی لمبی خوب صورت انگلی سے زبردستی سونے کی رنگ اتار لی۔ وہ اپنی جگہ جیسے منجمد ہو گئی۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟“ وہ ایک دم شاک رہ گئی، تصدیق چاہی۔ ہاتھ کی طرف دیکھا مگر طوطی انگلی سے سونے کی وہ نازک رنگ اتار لی گئی تھی۔ جو فریدہ نے نشانی کے طور پر مفرح کو پہنائی تھی۔ انگلی کے گرد موجود دائرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

”ہاں میں آج سے تمہیں ہر پابندی سے آزاد کرتا ہوں۔ جاؤ اب احمد سے شادی کرو یا کسی اور سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔“ کا شان ایک دم پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے رنگ اپنی مٹھی میں سمیٹ کر اذیت کے مارے آنکھیں بند کر لی۔ مفرح شان کی محبت پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو چکا ہے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں منہ سے نکلی بات اور مکان سے نکلا تیر واپس نہیں آ سکتا۔ ایسا ہو چکا تھا۔ مفرح کے اندر سے آنسو ابل کر باہر آنے کو تیار ہو گئے۔ اب وہ اس بے درد کے سامنے آنسو بہانا نہیں چاہتی تھی، بھاگ کر واش روم میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ بھی تیزی سے دروازے پر کھڑی رقیہ کو نظر انداز کرتا ہر نکل گیا۔ رقیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کتوں میں یہ کیا ہو گیا۔ وہ کا شان اور مفرح کی بحث کی آواز سن کر اس طرف آئیں۔ یہاں کا منظر دیکھ کر ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ مفرح کے چھوٹے بھائی واصف نے ماں کو سہارا دے کر ان کے کمرے میں پہنچایا اور تانی اماں کو فون گھما دیا۔

☆☆☆

”شان! تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہارے بغیر کیسے زندگی گزاروں گی؟“ مفرح تکیے میں منہ دیے اس سنگ

دل کے لیے آنسو بہائے جاری تھی۔ جانے کیسا خوف تھا، کیسا دکھ تھا جو اس کے اندر گھنٹیاں بن گئیں۔
 ”کاش اس انکار کے باوجود میری زندگی میں قسمت کا ایسا جھولی بھر دینے والا لگا آئے۔ تم ہمیشہ کے لیے میرے بنادے جاؤ۔“ مفرح چل چل کر رو دی۔

اس کے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے۔ ان دونوں کی ممکنگی سے لے کر اب تک بہت سارے پیار بھرے پل نگاہوں میں پھر گئے۔ اس کے چہرے پر چند گداز پل ٹھہر گئے۔

”آپ تو کہتی تھیں۔ وہ مجھے کسی نہیں چھوڑے گا۔ اس نے تو برسوں کے بندن کو توڑنے میں لحو نہ لگایا۔“ فریدہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو تانی کو دیکھتے ہی وہ گرتی پڑتی بستر سے اتر کر بچوں کی طرح ان سے لپٹ کر گھس کر نہ لگی۔

”ندرو بچے میں اب بھی یہی کہتی ہوں۔ وہ کہیں نہیں جائے گا تمہارا ہی رہے گا۔ میں اپنے بیٹے کو چاہتی ہوں۔ جیسے ہی غصے کا طوفان گھمے گا۔ اسے اپنی زیادتی کا احساس ہو جائے گا تم مجھے شروع سے بتاؤ ہوا کیا تھا؟“ فریدہ نے

اس کے بال سنوارتے ہوئے پانی پلایا اور چمکارتے ہوئے تسلی دی۔ رقیہ بھی بیٹی کی حالت پر آنسو بہانے لگی۔ بلاوجہ چھوٹی سی بات اتنی بڑی بن گئی۔ یونیورسٹی کی

پانیہ جو احمد کی بہن بھی تھی، مفرح کی اس کے ساتھ ہلکی پھلکی سلام و دعا تھی۔ آپ! ہم لوگوں کو گھر میں بٹھا کر سہولت سے بھی ممکنگی کے بارے میں بتایا جاسکتا تھا۔ یہ کیا کہ دروازے پر کھڑا کر کے اتنی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا گیا۔

پانیہ نے یونیورسٹی میں مفرح سے ملاقات ہونے پر نورانی شکوہ کرتے ہوئے کا شان کی شکایت لگائی۔ ایسی باتیں سننے کے بعد مفرح کے سر میں شدید درد اٹھ اٹھا تھا۔ وہ جلدی گھر لوٹ آئی۔ اس پر شان کی الزام تراشیاں، صبر و تحمل جواب دے گیا۔ شان کا دماغ الٹا تو مفرح بھی خلاف

مزاج ایک دم اس بات پر گرم ہو گئی وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس نے روتے ہوئے تانی اماں کو ساری بات

بتادی۔ انہیں کا شان کی یہ بات پہلے ہی بہت بری لگی۔
 ”ایک بات غور سے سنو اس بات کا ذکر مجھ سے بھی گھر کے مردوں کے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔ کا شان کا دماغ تو میں ٹھیک کرتی ہوں۔“ فریدہ نے دونوں کو تاکید کی۔ واصف کو الگ خاموش رہنے کی ہدایت کی۔
 ”وہ تو ممکنگی توڑ چکے ہیں۔“ مفرح ایک بار پھر

بلک کر روئی۔

”میری بچی! امت زدہ بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غصہ اترنے دو خود اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا مگر اس بار کا شان کو اپنی جذباتیت بہت مہنگی پڑنے والی ہے۔“ فریدہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ لپٹایا اور کچھ سوچ کر عزم سے بولیں۔

☆☆☆

”کتنا اچھا لڑکا ہے احمد، رقیہ بھی بڑی تعریف کر رہی تھی۔“ فریدہ نے دوپٹے میں تیل ٹاٹتے ہوئے چشمے کی اوٹ سے بیٹے کو دیکھا جو پہلے کے مقابلے میں کمزور اور بچھا ہوا سا تھا، طظنہ جو مزاج کا خاصہ تھا، دماغ سے دور ہو گیا تھا۔

”ہاں تو اچھا ہونے لگا۔ پر مجھ سے زیادہ ہینڈسوم تو نہیں ہوگا۔“ وہ ماں کے پرسکون انداز پر چڑ کر اپنا موازنہ کرنے لگا۔

”یہ تو ہے میرا بیٹا تو بڑا اسارت اور ہینڈسوم ہے مگر وہ بھی کم نہیں ویسے بھی اب جب کہ تم خود بھی ممکنگی توڑ چکے ہو تو مفرح کی شادی کسی سے بھی ہو چھیں کیا؟“ فریدہ نے بیٹے کو ٹٹولا۔

”کسی بھی کیا جلدی چٹائی جا رہی ہے، مفرح کوئی بھاگ تو نہیں جا رہی۔ تھوڑا انتظار بھی کیا جاسکتا تھا۔“ کا شان نے دانستوں سے ناخن کترتے ہوئے ماں سے سوال کیا۔

”کس کا انتظار..... تمہارا؟“ فریدہ نے بیٹے کی دل کی بات جاننا چاہی۔

”ہاں میرا وہ میرے سوا کسی اور کی دہن نہیں بن سکتی۔“

کا شان کا دل یہ کہنے کو چھلا۔ مگر انا آؤں آگئی۔ اس پر مفرح کا خراب رویہ جہاں لٹی اسے دیکھ کر منہ پھیر لیتی۔
 ”بیٹا! جواب نہیں دیا۔ مفرح کو کس کا انتظار کرنا چاہیے تمہارا؟“ فریدہ نے اسے خیالوں میں کھویا پایا تو دوبارہ پوچھا۔

”جی..... نہیں..... مجھے اس ممکنگی ملی ہے شادی نہیں کرنی۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ شاید کوئی احمد سے بہتر لڑکا مل جاتا۔“ کا شان نے جی کڑا کر کہا مگر اس کا چہرہ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ فریدہ مایوس نہیں ہوئیں۔

”ٹھیک ہے بیٹا! اب یہ وقت ہی بتائے گا کہ مفرح کے لیے کیا اچھا ہے کیا برا۔“ فریدہ نے منہ بگاڑ کر کہا تو کا شان نے بے دلی سے سر ہلایا۔ دل نے اسے جلد بازی پر سہارا ڈالا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

”کتنا تھک گئی ہوں! تانیہ پانی تو پلاؤ۔“ فریدہ نے صوفے پر گرتے ہوئے، بیٹی کو آواز لگائی جو دوسرے صوفے پر کتا میں پھیلانے پڑھنے میں مصروف تھی۔

”چاچی! کہاں ہیں وہ بھی تو آپ کے ساتھ گئیں تھی؟“ تانیہ نے جلدی سے ماں کو جینن بھرا جگ اور گلاس تھماتے ہوئے پوچھا، جو اس نے رنج سے بخرا کر فریج میں رکھوا دیا تھا۔

”وہ رنجو سے شارپز نکلا رہی ہیں۔“ فریدہ نے پیروں کی انگلیوں کو دباتے ہوئے کہا۔ انہیں بازار جا کر احساس ہوا کہ آج کل کے دور میں عروسی لباس خریدنا کوئی آسان کام نہیں۔

”مجھ کو کتنا ہے برا بیٹریل ڈریس آپ لوگوں نے کیسے خریدے ہیں۔“ تانیہ نے اشتیاق سے بیٹیوں اور شارپز میں جھانگی مارتے ہوئے اشتیاق سے کہا رقیہ بھی تھک کر وہیں براجمان ہو گئی۔

”ہاں تانی لے لی اپنا تمہارا کل پیپر اور مفرح کو بخار بھی ابھی آتا تھا۔ تم دونوں لڑکیوں نے ہمارے ساتھ جانے سے انکار کر کے ہمیں مارکیٹ سمیٹ کر کوئی دشمنی لگائی ہے

اف اتنی مشکل پیش آئی کہ مت پوچھو کیوں بھائی خیر یہ پہاڑ سر کر ہی لیا۔“ رقیہ نے گلاس کو منہ تک بھرا اور پیتے ہوئے بولی۔

”بالکل صحیح کہہ رہی ہو رقیہ۔ ایک ہمارا زمانہ تھا۔ سرخ بناری یا چٹائی کا غراہ بن جاتا سائن کی پلین قمیص کے گلے آستین پر گونے کی نیل اور دوپٹے پر گونے کے پھول اور کرن لگادی جاتی اللہ اللہ خیر صلا تو اتنی ورائی آگئی بندہ کنفیوژ ہی رہتا ہے۔ اتنے اسٹائل ہیں کے خریدنے والا بازار جا کر باؤلا ہونے لگتا ہے۔“ فریدہ نے کمر کے نیچے کشن لگایا۔ کئی گھنٹوں تک بازار کے رش کو برداشت کرنے کے بعد اب کمر میں در و در شروع ہو گیا تھا۔

”مما! اب تو ڈیر انسرز کا دور ہے۔“ تانیہ نے مسکرا کر ماں کو چھیڑا۔

”ارے رہنے دو تانی ڈیر انسرز کے پاس جاؤ تو قیمتیں سن کر ہی انسان بے ہوش ہونے لگتا ہے۔ اتنے میں تو کسی غریب لڑکی کی شادی کا کھانا ہو جائے۔ میں صرف چند گھنٹوں کے لیے اتنے پیسے برباد کرنے کے حق میں نہیں۔ کیوں بھائی؟“ رقیہ نے جھٹائی سے تانیہ چاہی۔ فریدہ نے سر ہلا کر حامی بھری۔ تانیہ کو کپڑے بہت پسند آئے۔

”رقیہ! جلدی سے سب سمیٹ کر رجو سے اپنے گھر بھجوا دو شان کے آفس سے واپسی کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ فریدہ نے گھڑی پر نظر ڈالی تو چونک کر کہا رقیہ بھی الٹ ہو گئیں۔

”مما! پلیز بھائی کو معاف کر دیں۔ ان کو بتا دیں اتنی سزا کافی ہے۔ وہ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ مفرح آپ کی شادی اجد سے ہو رہی ہے۔ آج کل تو انہوں نے گھر میں کم اور باہر زیادہ وقت گزارنا شروع کر دیا ہے۔“ تانیہ کو بڑے بھائی سے ہمدردی محسوس ہوئی، ماں سے سفارش کی۔

”ہاں بھائی بچے کا چھوٹا سامنہ نکل آیا ہے۔ اتنی سزا کافی ہے۔“ رقیہ نے بھی شوشی دکھائی تو فریدہ ہنس دیں۔

”بس تھوڑے دن اور صبر کرو پھر اسے پتا چل ہی جائے گا۔ ویسے بھی اس کے جذباتی پن کے لیے یہ سزا بھی

کم ہے۔ اچھا ہے اسے بھی احساس ہونا چاہیے کہ جب کوئی اپنا پتھر جاتا ہو من پسند شے کی طرح ہاتھوں سے نکل رہا ہو تب ہی اس کی قدر ہوتی ہے۔“ فریدہ نے اپنا نظریہ بیان کیا۔

یہ بات تو ٹھیک ہے بھائی لیکن اب اسے معاف کر دیں۔“ رقیہ نے ہونے والے لڑائی کی سفارش کی۔ اس دور میں ایسا کون ہوگا؟ جو اپنے بچے کو دکھ دے کر دوسرے کا دل رکھتا ہو۔ رقیہ کے دل میں جھٹائی کا مقام اونچا ہوتا چلا گیا۔

”ہونہ مگر تم لوگ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہی کہ مفرح بہت حساس بچی ہے۔ عزت نفس پر پڑنے والی شک و شبہ کی پرچھائی، تاہم اس کے دل کی تکہ بن کر اسے بے چین رکھ سکتی ہے۔ اس کا اعتبار بحال کرنے کے لیے اسے

مورل سپورٹ کی ضرورت ہے۔ ورنہ وہ دل سے اس رشتے کو قبول نہیں کر پائے گی۔ اسی لیے شادی سے قبل شان کا دماغ ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ مفرح پر آئے دن شان کی جانب سے لگائی جانے والی عدالت، نے اس کے ذہن پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا۔ میں نے اسی لیے موصوف کو یہ سزا دی۔ اچھا ہے اب شان تھوڑے دنوں تک احساس جرم میں مبتلا رہے گا۔ جدائی کی مار سے اسے مفرح کی صحیح طور پر قدر آئے گی۔ وہ شادی کے بعد بھی اس کو بہت زیادہ عزیز رکھے گا۔“ فریدہ نے مسکرا کر اپنے تجربے کا نیچوڑ پیش کیا، ان دونوں نے تانیہ میں سر ہلایا۔ رقیہ کی آنکھوں میں جھٹائی کی بلند کرداری پر آنسو آ گئے۔

☆☆☆

”میاں! آج کل کہاں غائب رہتے ہو۔ کیا ستاروں کے ساتھ نکلے ہو۔ جو دن میں دکھائی نہیں دیتے؟“ کا شان آج کافی دنوں بعد سر شام گھر لوٹا تو باپ کے بلاوے پر پی دی لاؤنچ میں مرے قدموں سے داخل ہوا۔ اس کی توقع کے عین مطابق یوسف احمد خوب گرجے برسے۔ وہ باپ کے قدموں میں سر جھکائے بیٹھا ان کی بھڑاس نکلنے کا منتظر تھا۔

”جی..... وہ بس..... آج کل آفس میں کچھ کام زیادہ ہے۔ آپ نے کسی کام سے بلوایا تھا؟“ اس نے باپ کو ٹھنڈا ہوتے دیکھا تو ایک آرمودہ بہانہ گھڑا اور ان کی توجہ اپنے اوپر سے ہٹانے کے لیے جلدی سے سوال پوچھا۔

”ہونہ ایک بات کرنی تھی۔“ انہوں نے ایک خاکی بنڈل کو سامنے رکھتے ہوئے آنکھوں پر سنہری کمانی والے گلاسز لگائے تانیہ نے بنڈل میں جھانکنے کی کوشش کی۔

”بات کرنی تھی وہ بھی مجھ سے۔“ کا شان زیر لب بڑبڑایا، گھبرا کر پہلے ماں اور پھر چھوٹے بھائی بہن کو دیکھا، جو وہیں بیٹھے ان دونوں کے درمیان ہونے والے کاموں سے محفوظ ہو رہے تھے۔ یوسف احمد کے ہونٹوں پر بھی تبہم سی مسکراہٹ در آئی۔

”بیٹا جی! آپ کا معاملہ ہے تو آپ سے ہی مشورہ کروں گا خیر یہ دیکھو۔ شادی کے کارڈ کے نمونے آ گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی اچھا سا ڈیزائن پسند کر لو تا کہ چھپنے دے دیا جائے۔“ انہوں نے بنڈل بیٹے کی گود میں ڈالا۔

”اتنی جلدی بھی کیا ہے؟“ کا شان کو لگا کے اجد اور مفرح کی شادی کے کارڈ چھپنے جارہے ہیں اسی لیے بے دلی سے بولا، کمرے میں موجود سارے نفوس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”کیا مطلب..... شادی میں ایک مہینہ رہ گیا ہے۔ اب بھی جلدی نہ کریں۔“ یوسف احمد نے چشمے کے پیچھے سے بیٹے کو گھورا۔

”یہ سیاہ کارڈ اچھا ہے گا۔“ کا شان کا دل جل رہا تھا۔ اس نے بے دلی سے سب سے ماتھا کارڈ نکال کر باپ کے سامنے رکھا۔

”یہ اچھا خیر۔“ انہوں نے کارڈ بیٹے کے سامنے لہرایا۔ حیرت سے اسے گھورا اس نے ڈر کر جلدی سے سر ہلادیا۔

”بھائی کا اظہار سوگ۔“ عرفان نے تانیہ کے کانوں میں سرگوشی کی۔ وہ منہ بنا کر بیٹھا رہا۔

”یہ بتاؤ کہ چھٹیاں کب سے لے رہے ہو میرا خیال ہے کہ ایک مہینے کی درخواست دے دو۔“ یوسف احمد کو کارڈ

پسند نہیں آیا پر جس کی شادی تھی۔ اسے پسند آ گیا۔ تو خاموش ہو گئے۔ فریدہ کے یاد دلانے پر دوسری اہم بات کی طرف آئے۔

”اتنی ساری چھٹیاں لے کر میں کیا کروں گا؟“ کا شان جھنجھلایا باپ کو بغور دیکھا وہ کچھ عجیب عجیب سوال کر رہے تھے۔

”بیٹا جی! آپ کی شادی ہے تو آپ ہی کو چھٹیاں لینی ہوں گی یا میں عرفان سے یہ سوال پوچھوں؟“ یوسف احمد بیٹے کی طرف انگلی اٹھا کر اس کی بے توجہی پر گرج اٹھے۔ وہ ہکا بکارہ گیا۔

”میری شادی.....؟“ کا شان حیران ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں موجود باقی نفوس ہنس دینے یوسف احمد کے علاوہ سب حقیقت سے واقف تھے۔

”جی اب اس عمر میں میرا تو دوسری شادی کا کوئی ارادہ نہیں تمہاری ماما کی جانب سے اجازت مل جائے تو اور بات ہے۔“ یوسف احمد بیٹے کی ہوش شکل دیکھ کر شرارت پر آمادہ ہوئے۔ فریدہ نے ایک دم میاں کو آنکھیں دکھائیں۔

”اب یہ نہیں پوچھنا شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟“ یوسف احمد نے شوشی دکھائی اور کارڈ سمیٹنے لگے۔

”یہ بی بی چھوڑا ہوں کہ آخر میری شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔“ وہ کڑبڑا کر ماں کو دیکھنے لگا۔

”فریدہ! ذرا اپنے لاؤ لے کو چھو کر دیکھو بخار وغیرہ تو نہیں جو دماغ کو چڑھ گیا ہو۔“ نامعلوم باپ سے بخول کر رہا ہے۔ ارے مفرح کے ساتھ ہو رہی ہے اور کس کے ساتھ ہو گئی؟“ وہ غضب ناک ہو کر بیوی کی طرف مڑے۔ فریدہ نے بیٹے کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ یوسف احمد اپنا کام جھام سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گئے۔

”مما! کیا یہ سچ ہے؟“ وہ ایک دم جوش میں پوچھنے لگا۔ چہرہ بھی خوشی سے دکنے لگا۔ ایسا لگا جیسے چاند سیاہ بدلیوں سے نکل آیا ہو۔

”ہاں..... بالکل سچ مفرح اور تمہاری ہی شادی

ہو رہی ہے۔“ فریدہ نے پیار سے اس کی چوڑی پیشانی چومی اور کہا۔

”وہ..... اجدا؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ کہیں ماں ناراض نہ ہو جائے۔

”کمکی کوئی بات بھی نہیں وہ جو تم بچپن میں مفرح پر مسلسل شک کیے جا رہے تھے تو میں نے ہی نہیں سزا دینے کے لیے یہ روشنا چھوڑا۔ وہ بچی تو اجدا سے کبھی مخاطب بھی نہیں ہوئی۔ اس کا قصور اتنا ہی تھا کہ وہ بھی اس ہی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔“ فریدہ نے مسکرا کر کہا۔

اوہ..... ماما! آپ لوگوں نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ سچ دنیا میں کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا۔ جس سے آپ لوگوں کو تکلیف ہو۔ مفرح سے معافی دلوا دیں۔ میں نے جذبات میں آکر ایسا قدم اٹھایا جس کی تلافی ممکن نہیں۔“ کاوشان نے دل سے معافی مانگتے ہوئے ماں کے ہاتھ چومے۔

”بھائی کیا خیال ہے شادی پر وہ سیاہ رنگ والا کارڈ چھپوانا ہے؟“ عرفان نے یاد دلایا تو اس کو اپنی بے وقوفی پر ہنسی آئی۔

”نہیں اوسے اب تو کوئی چمکتا دمکتا شوخ رنگ کا کارڈ مابودت کی شادی پر چھپنا چاہیے۔“ کاوشان کی آواز میں شوخی کی لہر جاگ اٹھی۔ سب نے اس کے انداز پر اطمینان بھرا ساں لیا۔

”اب اسے کیسے مناؤں جو زندگی کا حاصل ہے۔“ کاوشان نے پریشانی سے سوچا۔ وہ مدد حاصل کرنے کے لیے ماں کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆

شاندار ہال رنگ و بو کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جھلملاتی روشنیوں میں اصلی پھولوں سے کی گئی سجاوٹ نگاہوں کو بہت جھلی لگ رہی تھی۔ کاوشان دلہنا کریم شیروانی زیب تن کیے، میرون چمکے کوکاندھے پر لٹکائے اور سلیم شامی جوتے پہن کر کمری کمری سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ ایک طرف فریدہ فخر سے سر اٹھائے کھڑی تھیں تو دوسری طرف

تانیہ شرابہ پہنے بھائی کا بازو تھامے مسکراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔ رقیہ نے مسکرا کر بارات کو خوش آمدید کہا اور بڑھ کر بھائی کے ہاتھوں میں گھرے پہنائے۔ ساری کنزرتھوں میں گلاب کی بتیوں سے بھری چٹائیں تھامے کھڑی تھیں۔ بارات کو آدیکہ کر پھول نچھاور کیے گئے۔ شان کو دیکھتے ہی ساری کنزرتھ سالیان بن کر اس سے چھیڑ چھاڑ میں مشغول ہو گئیں۔

”بھائی! ذرا ڈرینگ روم کی طرف چلیں۔ بھائی کے ساتھ آپ کا فوٹوشیشن ہوتا ہے۔“ عرفان نے نکاح کے چھوڑے پائے کے بعد سچ پر آ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ کاوشان بھائی کا ہاتھ تمام کر مفرح کے ساتھ تصاویر اور مودوی بنوانے کے لیے ڈرینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

مفرح قیمتی عروسی لباس جو کامدار سفید قمیص، بائٹل گرین ڈھکا کا پانچا اور دونوں کے کام سے پئے پڑے سرخ ڈوپٹے پر مشتمل تھا اسے زیب تن کیے بے انتہا خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ شان کو یوں سامنے دیکھ کر شرمائی۔ دلکش میک اپ، ہاتھوں حیرتوں پر لگی نازک سے تیل بوئے والی ہنڈی کے ساتھ کاوشان کے دل کو بے قابو کیے جا رہی تھی۔ کاوشان نے نگاہ اٹھا کر مفرح کا یہ روپ نگاہوں میں بسایا، وہ اب اس کی منکوحہ بن چکی تھی، یہ سوچ کر ہی اس کے اندر سے انوکھے سے جذبے بیدار ہونے لگے، محبت کا سیلاب اٹھنے لگا۔ اس کی ساحتھکوں کی گرفت میں مقید ہو کر مفرح کے دل کی دھڑکن بے قرار ہو اٹھی۔ اچانک محبت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ چند برقیں فوٹو گرافر اندر داخل ہوئے۔ سیٹنگ کے بعد فوٹوشیشن شروع ہو گیا۔

”پلیز یہ ہاتھ ایسے رکھیں۔“ فوٹو گرافر نے مفرح کا ہاتھ تھام کر دوپٹے پر ایک خاص اسٹائل سے پکڑ لیا۔ کاوشان چونکا اسے یہ بات ناگوار گزری۔

”دہن کے کچھ پوز اکیسے بناؤ۔ اس کے بعد کل فوٹو بنیں گے۔“ ایک فوٹو گرافر نے اپنے کمرے کو زور کرتے

ہوئے دوسرے سے کہا جواب مفرح کو دوسرے اسٹائل میں کھڑا کر دینے لگا۔

”اچھا اب ایسے کھڑے ہو کر یوں ماتھا پٹی پر ایک انگلی رکھیں۔“ وہ لڑکا ابھی مفرح کا ہاتھ ایک خاص انداز میں ماتھے پر رکھ رہا تھا کہ کاوشان نے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔

”پلیز..... مجھے بتائیے کیسے کرنا ہے؟ میں کتنا جاؤں گا۔“ اس نے فوٹو گرافر کو ہٹا کر تکیہ کی دیوہ منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔

مفرح جو مودوی اور فوٹو گرافی کرنے والوں کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ کاوشان کی حرکت کو بغور دیکھنے لگی۔ اسے لگا کہ کاوشان نے ایک بار پھر غلط سمجھا۔

”اف! کیا ساری عمر میں ان کے شک کے سائے تلے زندگی گزاروں گی۔ انہوں نے مجھ سے اور تانیہ اماں سے کتنی معافی مانگی تھی مگر یہ کبھی نہیں بدل سکتے۔“ آنسو نکلنے کو بے قرار ہوئے۔ اس نے بڑی بے دلی سے فوٹو سیشن مکمل کروایا۔ کاوشان کو اندازہ نہیں ہوا کہ مفرح کے دل میں ایک گرہ پڑ چکی ہے۔

☆☆☆☆

بیٹا! کتنے دن ہو گئے شادی کو تم لوگ کہیں گھوم پھر آؤ نا۔“ فریدہ نے بہو بیٹے کو آتے دیکھا تو مسکرا کر کہا۔

”ہاں شان تم ہماری بیٹی کو لے کر پاکستان ٹور پر نکل جاؤ۔ یہ کیا کہ اسے گھر میں قید کر کے رکھ دیا ہے۔“ یوسف احمد نے بھی بیٹی سے لاڈ دکھایا۔

”نہیں تایا! اب تو کہہ رہے تھے میں نے خود بخود کر دیا۔ ابھی چند دن آپ لوگوں کے ساتھ گزار لوں۔ گھومنے کو تو عمر بڑی ہے۔“ مفرح گلابی لباس میں ایک اداس لگی بیٹی ہوئی تھی۔ ساس سسکی پینکشن کو مٹر کر دیا۔

”بھائی! آپ کیسی بورنگ ہو انا اچھا موقع مل رہا ہے گھوم پھر آؤ ہاں دل بھلانے کے لیے مجھے بھی ساتھ لے چلو۔“ عرفان نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔ وہ بڑی مشکلوں سے ایک پینکی سی مسکراہٹ لبوں تک لاسکی۔ شان نے

ٹھنڈی سانس بھر کر پہلے بیوی پھر ماں کو دیکھا۔ فریدہ کو اندازہ ہوا کہ وال میں کچھ کالا ہے۔

☆☆☆☆

”یار! اب تو موڈ ٹھیک کر لو سچ میں شادی کے اتنے دن گزر گئے تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔“ شان نے پیار سے مفرح کے کان میں سرگوشی کی، وہ ناگوار سے اسے دھکا دیتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب جب کہ کاوشان نے اپنے آپ کو شیت راہوں پر ڈال دیا تھا تو مفرح کی آکر ختم ہونے کا ناٹھ نہیں لے رہی تھی۔

”اچھا سنو بھلے مجھ سے بات نہ کرو مگر چلو پاکستان ٹور پر چلتے ہیں تھوڑا سیٹج ہو جائے گا۔ سچ بھانے لگی بار پوچھا ہے کہ مفرح کو لے کر ایک ہفتے کے لیے مری وغیرہ نکل جاؤ، چشیاں ختم ہو جائیں گی۔ کل بازار چلتے ہیں تم وہاں جانے کے لیے جو شاپنگ کرنا چاہو کر لینا۔ میں اگلے ہفتے کی ٹکٹ کروالیتا ہوں۔“ شان نے مفرح کا ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے کہا تو اس نے کچھ سوچ کر حافی بھر لی۔

”بھائی! ماما بلا رہی ہیں جلدی سے ان کے کمرے میں پہنچ جائیں۔“ تانیہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔ اعلان کر کے بھاگ گئی۔ اس کے پیچھے پر وہ دونوں مسکرا دیے۔

”شکر ہے تانی کے بھانے ہی تم نہیں تو۔“ کاوشان نے بیوی کو قریبان ہونے والی نگاہوں سے دیکھا۔ مفرح اس کے جذباتوں کے زیر اثر آنے لگی۔

”تانی اماں انتظار کر رہی ہوں گی جائیں۔“ وہ اس کی نگاہوں کے سحر سے باہر آنے کے لیے ایک دم بیٹھ سے نیچے اتر گئی۔ کاوشان ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا۔ بال درست کرتا ہوا ماں کے کمرے کی طرف بڑھا۔

”یہ تم دونوں کے سچ چل کیا رہا ہے؟ تم شادی کے بعد بھی نہیں بدلے۔ کیا پھر کوئی نیا شو کھڑا کر دیا ہے؟“ سب کے اپنے اپنے کام دھندوں پر نکل جانے کے بعد انہوں نے موقع دیکھ کر اکیلے میں بیٹھ کر بولایا۔ کاوشان نے بارات والے دن اور فوٹوشیشن کا پورا واقعہ ماں کو کہہ سنایا۔

”بس ماما مفرح اسی دن سے خفا ہے۔ وہ مجھے غلط سمجھ رہی ہے۔ میں کوئی شک نہیں کر رہا تھا۔“ کاشان نے فریدہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔
 ”اف یہاں تو پوری دال ہی کالی لگی۔ لڑکے تو سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمیں کیا اعتراض تھا؟ آج کل اسی طرح سے پرفیشنل فوٹو گرافر تصاویر بناتے ہیں۔“ فریدہ نے سر پٹ لیا اور خفگی سے بولیں۔

”مما! آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہیں اگر سب غلط کر رہے ہیں تو میں بھی اسی رنگ میں رنگ جاؤں۔ دہن اپنے شوہر کے لیے جتنی ہے۔ ویسے تو ہم کسی نامحرم کو اپنی خواہشیں کے ارد گرد پھنکنے بھی نہیں دیتے، پھر فوٹو سیشن کے نام پر ایسی کھلی چھوٹ کیوں دے دی جاتی ہے۔ آپ لوگ کچھ بھی سمجھیں مگر مجھے تو یہ بات گوارا نہیں ہوئی کہ میری بیوی جو میری عزت ہے اس کے ساتھ ایسا کیا جائے۔“ کاشان مزاج کے برخلاف بہت تحمل سے ماں کو اپنا نکتہ سمجھانے لگا۔ مفرح جو فریدہ سے دوپہر کے کھانے کا پوچھنے کے لیے آئی تھی۔ شوہر کی ساری باتیں سن کر وہیں گھڑی رہ گئی۔

”میں ان کو کتنا غلط سمجھ رہی تھی یہ تو میری عزت کا پاس کر رہے تھے۔“ مفرح نے خود کو گھر کا۔ اس کا دل کاشان کی محبت کے آگے سرنگوں ہونے لگا۔ اس کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ مفرح نے بلاوجہ پٹ دھری کامظاہرہ کیا۔
 ”بیٹا! پھر بھی.....“ فریدہ نے فخر سے بیٹے کو دیکھا۔

”مما! اس دفعہ میں غلط نہیں ہوں نہ ہی مفرح پر شک کر رہا ہوں۔ اب وہ بچوں کی طرح بات کو سمجھے بغیر اس بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہے۔“ کاشان نے بہت آرام سے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔ اس کے لہجے میں بیوی کے لیے پیار ہی پیار تھا زندگی میں پہلی بار فریدہ نے بیٹے کی بات سے اتفاق کیا۔

☆☆☆☆

”مفرح! کیا ہوا خیریت تو ہے پلیز بتا دو کیوں رو رہی ہو کیا مجھ سے پھر کوئی غلطی ہوئی ہے؟“ وہ کمرے میں

داخل ہوا تو اندھیرے کا سامنا ہوا۔ اس نے لائٹ جلا لی تو عینے میں منہ دیے مفرح کو روٹا دیکھ کر بے چین ہوا تھا۔
 ”پلیز چپ ہو جائیں مجھے معاف کر دیں۔ ضروری نہیں کسی کی ہانسی کی غلطیوں کی وجہ سے اسے تھک گیا اور نگاہ سے دیکھا جائے۔ اسے ہمیشہ غلط ہی سمجھا جائے اور اپنے حال کو تباہ کر لیا جائے۔ غلط آپ نہیں میں ہی جو ایک غلط بات کو دل سے لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ اس وقت ٹھیک تھے اگر آپ کی غیرت کو گوارا نہ تھا کہ کوئی مجھے اس طرح سے ہاتھ لگائے تو بیوی ہونے کی حیثیت سے میرا بھی یہ فرض تھا کہ آپ کے جذبات کو سمجھوں۔“ مفرح نے گیلی آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں سے شوہر کو دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔ شان دکشی سے مسکرایا مفرح آج بھی اس کے دل کی دھڑکن تھی۔ زندہ رہنے کے لیے اس کی ضرورت تھی وہ اس سے کیسے منہ موڑتا۔

”او میرے مالک تیرا شکر ہے۔ زوجہ محترمہ نے میرے پوائنٹ کو تو سمجھا۔ مجھے صبح جانا، نوازش، کرم، شکر یہ مہربانی۔ ہمیں بخش دی آپ نے زندہ گانی۔“ اس نے گنگناتے ہوئے سکون کی سانس لی۔ خوشیاں ناچ اٹھی، انگلیں جوان ہونیں غم کے بادل کیا چھٹے۔ وہ شوخ ہونے لگا۔

”سنیں کل مجھے نئے سوٹ شال، شووز اور ٹور پر جانے کے لیے بہت ساری دوسری چیزوں کی شاپنگ کرنی ہے۔“ وہ بھی ادائے دلبری سے بولی۔ کاشان نے مسکرا کر سر تسلیم خم کیا۔ مفرح کی آنکھوں میں جھانکا۔ محبت کے ان گنت جگنوئیں جانان کی طرح جگمگا اٹھیں۔



شہزادہ کی کہش
 فاروق کفریل ہاوی

سردیوں کا موسم ہے بریلی ہوائیں ہیں

سال نو آچکا، جنوری کی شائیں ہیں

اداسیوں میں لیے ہوئے ماہ و سال گزرے ہیں

چلے آؤ کہ صدیوں سے ترسی ہوئی نگاہیں ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

صمد حسن اور ان کی فیملی کی کہانی ہے جنہیں ان کے والدین کی رحلت کے بعد کرل شیر علی اپنا بیٹا بنا کر گھر لے آتے ہیں اور بعد ازاں اپنی بیٹی مریرہ رحمان کی شادی ان کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔ مریرہ رحمان کی بڑی بہن مریرہ رحمان کی شادی ان کے سگے بیٹے سکندر علوی کے ساتھ طے ہوتی ہے مگر سکندر علوی بیرون ملک اپنی ایک کلاس فیلو کے ساتھ شادی رچا کر وہیں کے ہو رہے ہیں جس کی خبر مریرہ کو ہوتی ہے تو وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ صمد حسن اور مریرہ رحمان کے دو بچے زاویار صمد اور درکنون صمد ہیں۔ بعد ازاں دونوں کے راستے ایک چھوٹی سی غلط فہمی سے الگ ہو جاتے ہیں تو زاویار صمد حسن صاحب کے پاس رہ جاتا ہے جبکہ درکنون کو مریرہ تنگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ ادھر بیرون ملک سکندر علوی کثرت شراب نوشی کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو کرل شیر علی اس کی بیٹی عاتکہ علوی کو اپنے ساتھ پاکستان لے آتے ہیں۔ زاویار بے حد اچھے مزاج کا شخص ہے لندن میں اس کا سارا وقت اپنے انگریز دوستوں جوٹی رابرٹ اور ایک کے ساتھ گزرتا ہے وہیں اسٹور پر کام کرنے والی ایک لڑکی ہوزان اس کی دیوانی ہے۔ درکنون اپنی ماں مریرہ کا بزنس سنبھال لیتی ہے اس کے آفس میں صیام آفندی جو اس کا پرسنل سیکرٹری ہے اس سے محبت کرتا ہے مگر اظہار نہیں کرتا۔ صمد حسن کی زندگی میں نامساعد حالات کے سبب دوسری آنے والی عورت سارا احمد ہے جن کے والد صمد حسن صاحب کے بزنس پارٹنر ہیں اور انہی کے بچنے کے ساتھ سارا تنگم کا نکاح ہو چکا ہے مگر وہ آوارہ مزاج انسان ثابت ہوتا ہے اور سارا تنگم کے طلاق کے مطالبے پر ان کی عزت برباد کر کے انہیں طلاق دے دیتا ہے۔ سارا تنگم کی بیٹی پریمان اس حقیقت سے بے خبر ہے اور اپنی ماں کو گناہ گار سمجھتی ہے کیونکہ اس کا منگیتر ساویرز آفندی جو صمد حسن صاحب کے قریبی دوست احمد آفندی کا اکلوتا بیٹا ہے اسے ناجائز سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے وہ بھی لندن اپنے یونیورسٹی فیلوز کے پاس آ جاتی ہے۔ ساویرز آفندی کی ماں سعدیہ آفندی کرل شیر علی کی پوتی عاتکہ علوی کے منگیتر سعدیہ علوی کی بھی حقیقی ماں ہیں۔ سعدیہ کرل شیر علی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آری جوان کر لیتا ہے۔ دوسری طرف کرل شیر علی کی جگری دوست ملک اظہار اور زنگانی بی کا بیٹا عمر عباس مریرہ رحمان سے عشق کرتا ہے مگر مریرہ کو اس کے سچے جذبات کی خبر نہیں۔ ملک اظہار کی ساری فیملی ان کی حویلی میں دفن ہے اسی حویلی کے راز جاننے کے لیے ان کی پوتی اور عمر عباس کی بیٹی شہزادہ پاکستان آتی ہے۔ صمد کٹانے کے بعد مریرہ کا اس کی طرف بے قراری سے بڑھنے پر عمر کے اندر کچھ ٹوٹتا ہے۔ عمر اس کو ہر گز رے ہوئے وقت کو یاد کرنے لگتا ہے عمر شروع سے ہی غصہ کا تیز رہا ہے۔ کرل صاحب کو بھائی اور بھائی کی اچانک رحلت نے توڑ کر رکھ دیا ہے بریرہ اور مریرہ کی ذمہ داری ان پر آ گئی ہے اس

مدے سے بھی ابھی نکلے ہی نہیں کراکھوتے بیٹے نے ملک سے باہر جانے کی ضد باندھ لی اور گھر سے زیور اور نقدی چرا کر ملک سے باہر چلا گیا۔ کرل صاحب بریرہ اور مریرہ کو لے کر گاؤں آ جاتے ہیں۔

شہزاد کا ارادہ حویلی میں رکنے کا تھا لیکن شہزادو (شہزاد کی ماں) اور عمر کے منع کرنے پر وہ مریرہ کے ساتھ شہر آ گئی ہے۔ شہزادو مریرہ کو احساس دلاتی ہے کہ وہ صمد حسن اور اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے لیکن مریرہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ درکنون ساویرز سے شادی کا فیصلہ کر کے مریرہ کو شہر کر دیتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے مریرہ اس رشتے کو مسترد کر دیتی ہے جس پر درکنون بھی نہ شادی کرنے کا فیصلہ بنا دیتی ہے۔ شہزاد صیام سے پہلی نظر میں محبت کرنے لگتی ہے صیام سے شہزاد کی سرسری سی ملاقات درکنون کے آفس میں ہوتی ہے۔ درکنون عبدالحکیم (صیام کا دوست) سے صیام کی حساب لکھ کر کرنے اور اسے آفس سے نکالنے کا کہتی ہے لیکن پھر شہزاد کی فرمائش پر ہی صیام کو واپس جاب پر رکھ لیتی ہے۔ شہزاد اپنی پہلی نظر کی محبت کا درکنون کو بتاتی ہے۔ سارا بچپن سے ہی ماں کے وجود سے محروم تھی جبکہ باپ نے بہت لاف پیار سے انہیں پالا ہے وہ جو اسٹ فیلو میں رہ رہی تھیں بچپن میں ہی ان کا نکاح والد کی مرضی پر چچا کے بیٹے عذیر ترندی سے ہو گیا تھا۔ عذیر ایک بد معاش انسان ہے اس بات کو جانتے ہوئے سارا کے والد اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو عذیر سارا کی عزت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ صمد حسن کو اس واقعے کی خبر ہوتی ہے تو وہ سارا کے والد کو حوصلہ دیتے سارا کو اپنانے کی بات کرتے ہیں۔ سعدیہ کے جانے پر عاتکہ اس سے سیدھا اپنے اپنی ٹریفنگ کے حوالے سے بتا کر ملک کے حالات بھی اس کے سامنے رکھتا ہے جس پر عاتکہ اس کی معلومات کو سراہتی ہے۔

اب آگے بڑھیے



مجھے تم بھول جاؤ گے کہا تھا ایک دن میں نے

وہ بولا ہو نہیں سکتا

مجھے میں کھنپیں سکتا

کہ میری جان تجھ میں ہے

بیرا رمان تجھ میں ہے

تجھے جس دن نہ دیکھوں میں

میں اس شب سو نہیں سکتا

تجھے میں کھنپیں سکتا

ملا ہے خط جسے پڑھ کر لہو سا رو دیا میں نے

لکھا ہے اس نے یہ خط میں

کہ مجھ کو بھول جاؤ تم کہ تم کو کھو دیا میں نے

دروازے پر دستک جاری تھی۔ سعدیہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا باہر کرل شیر علی تھکن زدہ چہرہ لیے کھڑے تھے وہ سائینڈ پر ہو گیا۔

”السلام علیکم! آپ کہاں چلے گئے تھے صبح صبح؟“

”علیکم السلام۔“ کرل شیر علی نے صرف اس کے سلام کا جواب دیا تھا اس کا سوال وہ گول کر گئے تھے۔ سعدیہ متفکر سالن کے پیچھے ہی کمرے میں چلا آیا۔

”کیا بات ہے بابا! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔“ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ کرل شیر علی نے جواب میں سرسری سی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے بس تھوڑا تھک گیا ہوں۔ پہلے ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا پھر قبرستان چلا گیا تھا۔“

”قبرستان کیوں؟“
”بریرہ کی قبر پر گیا تھا آج برسی ہے اس کی اور آج کے دن ہی سالوں پہلے مریرہ نے میری گود میں آنکھ کھولی تھی۔“
”اوہ.....“ سدید نے تاسف سے سر ہلایا۔ ”کیا آپ کو ان کی یاد آ رہی ہے؟“
”جانتا تھا وہ اس ٹاپک پر بات نہیں کریں گے چاہے جتنا بھی کریداجائے اور یہی ہوا تھا وہ صاف نال گئے تھے۔ عائد تھوڑی دیر میں تین کپ چائے لائی تو وہ بستر میں دبک گئے۔“
”پیکنگ مکمل ہو گئی تمہاری؟“
”جی ہا۔“

”تمہیں پتا ہے سدید! چند سال پہلے جب تم اپنے ماموں کے گھر سے بھاگے تھے میں نے اپنے دو بچوں کو ایک ساتھ کھویا تھا سکندر اور مریرہ..... دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔ مجھے لگا قدرت نے مجھے سکندر علوی کی جگہ تمہیں دے دیا ہے انکل ویسے ہی جیسے مریرہ کی جگہ عائد میری گود میں ڈال دی تھی اس نے۔ میں اس وقت تمہاری کہانی سے واقف نہیں تھا تم میری گاڑی سے نکلے پورے دو سال کومہ میں رہے اور میں ان دو سالوں میں پل پل اذیت کی سولی پر لٹکا رہا۔“ سدید کے جواب پر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا۔
”میں اس شہر کے راستوں سے واقف نہیں تھا صرف مریرہ کی تلاش مجھے وہاں لے گئی تھی کیونکہ اس کا بیٹا بہت بیمار تھا۔ اس وقت پہلی بار میں نے صمد حسن کو بے بسی کے ساتھ روتے دیکھا تھا بلند حوصلہ والے صمد کو مگر مریرہ نہیں ملی تم مل گئے۔ پورے دو سال میں تمہارے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ کر سکا بعد میں جب خدا نے تمہیں زندگی بخشی اور تم نے بتایا کہ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے تب مجھے لگا تم سکندری علوی نہیں صمد حسن ہو۔ وقت ایک مرتبہ پھر روپ بدل کر میرے سامنے کھڑا ہوا تھا مگر..... تمہیں پتا ہے آج میں اس عورت سے ملا ہوں جو تمہاری ماں ہے جس کے وجود سے تم نے جنم لیا ہے جو کسی بے بس پرندے کی طرح تمہیں صرف ایک نظر دیکھنے کو تڑپ رہی ہے۔“ اپنی دانست میں کرل صاحب نے دھماکہ کیا تھا ان کی اداسی کی اصل وجہ سامنے آ گئی تھی مگر سدید کے چہرے کی خمیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ جیسے اس حقیقت سے پہلے ہی واقف تھا۔

”کہاں ملی وہ عورت آپ کو؟“ قطعی سپاٹ لہجے میں اس نے پوچھا جیسے اپنی ماں کے بارے میں نہیں کسی اجنبی عورت کے بارے میں بات کر رہا ہو۔ کرل صاحب کے ساتھ ساتھ عائد کو بھی بے حد حیرانی ہوئی۔
”صمد حسن کے گھر پر۔“

”میرا اب اس عورت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے بابا! وہ عورت میری ماں نہیں ہے کیونکہ ماں صرف جنم نہیں دیتی اپنا ہوا بلکہ زمانے کی ساری سختیاں سہہ کر پاتی بھی ہے بہر حال میں آج رات جلا جاؤں گا۔ امید کرتا ہوں آپ اس عورت کو میرا کوئی سراغ نہیں دیں گے ورنہ میں سچ کہہ رہا ہوں بابا! میں لوٹ کر نہیں آؤں گا بالکل مریرہ آئی کی طرح۔“ قدرے خشک لہجے میں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہاں ٹھہر انہیں تھا پیچھے کرل صاحب اور عائد ملے کتنے ہی پل حیرانی میں ڈوبے رہے تھے۔



ہم تہلی تھے ہم جگنو تھے ہم رنگ برنگے پنچھی تھے۔
کبھی ماہ و سال کی جنت میں ماں ہم دونوں بھی سا جھی تھے

میں چھوٹا سا اک بچہ تھا
تیری انگلی تھام کے چلتا تھا
ٹو دو نظر سے ہوتی تھی
میں آنسو آنسو روتا تھا

اک خواب کا روشن بستہ ٹو ہر روز مجھے پہناتی تھی
جب ڈر جاتا میں راتوں کو.....

ٹو اپنے ساتھ سلائی تھی

ماں ٹو نے اتنے برسوں تک

اس پھول کو سینچا ہوا تھا

جیون کے گہرے جمیدوں کو نہیں سمجھا تیری باتوں سے

میں تیرے ہاتھ کے تکیے پر

ماں اب بھی رات کو سوتا ہوں

ماں میں اک چھوٹا سا بچہ ہوں تیری یاد میں اب بھی روتا ہوں

شب کی خاموشی گھڑیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر مکمل کر رہی تھیں۔ پورے گھر پر خاموشی کا راج تھا ہر جگہ عجیب سی وحشت ڈیرہ بچائی ہوئی تھی۔ عجیب بات تھی کہ کروڑوں کی مالیت سے بنے اس گھر میں بھی ان کے لیے نہیں سکون نہیں تھا آج پھر ان پر دورہ پڑا تھا۔

اپنے نخت جگر محبوب بیٹے سدید علوی کی محبت کا دورہ جسے زندگی کی عیش و عشرت کے لیے انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا تھا۔ وہ سدید علوی جوان کے پہلے محبوب شوہر کی نشانی تھا مگر وہ اسے اپنے بھائیوں کے سپرد کر کے خود دنیا کی ٹھوکروں میں رولنے کے لیے چھوڑا تھی۔ نئی منزلوں کی چاہت میں پرانے درتے بند کر آئی تھیں مگر کیا ہوا تھا؟ ان پرانے درپچوں کے بند ہوتے ہی ان کی سیالیں گھٹنے لگی تھیں۔ آج کیا نہیں تھا ان کے پاس؟ مگر پھر بھی وہ نیند کی گولیوں کا سہارا لے کر چند گھنٹاں آرام کرتی تھیں اور پھر بڑا کراٹھ پٹھتی تھیں کبھی کبھی انسان سب کچھ پا کر بھی بالکل تہی دست رہ جاتا ہے وہ بھی رہ گئی تھیں۔

نیا شوہر شانداز گھر، کروڑوں کا بینک بیلنس، قیمتی گاڑیاں، نوکر چاکر سب کچھ پا کر بھی ان کا دامن بالکل خالی تھا۔ ان کے رئیس باپ اور بھائیوں نے انہیں سب کچھ دیا تھا سوائے سکون کے اور وہ کتنی سفاک تھیں کہ اپنا سکون انہی لوگوں کے پاس چھوڑ دیتی تھیں جو ان کے بچے کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے اس کے گھر سے بھاگنے کے باوجود بجائے انہیں انعام کرنے کے ”سب ٹھیک ہے“ کی رپورٹ دیتے رہے تھے۔ سوسائٹی میں بے حد شہرت اور اونچا نام..... پا کر بھی وہ سب سکون تھیں۔ آج زندگی ان کی من پسند تھی اس کے باوجود انہیں اپنا آپ خالی لگتا تھا۔

ملاوڑ آفندی جیسا بے حد ذہین اور قابل بیٹا درپہ جیسی بے حد حسین اور فرماں بردار بیٹی پا کر بھی ان کے اندر کہیں گہنہ نہیں رہتی تھی۔ کہاں کی گہی؟ انہوں نے زندگی میں جو کھویا تھا اپنی مرضی سے کھویا اور جو پایا تھا وہ بھی اپنی مرضی

سے پایا تھا تو پھر بے سکوئی کیوں تھی؟ یہ اندر کا خالی پن کیوں ہر پل انہیں بے کل کیے رکھتا تھا؟ وہ اچھی بیٹی نہیں تھیں انہوں نے اپنی پہلی شادی اپنے ماں باپ کا دل دکھا کر ان کی مرضی کے خلاف کی تھی۔ اس وقت ان کا خیال تھا کہ محبت کے بغیر زندگی بے کار ہوتی ہے مگر بعد میں اسی محبت کی آزمائشوں نے انہیں تھا کا ڈالا تب بھی کیا نہیں تھا ان کے پاس؟ جان سے بڑھ کر پیار کرنے والا بے حد خیال رکھنے والا اینڈیل شوہر..... چھوٹا سا مگر بے حد صاف ستھرا علیحدہ گھر..... سدید جیسا بے حد خوب صورت حساس بیٹا..... محبت کی اس چھوٹی سی ریاست میں ان کا مقام ہرگز کسی ملکہ سے کم نہیں تھا مگر اس وقت وہ بے سکون نہیں ناخوش تھیں۔ ان دنوں شاندار گھر اے سی قیمتی گاڑی عمدہ ملبوسات ان کی خواہشات کی فہرست میں پہلے نمبر پر تھے۔ انہیں محبت اور دنیاوی آسائشات ساتھ ساتھ درکار تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی جس نے شادی کے محض دو سال بعد ہی ان کے محبوب شوہر کو پریشان رکھنا شروع کر دیا تھا۔

صرف انہیں ہر خوشی دینے کے لیے وہ تین تین جگہ جاب کرتے تھے جس روز ان کا ایکسٹرنٹ ہوا اس روز بھی وہ ایک جاب سے فارغ ہو کر دوسری جاب کے لیے نکل رہے تھے۔ زندگی میں ایک طوفان آیا اور پھر ٹھہر گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی محبت کی شدتیں کمزور پڑنے لگی تھیں۔ مٹی کے اس ڈھیر تلے صرف ان کے محبوب شوہر کی تدفین ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی محبت ان کے جذبات ہر مشکل کو ہمبر سے برداشت کرنے کے ارادے سب دن ہو گئے تھے۔ ان کے والد صاحب ان سے سخت ناراض تھے مگر جس وقت انہوں نے خود کو ان کے انہیں روتے ہوئے اور بیہوش ہونے کی اطلاع دی تھی وہ فوراً انہیں لینے آ گئے تھے اور ان میں ایک مرتبہ پھر اپنے باپ کا دل دکھانے اور ان کی نافرمانی کرنے کا حوصلہ نہیں تھا تبھی وہ اپنے محبوب شوہر کے گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی آئیں۔ دوسری شادی ان کی خواہش نہیں تھی مگر وقت نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ احمد آفندی صاحب کے والد ان کے والد کے ناصر گھر سے دوست تھے بلکہ برٹس بائزر بھی تھے تبھی کسی ذیل کی طرح ان کی شادی فائل ہو گئی اور وہ صرف اپنے باپ بھائیوں کی عزت کے لیے بالکل خاموشی سے مسز علوی سے مسز آفندی بن گئیں۔ انہیں احساس تھا کہ اس ساری ذیل میں ان کے لاؤ لے بیٹے سدید علوی کا نقصان ہوا ہے مگر اس وقت انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ اس ساری ذیل کے سبب آنے والے وقت میں خود ان کی اپنی ذات کا کتنا نقصان ہونے والا ہے۔

احمد آفندی صاحب ایک بے حد شکی اور قدرے خشک مزاج رکھنے والے انسان تھے۔ شادی کے محض ایک سال بعد ہی اس نے انہیں دن میں تارے دکھانا شروع کر دیے تھے۔ ہر بات میں شک اور کتک چینی ہر عمل میں طنز اور تھک ان کے مزاج کا حصہ تھا بلکہ انہوں نے شوہر کا صرف پیاری پیاری دیکھا تھا بہت جلد کھرا شروع ہو گئی تھیں۔ انہیں لگتا تھا جیسے انہیں اپنے معصوم بیٹے کی آگ لگی ہے جسے وہ نئے سفر کے آغاز پر اپنے بھائی بھائیوں کے سپرد کر کے چلی آئی تھیں۔ وہ روز گھروں کر کے اس کی خیریت پوچھتی اور ان کی بھابھیاں روز انہیں سب ٹھیک ہے کا سٹکل دے کر مطمئن کر دیتیں۔ ان کے والد اور بھائی ہر ملاقات پر انہیں تسلی دیتے کہ ان کے بیٹے کا مستقبل بہت روشن ہے وہ اس کا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔ اس کی بہترین تعلیم کے لیے اسے ملک سے باہر بھجوا رہے ہیں اور وہ بس اسی پر مطمئن ہو گئی تھیں۔ انہیں خبر ہی نہیں ہو سکی کہ ان کا بیٹا گھر سے بھاگ بھی سکتا ہے وہ کسی مشکل کسی انہونی کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ خبر ہوتی ہی کیسے؟ انہی دنوں تو ساویز ان کی گود میں آ گیا تھا اور وہ جوشوہر کے رویے پر حذر درج تکلیف میں رہتی تھیں ایک ننھے سے وجود کا آسرا پر بالکل بچوں کی طرح بہل گئیں۔ ساویز کے بعد درج کی پیدائش نے انہیں اور بھی مصروف کر دیا ہے میں وہ صرف تھوڑے سے وقت کے لیے میکے آئی تھیں اور سدید کے بیرون ملک بہترین تعلیمی کارکردگی کا سن کر خوشی واپس لوٹ جاتی تھیں۔

اس وقت انہیں کک تھی کہ ان کا بیٹا ان سے مل کر کیوں نہیں گیا؟ وہ بس ایک بار ان کے پاس ہسپتال آیا تھا جب انہوں نے ساویز کو آپریشن سے جنم دیا تھا مگر اس وقت بھی آفندی صاحب کی موجودگی کے سبب نہ وہ اسے پاس بلا سکی تھیں نہ پیار کر سکی تھیں۔ انہیں اجازت ہی نہیں تھی۔ ان کے والد اور بھائیوں نے احمد آفندی اور ان کے والد کو صرف ان کی ناکام شادی کا بتایا تھا ایک عدد بیٹے کا نہیں بتایا تھا تبھی وہ میکے بھی نہیں جاتی تھیں کہ کہیں آفندی صاحب کے سامنے ان کا بیٹا ان کے باپ کے جھوٹ کا پول نہ کھول دے۔ وہ اپنے بیٹے کی گناہ گھر اس گناہ کی سزا لگتی تھیں ہوگی یہ وہ نہیں جانتی تھیں۔ انہیں بہت بعد میں ان کے گھر والوں نے بتایا تھا کہ ان کا بیٹا ملک سے باہر نہیں گیا تھا بلکہ گھر سے بھاگ گیا تھا جب وہ لوگ اسے ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کر کے تھک گئے تو انہیں سب بچ بتا دیا اور بس اسی دن سے ان کی سزا شروع ہو گئی تھی۔

انہیں وقتاً فوقتاً دورے پڑنے شروع ہو گئے تھے وہ ہر پل خاموش رہنے لگی تھیں انہوں نے احمد صاحب کی پروا کرنا اور ان کی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں سے بھی نہیں ملتی تھیں ساویز اور وہ پر بھی ان کی توجہ میں کی آئی تھی۔ بہت سے سال اسی جنون کی نذر ہو گئے تھے مگر ان کے اندر کے جنون میں کوئی کمی نہیں آئی۔ صرف ایک نظر اپنے محبوب شوہر کی واحد نشانی کو دیکھنے کے لیے کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی تھی انہوں نے ہر دربار پر منت مانگتے ہر مزار پر چادر چڑھاتے مسجدوں میں اجتماع میں ہر کہیں دعا کروادیں مگر وہ جو دنیا کی بھیڑ میں کھو گیا تھا وہ انہیں پھر دوبارہ نہیں ملا اور ملا بھی تو یوں کہ نظر اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہیں تھا اور اب..... اب ان کے دوسرے بیٹے کی زندگی کی کہانی شروع ہو گئی تھی۔ اب وہ نکاح کا شکار شروع ہو رہا تھا اور کون جانتا تھا کہ نکاح کا ہو کر نکھرے کا یہ کھیل کب تک جاری رہے گا۔



صیام کے والد کی رحلت ہو گئی تھی عبدالحق اس آفس آیا تھا مگر جلد ہی ہاف لیور چلا گیا۔ درمکنون کو اسٹاف میں سے ہی کسی نے خبر دی تھی شہر زاد بھی اس روز اس کے ساتھ ہی آفس آئی تھی اور بے حد غمگین تھی۔ دیکھا..... میں نے کہا تھا ناں ضرور اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے مگر تم نے حد روئی اس کی غربت اور مجبوری کو گالی بدلاؤ تم نے۔“

”فارگاڈ سیک یار..... یہ پاکستان ہے یہاں سارے لوگ اپنے ملازمین کے ساتھ ایسے ہی پیش آتے ہیں۔“
”کیا ضروری ہے درجی کے ہر اخلاق سوز کام صرف پاکستان میں ہی ہو۔“
”صرف پاکستان میں نہیں یار! بھارت، بنگلہ دیش اور جانے کتنے ملک ہیں دنیا میں جہاں ملازمین کو ایسے ہی ان کی اوقات پر رکھا جاتا ہے۔“
”مگر کیوں؟ وہ محنت کرتے ہیں اور اپنی محنت کے پیسے لیتے ہیں۔ بھیک تو نہیں لیتے ناں پھر یہ تحقیر یہ ذلالت کیوں؟“

”تم جذباتی ہو رہی ہو شہر زاد! یہ اس معاشرے کی ریت ہے جسے بدلنا نہیں جاسکتا۔ تم دیکھو کوئی بھی قاتل جو قتل کرتا ہے کسی کو موت دیتا ہے بدلے میں اسے بھی بدترین موت مرنا پڑتا ہے ناں مگر اس کے باوجود موت کے بدلے موت لینے کے باوجود جیل کی کال کوٹھڑی میں پچیس پچیس تیس سال جو ظلم جو درندگی وہ برداشت کرتا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں مگر یہ اس معاشرے کا دستور ہے ان کے ساتھ خواہ کتنا ہی برا کر لیں کوئی ان کی فیور نہیں کرتا ان کے لیے انسانیت کا درس یاد نہیں رکھتا۔“

اب ہر دن خوبصورت

مکمل تحفظ مکمل تازگی



Butterfly
BREATHABLES

GIRL
TALK

facebook.com/GirlTalk.by.Butterfly

”میری سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ دنیا اتنی بے حس کیوں ہمارے مذہب میں تو کہیں امیری غریبی کی تفریق نہیں باندیوں کے بھی حقوق ہیں غلاموں کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرنے پر بھی ثواب ہے۔ کسی انسان کو ایسے ناز چڑھنے اور بچپن بچپن تیس تیس سال قید کرنے کے بعد موت دینے کا تصور بھی نہیں ہے۔“

”ہاں اسلام ایسی ساری باتوں کی نفی کرتا ہے مگر ہم اسلام پر چلیں تب ناں اچھی پچھلے دنوں میں ایک ویب سائٹ پر دیکھ رہی تھی کہ ایک ہندو خاندان نے انسانی تفریق اور درجہ بندی سے تنگ آ کر اسلام قبول کر لیا بہر حال تم چھوڑو اس بحث کو مجھے ابھی بہت سارے کام بنانے ہیں۔“

”کوئی کام نہیں بنانا تم نے تم ابھی میرے ساتھ صیام کے گھر چل رہی ہو اس کے فادری تعزیت کرنے۔“

”کیا..... تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟“

”اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے وہ تمہارا پرسل سیکرٹری ہے تمہارا فرض بنتا ہے تم دکھ کی اس گھڑی میں اس کا غم بانٹو۔“

”فون پر بانٹ لوں گی یا راجھے ایسے اچھا نہیں لگتا کسی ملازم کے گھر جانا۔“

”وہ ملازم بعد میں ہے پہلے ایک انسان ہے اور میری اس کے لیے جو فیکٹور ہیں اس کے مطابق وہ تمہارا مستقبل کا برادران لاء بھی ہو سکتا ہے۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو شہر زادو!“

”ہاں ہو گئی ہوں مگر مجھے کوئی بچتا وہ نہیں ہے اب چلو پلیز۔“ اس سے پہلے کہ درمکنوں اسے کچھ کہتی وہ فریڈی اس کا ہاتھ تھام کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ آئی۔

”مجھے اس کے گاؤں اور گھر کا کوئی آئیڈیا نہیں۔“ گاڑی کا ڈور کھولتے ہوئے اس نے فحاشی سے کہا مگر شہر زادو نے کان نہیں دھرے۔

”کوئی بات نہیں کسی سے پوچھ لیں گے۔“ اس کے لہجے میں بے نیازی تھی اور پھر اسی بے نیازی کے ساتھ اس نے گاڑی اشارت کی تھی۔



صیام کے گھر میں عجیب سا سناٹا بکھرا تھا رشتے دار کوئی خاص تھا نہیں اور جو محلے کے چند لوگ تھے وہ تھوڑی تھوڑی دیر رک کر فراموش کرنے کے بعد دوبارہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ باہر مردانے میں بھی اس وقت صرف اس کے دوست ہی اس کے پاس بیٹھے بڑے سہارے رہے تھے۔ کتنی تکلیف سہی تھی اس کے باپ نے مگر وہ ایسا بے نصیب بیٹا تھا جو نہ اپنے مہربان باپ کا علاج کروا سکا نہ آخری بار ان سے کوئی بات کر سکا۔ وہ آفس میں تھا جب ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تھی وہاں موجود اس کے دوست نے اسے فوری کال بھی کی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے والد کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بار بار اسے بلارہے ہیں مگر وہ اس وقت میٹنگ میں تھا سو چاہتے ہوئے بھی دوڑ کر ہسپتال نہ پہنچ سکا۔ آفس ٹائمنگ کے بعد اس نے ہائیک ہسپتال کی طرف بھاگائی تھی مگر جس وقت اس نے کمرے کی دہلیز پر پہلا قدم رکھا عین اسی لمحے اس کے غریب باپ نے اس کے انتظار سے تھک کر ہمیشہ کے لیے پلکیں موند لی تھیں۔ صیام کو لگا تھا جیسے وہ اس لمحے پتھر کا ہو گیا ہو۔

وہ ہار گیا تھا اس کی غریب اور حالات نے بالآخر اسے شکست دے ڈالی تھی۔ اس کے ایک طرف باپ کا علاج اور اس کی تیمارداری تھی تو دوسری طرف گھر والوں کا بوجھ تھا اس نے گھر والوں کے لیے ذمہ داری نبھائی تھی

اور باپ کو ہار دیا تھا۔

درمکون عبدالحق خان سے اس کے گاؤں اور گھر کا پتا پوچھ کر تقریباً چالیس منٹ میں وہاں پہنچ گئی تھی۔ صیام جو باپ کو دفنانے کے بعد ابھی دوستوں کے درمیان بیٹھا اپنے آسواپنے اندر تار رہا تھا۔ کچی سڑک پر اڑتی ہوئی دھول میں اس کی بلیک ٹیوٹر گاڑی دیکھ کر چونک اٹھا گاڑی سے پہلے شہر زاد باہر نکلی پھر درمکون۔ وہ حیران حیران سا کھڑا ہوا بھی شہر زاد آگے بڑھی تھی۔

”السلام علیکم؟“

”وعلیکم السلام! آپ یہاں.....“

”جی! آپ کے والد صاحب کی رحلت کا پتا چلا تھا ابھی آفس میں بہت افسوس ہوا۔“ شہر زاد کے اظہار افسوس پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ فوری انہیں گھر کے اندر لے آیا۔

درمکون خاموش کھڑی مگر اس نے دیکھا تھا کہ صیام کی آنکھیں بے حد سرخ اور سو جھی ہوئی تھیں۔ وہ اتنا تکرا ہوا اور شکست لگ رہا تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں پانی کی کل جو کپڑے پہن کر وہ آفس آیا تھا اس وقت بھی ابھی کپڑوں میں لمبوں تھا مگر اب وہ کپڑے بے حد حرف دکھائی دے رہے تھے۔ چہرے پر پچھلے دنوں کی بڑھی ہوئی ہلکی ہلکی شیو میں اس وقت جیسے زردی چھٹی تھی۔ پہلی بار وہ اسے بہت توجہ سے دیکھ رہی تھی اور صیام نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ کیا نہیں تھا اس نظر میں..... درد..... کک..... کک..... عجیب نظر تھی جو اسے اندر تک کاٹ رہی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ شہر زاد اس کے گھر والوں سے مل رہی تھی مگر وہ..... صرف ایک نظر کے حصار میں بندھ کر جیسے پٹنے جلنے کی سکت بھی کھونٹتی تھی۔

تقریباً تین چار منٹ تک اسی کیفیت میں رہنے کے بعد بھٹکل اس نے صیام کی نظروں سے نظریں چرا کر اس کی بوڑھی ماں کی طرف دیکھا جس کی گود میں عشرت کا تین سالہ بیٹا بخار میں پھنک رہا تھا مگر اس کی ماں روتے ہوئے اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔

گھر کی حالت زار ایسی تھی کہ دیکھ کر رونا آتا تھا چارمر لے پر مشتمل اس ٹوٹے چھوٹے سے مکان میں فرنٹ پر دو کچے کمرے تھے جن کے اندر دھوپ برآمد نہ ہونے کی وجہ سے سیدی اندر جاتی تھی۔ ایک طرف چھوٹا سامنی سے بنا چن تھا جبکہ باہر بیرونی دروازے کے ساتھ ایک چھوٹا سا ہاتھ روم تھا جسے وہ لوگ غسل خانے کے طور پر بھی استعمال کر لیتے تھے۔ چھوٹے سے اس کچے گھر میں ایک تو سہولت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اوپر سے بجلی کا کنکشن بھی منقطع تھا جس کی وجہ سے گرمی اور جس کا احساس ہو رہا تھا۔ صیام باہر جا چکا تھا جبکہ وہ اب اس کی ماں بہنوں کے پاس بیٹھی انہیں تسلی دے رہی تھی۔ وہ شخص جو اپنی پر سنائی اور حلیے سے بے حد شاندار دکھائی دیتا تھا ایسے تکلیف دہ حالات کا شکار ہو گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

اس کی سادہ لوح ماں اب اپنے قابل بیٹے کی باس سے اس کی مشکلات اور پریشانیاں شیر کر رہی تھی۔ انہی سے اسے پتا چلا تھا کہ ساتھ والے ہمایوں نے بجلی کے بل کے پینے نہ ملنے کے سبب نہ صرف ان کا بجلی کا کنکشن منقطع کر دیا تھا بلکہ اس رنج میں وہ اس کے باپ کا افسوس کرنے بھی نہیں آئے تھے۔ وہ جیسے جیسے اس سے حالات شیر کر رہی تھیں درمکون کے اندر احساسِ ندامت بڑھتا جا رہا تھا۔ زندگی بھلا اتنی تلخ بھی ہوتی ہے؟ اور وہ خود..... وہ خود کیا تھی؟ ایک بے حس سنگ دل باس جسے صرف اپنی کمپنی کے مفاد سے مطلب تھا۔ وہ اتنی خود غرض تو کبھی نہیں رہی تھی اسے تو راہ چلتے فقیروں پر بھی ترس آ جاتا تھا کہ اس کی تربیت مریدہ نے ایسے ہی کی تھی مگر وہ تو اس کا ورکر تھا۔ ورکر بھی ایسا کہ

جس کی قابلیت اور ذہانت نے اس کے کئی قیمتی ٹینڈر پاس کروائے تھے جس کی شرافت اور محنت کی وہ خود قدردان تھی۔ بے ساختہ اسے وہ لمحہ یاد آیا جب اس نے صیام کو ورکشاپ پر کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تو یہ حالات تھے جن کی وجہ سے وہ اتنی مشکل زندگی گزار رہا تھا۔ ندامت سی ندامت تھی۔ عشرت کے بیٹے کا بخار بڑھتا جا رہا تھا اور وہ سوائے رونے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی کبھی شہر زاد نے اس سے کہا تھا۔

”میں جانتی ہوں تم یہاں ایزی ٹیل نہیں کر رہی ہو اسی لیے آؤ ہمیں گھر چھوڑ دیتی ہوں۔ ساتھ میں عشرت اور اس کے بیٹے کو بھی لے جلتے ہیں بہت تیز بخار ہو رہا ہے اسے صیام تو فارغ نہیں ہے۔“

”ہوں چلو“ جتنا اس وقت اس کے اندر شور تھا وہ وہاں رک بھی نہیں سکتی تھی۔ عشرت نے اس قطعی غیر متوقع اقدام پر بے یقینی سے شہر زاد کو دیکھا تھا۔

”آپ..... میرے بیٹے کی بات کر رہی ہیں؟“

”ہوں! آپ بھی چلیں ساتھ یہاں شگفتہ اور صیام ہیں سب سنبھال لیں گے۔ آپ فی الوقت ہمارے ساتھ شہر چلیں آپ کے بیٹے کا بخار خطرناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے۔“

”مگر بھائی نہیں مانیں گے وہ بہت خوددار ہیں۔“

”جانتی ہوں میں ان سے بات کر لوں گی! آپ چلیں پلیز۔ مزید تاخیر نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔“ شہر زاد ان میں گھل مل گئی تھی یوں جیسے برسوں کی آشنا ہو۔

درمکون صیام کی ماں اور اس کی بہن شگفتہ کو تسلی دے کر تھکے تھکے قدموں کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئی۔ صیام اب باہر موجود نہیں تھا وہ شکر کا کلمہ پڑھتی گاڑی میں آ بیٹھی۔



آدھی رات کا وقت تھا جب وہ ایک دم سے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے کمرے کا اسی چل رہا تھا وہاں اچھی خاصی ٹھنڈی مگر اس کے باوجود اس کا پورا وجود پیسے سے شراپور ہو رہا تھا۔ کھڑے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے میٹتی وہ بیڈ پر اٹھ بیٹھی تھی۔ ابھی ابھی جو خواب اس نے دیکھا تھا وہ اس کا دل بُری طرح سے دھڑکا رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ سامنے والے کلاک پر نظر ڈالی رات کے ڈھائی بج رہے تھے اور اس کے سائیز ٹیبل پر دھڑے سیل کی اسکرین بھی روشن تھی۔ درمکون نے ہاتھ بڑھا کر سیل اٹھایا تو وہاں شہر زاد کا میج تھا جو اس نے ہسپتال سے گھر واپس آتے ہوئے کیا تھا۔

درمکون نے اسے کال بیک کی جو اس نے تیسری ہی منٹ پر پک بھی کر لی۔

”تم اتنی لیٹ گھر واپس آئی ہو دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟“

”ہوں دماغ تو ٹھیک ہے مگر دل ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ مائی سویٹ ہارٹ کہ عشرت کے بیٹے کا بخار عام بخار نہیں تھا بلکہ ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا۔ اسی لیے مختلف ٹیسٹ کروانے کے بعد اسے ہسپتال میں ایڈمٹ کروانے تک مجھے وہیں رکنا پڑا۔ بعد میں صیام آیا تو چاہتے ہوئے بھی وہاں سے آنے کو دل نہیں چاہا۔ اتنی دھیر ساری باتیں میں نے اس کے ساتھ عشرت اور اس کے بیٹے کے لیے کئی بھی دی۔ بہت شرمندہ ہو رہا تھا اور دھنگور بھی عشرت کے بیٹے کی حالت تھوڑی تسلی بخش ہوئی تو میں نے اسے اور صیام کو اس کے لاکھ انکار کے باوجود اس کے گھر ڈراپ کر دیا کیونکہ پیچھے اس کی ماں اور بہن اکیلے تھیں پھر پریشان کئی ایسی لیے اتنی دیر ہو گئی۔“

”تم واقعی پاگل ہو شہر زاد! پتا نہیں کیا بنے گا تمہارا۔“
 ”کیا بننا ہے یا! جیسے سلی مجنوں شیریں فرہاؤں کسی پنوں کے مشہور قصے بنے ہیں اسی طرح میرا بھی ایک قصہ بن جائے گا۔“

”او کے اب جو اورات بہت ہو گئی ہے۔“
 ”ٹھیک ہے صبح صیام آفس نہیں آئے گا میں نے اسے کہہ دیا ہے۔“
 ”او کے شب بخیر۔“
 ”شب بخیر۔“ کال منقطع ہو گئی تھی۔

درمکون نے سیل واپس اس کی جگہ پر رکھ کر اسے سی کی کوٹنگ بڑھادی۔ لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے ابھی تھوڑی دیر پہلے کا خواب پھر اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔ ہرے بھرے جنگل میں وہ نیچے پاؤں بھاگ رہی تھی اور اس کے پیچھے بہت سے شکاری کتے لگے ہوئے تھے۔ وہ چیخ رہی تھی مدد کے لیے پکار رہی تھی مگر وہاں اس سنان جنگل میں کوئی بھی اس کی پکار نہیں سن رہا تھا بھی بھاگتے بھاگتے اسے ایک بوسیدہ سا پرانا مکان نظر آیا تھا اور وہ بھاگ کر دیوانوں کی طرح اس کے دروازے پر دستک دینے لگی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بہت قریب آ گئی تھیں جب اس کی مسلسل دستک کے جواب میں وہ دروازہ کھلا تھا اور اندر سے صیام کو باہر آتے دیکھ کر وہ مارے خوف کے اس کے سینے سے لگ کر زار و قطار روٹا شروع ہو گئی تھی۔ صیام نے اس کے رونے پر اس کی ڈھارس بندھا دی تھی پھر اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ اسے اسی مکان کے اندر لے گیا تھا۔ اندر لے جا کر اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے زخمی پاؤں کی مرہم پیکی تھی جبکہ دروازے کے باہر کتوں کے بھونکنے کی آوازیں مزید تیز ہو گئی تھیں اور انہیں اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کیسا عجیب سا الجھا ہوا خواب تھا پہلی بار وہ بے حد ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ سہ پہر میں صیام کے گھر سے واپس آنے کے بعد اسے ایک بل کے لیے بھی سکون نہیں ملا تھا۔ وہ پانی پی رہی ہوئی تو صیام کی کاٹ دار نگاہیں اس کے سامنے آ جاتیں۔ وہ بی وی دیکھ رہی تھی تو اس کی وی نگاہیں بی وی پر ابھر آتیں۔ وہ سونے کے لیے لیٹی تو وہ پھر سامنے آ کھڑا ہوتا۔ تنگ آ کر اس نے سارا کمر الٹ پلٹ دیا مگر وہ باز نہیں آیا تھا اور اب..... زندگی میں پہلی بار وہ اس کے خواب میں بھی موجود تھا۔ اسے بے حد غصہ رہا تھا کہ کیوں وہ شہر زاد کے ہاتھوں ٹریپ ہو کر صیام کے گھر گئی؟ کیوں وہ اس کے سامنے رہی؟ اس نے کیوں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

کتنے سارے کیوں سوال بن کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے اور وہ چاہتے ہوئے بھی ان سوالوں کو ذہن سے جھٹک نہیں رہی تھی۔ سارا کمر الٹ پلٹ کرنے کے بعد وہ اب گھٹنوں میں منہ چھپائے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ زندگی میں کچھ الجھنیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں سلجھاتے سلجھاتے انسان خود بہت دیر تک اون کے گولے کی مانند اڑھڑاتا چلا جاتا ہے۔ وہ بھی اون کا گولا بن گئی تھی۔

چاندنی رات تھی۔ عائدہ عشاء کی نماز کے بعد کشادہ صحن میں چار پائی بچھائے تیج پڑھ رہی تھی جب سدیدا اپنی تیاری کو ختم کر کے اس کے پاس چلا آیا۔
 ”یہاں کیوں بیٹھی ہو عائدہ! ٹھنڈک جائے گی۔“ عائدہ نے اس کے محبت بھرے اپنائیتی لہجے پر فوراً اپنی آنکھیں صاف کیں۔
 ”مجھے ٹھنڈا اچھی لگتی ہے سدیدا!“

”ہوں جانتا ہوں پھر بیمار پڑنا بھی اچھا لگتا ہے تمہیں، ہے ناں مگر محترمہ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں ابھی دو گھنٹے کے بعد جا رہا ہوں لہذا آپ کی تیمارداری کے لیے یہ غلام اب دستیاب نہیں ہوگا۔“ اس کا وہی شوخ لہجہ تھا عائدہ کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے سدیدا! جیسے اس بات تم پلٹ کر واپس نہیں آؤ گے۔“ وہ رو رہی تھی سدیدا کا دل اس کے قیاس پر بے ساختہ دھڑک اٹھا بھلا وہ یہ راز کسے پا گئی تھی؟

”تم رو رہی ہو عائدہ!“ اندر کی گفتگو سے بے نیاز وہ پریشان ہوا تھا۔ عائدہ کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی۔
 ”نہیں! میں رو نہیں رہی سدیدا! مگر نجانے کیوں میری آنکھیں خود بخود بھیگ رہی ہیں۔ میرا دل ایسی سلطنت کی مانند ہو رہا ہے جسے اجازت دیا گیا ہو پتا نہیں کیوں ایسا ہو رہا ہے حالانکہ پہلے بھی تو تم جاتے رہے ہو مگر پہلے کبھی یہ کیفیات نہیں تھیں۔“ وہ رو بھی رہی تھی اور اسے پتا بھی رہی تھی۔ سدیدا نے لب بچھ لیے۔

”میں آؤں گا عائدہ! تم خواہ فصول وہم کا شکار ہو کر مجھے اور خود کو اذیت دے رہی ہو حالانکہ اب تو میں نے تمہیں اپنے نام کی انگوٹھی بھی پہنا دی ہے۔“

”فصول کا وہم نہیں ہے یہ سدیدا! مجھے لگتا ہے جیسے کوئی چیز مجھے اندر سے کاٹ رہی ہے۔ میرا سانس گھٹ رہا ہے مجھے سہل کر دیا بھی نہیں جا رہا۔“ اب اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے تھے۔ سدیدا وہیں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔

”تم میرے حوصلے کمزور کر رہی ہو عائدہ! تمہیں پتا ہے شہیدوں اور غازیوں کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کے دل کتنے بڑے ہوتے ہیں۔ ان پتھر ہوئی آنکھوں کی شفاف بھیلوں میں آنسو قطرہ بن کر نہیں برف بن کر ٹھہر جاتے ہیں اگر تم اپنے اندر ان جیسا حوصلہ پیدا نہیں کرو گی تو مجھے بہت دکھ اور مایوسی ہوگی۔“ وہ اب قدرے مایوس لہجے میں کہہ رہا تھا۔ عائدہ نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

”شاہاش! تمہیں پتا ہے جس رات صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ہنزلی کی شادی مبارک کی پہلی رات تھی اسی رات انہیں جنگ میں شرکت کے لیے بلا لیا گیا تھا مگر ان کی صابریک بیوی نے اف تک نہیں کی یہاں تک کہ وہ راہ حق میں شہادت کا اعلیٰ مقام پا گئے۔ راہ حق کے مسافروں کے لیے زندگی بس اتنی ہی معنی رکھتی ہے عائدہ! دین حق کے شہیدوں اور غازیوں کو جذبات کی بیڑیاں نہیں روک سکتیں یہاں درجنوں ایسے فوجی ہیں جو اپنی بیویوں کو رخصت کروا کر گھر لاتے ہیں مگر انہیں ان کا چہرہ تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتا کہ وہ جنگ کے لیے طلب کر لیے جاتے ہیں ہماری تو ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔“ وہ بہت شوخ، لوگ اور کیرنگ تھا مگر وطن کے لیے اس کی محبت کی شدت عائدہ کی محبت سے کہیں بڑھ کر تھی اور یہ بات عائدہ جانتی تھی بھی اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”میں تمہارا انتظار کروں گی سدیدا!“ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا سدیدا مسکرایا۔
 ”ٹھیک یوں“ عائدہ کی ہلکوں پر لرزتا آنسو اس نے انگلی کی پور پر چنتے ہوئے مسکرا کر کہا پھر وہ آنسو چوم کر اپنی شرٹ کی پاکٹ میں ڈال دیا۔ عائدہ بس دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔



کیا تماشا ہوا.....
 سامنے بھی ندی اور کوئی تشناب
 اس کو تکتا رہا اور پیاسا رہا

ایک لمحے میں سٹے کی یہ داستان
کس کو معلوم تھا
تم ملو گے مجھے اس طرح بدگماں
کس کو معلوم تھا؟

ایک کی آنکھ مسلسل دستک کی آواز سے کھلی تھی۔ زوایا رینچے کا ریٹ پر ہی اس کے ساتھ سو رہا تھا۔ اس نے ایک نظر گہری نیند میں سوئے زوایا ریمید حسن کو دیکھا پھر کبل ہٹا کر بستر سے نکل آیا۔
دن خاص روشن تھا۔ کل رات والی خنکی کا اثر بہت حد تک ختم ہو چکا تھا۔ رات وہ اور زوایا بہت دیر تک سووی دیکھتے ہوئے ڈرنک کرتے رہے تھے۔ ابھی اس وقت جب ہلکی ہلکی چمکیلی دھوپ سڑکوں پر بکھر رہی تھی۔ وہ دونوں دنیا وافیہا سے بے خبر ہو کر سوئے ہوئے تھے۔ کافی دیر آنکھیں مل کر گڑائی لینے کے بعد وہ دروازے کی طرف آیا اور فٹ سے دونوں پٹ وا کر دیئے۔ باہر مار تھا کے ساتھ ایک چاکلیٹ کٹر کے بالوں والی خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئی تھیں۔

”ہائے۔“ مار تھانے دروازہ کھلتے ہی ہاتھ بلایا۔ جواب میں ایک نے سر کے اشارے سے اس کے ہیلو کا جواب دیتے ہوئے دروازہ پورا کھول دیا۔
مار تھاپر ہیماں کا ہاتھ تھام کر آ رام سے اس کے اپارٹمنٹ کے اندر چلی آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ مار تھانے اس کے قریب بیٹھتے ہی پر ہیماں کا تعارف کروایا۔
”یہ پر ہیماں زوایا کی بہن! یہاں لندن میں کی ضروری کام کے سلسلے میں آئی ہے۔ مگر زوایا سے اس کا رابطہ نہیں ہو پارہا۔ کیا تم ہمیں بتا سکتے ہو کہ زوایا اس وقت کہاں ہے؟“
”نہیں۔“ اس کا مدعا سننے کے بعد ایک نے صاف نفی میں سر ہلایا۔
”کیوں؟ کیا وہ تمہارا بہترین دوست نہیں ہے؟“
”ہے۔۔۔۔۔۔ مگر مجھے اس کے نیواپارٹمنٹ کا نہیں پتا۔“
”تم ملنے تو ہو گے اس سے؟“
”ہوں۔ مگر اس نے وہ اپارٹمنٹ چھوڑ دیا ہے جو اس کے باپ کی ملکیت تھا۔“
”وہاں۔۔۔۔۔۔ مگر کیوں؟“

”یہ تو وہی بتا سکتا ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“
”وہ تو ٹھیک ہے مگر پر ہیماں کا زوایا ریمید سے ملنا بہت ضروری ہے اس کا یہاں پر کوئی بھی ٹھکانہ نہیں ہے اگر زوایا سے اس کا رابطہ نہ ہو تو یہ کہاں رہے گی؟“
”یہ اسے سوچنا چاہیے تھا یہاں آنے سے پہلے کیونکہ زوایا آج کل خود کسی دوست کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کر رہا ہے۔ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“
”وہ کرے گا مدد یہ اس کی بہن ہے۔“

”ہوں ایسی بہن جس کی ماں اس کی ماں نہیں ہے اور جس کا باپ اس کا باپ نہیں۔“ وہ تحقیر جو ساویز آفندی کے لہجے میں تھی بالکل ویسی ہی نفرت اور تحقیر اس وقت اس سامنے بیٹھے شخص کے لب و لہجے سے جھلک رہی تھی۔ پر ہیماں کو لگا جیسے اس کے وجود کی دچکیاں اڑ گئی ہوں جبکہ مار تھانے خود حیران رہ گئی تھی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“

”وہی جو سچ ہے یہ زوایا کی بہن نہیں ہے اس کی ماں نے صرف زوایا کے ڈیڑکی دولت تھپانے کے لیے اس کی سگی ماں کو ان کے گھر سے بے دخل کر دیا جبکہ وہ حاملہ تھیں۔ بہتر ہوگا اگر تم اس لڑکی کے ساتھ اس سے نہ ملو کیونکہ ابھی وہ بہت ڈسٹرب ہے۔ ہو سکتا ہے اگر یہ اس کے سامنے آئی تو وہ اسے نقصان پہنچا دے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ تم اسے واپس اس کی ماں کے پاس بھجوا دو۔“ وہ لفظ جو انگاروں کی طرح اس شخص کے لبوں سے پھل رہے تھے ان لفظ نما انگاروں نے شخص چند لمحوں میں پر ہیماں کے سارے وجود کو جلا کر رکھ کر ڈالا تھا تو کیا اس کی بد نصیبی اور بربادی کی داستان یہاں بھی پہنچ گئی تھی۔

کیا زوایا حسن اس بدنام حقیقت سے آشنا ہو چکا تھا؟ کیا پاکستان سے اس کے چپ چاپ فرار کی یہی وجہ تھی؟ اس لمحے پر ہیماں کو بے ساختہ عالمہ علوی سے اس کی نفرت یاد آئی۔ وہ عالمہ علوی جس نے بھی اس کا کوئی ذاتی نقصان نہیں کیا تھا بس وہ صرف اس کے باپ اور فیملی کی حیثیت تھی اس کا باپ اسے محبت اور اہمیت دیتا تھا مگر۔۔۔۔۔۔ یہ اتنی ہی بات بھی اسے گوارہ نہیں تھی۔

اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اس دھان پان ہی لڑکی کو مسل کر رکھے مگر۔۔۔۔۔۔ وہ تو اس کی گناہ گار تھی۔ اس کی غاصب ماں نے تو اس کی ماں کا حق چھینا تھا اور خود وہ۔۔۔۔۔۔ اس نے کوئی حق نہ ہوتے ہوئے اس کی سگی بہن کی جگہ لی تھی۔ اس نے اور اس کی ماں نے سالوں تک اسے اندھیرے میں رکھ کر دھوکا دیا تھا پھر بھلا وہ اسے کیسے معاف کر سکتا تھا؟ یلکھت اس کے ہونٹ اور پورا وجود کپکپایا تھا اور وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”چلو مار تھانے مجھے یہاں کسی سے نہیں ملنا۔“ کہتے ہی وہ تیز قدموں سے چلتی اپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی تو مجبوراً مار تھانے بھی اس کے پیچھے آنا پڑا۔ پر ہیماں ہانپ رہی تھی۔
”کیا ہوا؟ اور وہ ایک کہہ رہا ہے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ پریشان تھی مجبوراً پر ہیماں کو اسے ساری بات ان اشارت بتانی پڑی۔

”اوہ یہ تو بہت بڑا ہوا اب کیا ہوگا؟“

”نہیں۔“

”نہیں ابھی ان حالات میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا پر ہیماں؟“

”تو کیا کرتی وہاں رہتی تو گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر اب تم رہو گی کہاں؟ انیل کی فطرت کو تم نے دیکھ لیا ہے کوئی بھی حسین لڑکی سامنے پا کر اس کے منہ سے رال نکلنے لگتی ہے اور کسی پر مجھے اتنا بھروسہ نہیں ہے کہ وہ تمہاری عزت کی حفاظت کر سکے۔ اب بتاؤ بھلا میں کیا کروں؟“

”تم انیل سے معذرت کر لو جتنا کرا یہ دیتا ہے میں جا کر کے دے دیا کروں گی۔“

”یقیناً میں ایسا ہی کرتی اگر یہ اپارٹمنٹ انیل نے ہائیر نہ کیا ہوتا اس کے نام پر اب مگر سینٹ سائن کیا ہوا ہے۔ وہ مجھے کسی بھی وقت باہر کر سکتا ہے میں نہیں اور پھر اس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا ہے میں اپنی کوکھ میں اس کا بچہ پال رہی ہوں تھی تو اسے برداشت کرنا میری مجبوری ہے۔“ پر ہیماں کے فوری حل پر اس نے صاف لفظوں میں اپنی معذوری ظاہر کی تھی وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

”اب کیا کروں؟ میں کسی صورت پاکستان واپس نہیں جاسکتی۔“

”ہوں ایک حل ہے اگر تم مانو تو؟“

”کیا؟“

”ایلی.....“ مار تھا کی آنکھیں چمکی تھیں۔ پر بیان نے خاصی الجھی نگاہوں سے اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں ابھی تک آنسو چمک رہے تھے۔

”ایلی؟“

”ہاں ایلی..... یہاں سے کچھ ہی میل کی مسافت پر اس کا اپنا ذاتی فلیٹ ہے جہاں وہ اپنی آپا کے ساتھ اکیلا رہتا ہے۔ اصل میں ایلی کا باپ مسلمان تھا مگر ماں انگریز ایلی کی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ اپنے وطن واپس چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا ایسی لیے ایلی کی ماں نے دوسری شادی کر لی۔ بہر حال مجھے یقین ہے وہاں ایلی کے گھر میں تمہاری عزت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر.....“

”اگر مگر کچھ تو یاد! یہ لندن ہے پاکستان نہیں ہے جہاں مروت میں کوئی تمہارے لیے کچھ بھی کر گزرے۔ مروت بھولو کہ تم ابھی مشکل کی شکار ہو اور فی الحال یہاں اس ملک اس شہر میں کوئی بھی تمہارا اپنا نہیں۔ وہ تو دیاوار حسن بھی نہیں جسے تم بڑے دھڑلے سے بھائی کہتی پھرتی تھیں صرف میں ہوں جو تمہاری دوستی میں خوار ہوئی پھر رہی ہوں تم میری جگہ ہوئیں تو شاید یہ سب کچھ نہ کرتیں۔“ اس بار مار تھا کا لہجہ تھوڑا خشک ہوا تھا۔ پر بیان نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ تم میرے ملک میرے شہر میں ہوئیں تو شاید میں ہمیشہ کی طرح اس سے بھی بڑھ کر کرنی تمہارے لیے۔“

”او کم آن بری پلیز یہ لفظوں کے گھوڑے دوڑانا بند کرو۔“

”لفظوں کے گھوڑے نہیں ہیں یہ حقیقت ہے۔“

”حقیقت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ تم مسلمان ہم انگریزوں کے کبھی اچھے دوست نہیں بن سکتے وہاں تمہارے ملک میں لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمیں غاصب سمجھتے ہیں تمہارے ملک کا بچہ بچہ ہماری برادری کے خواب دیکھتا ہے جہاں موقع ملتا ہے تم لوگ ہمارے اندر ہنس کر ہمیں نقصان پہنچانے سے باز نہیں آتے مگر یہ پھر بھی ہمارا طرف ہے کہ ہم تمہیں اپنے ملک آنے کا ویزہ دیتے ہیں یہاں اپنی بہترین تعلیم گاہوں میں تعلیم دیتے ہیں۔ روزگار مہیا کرتے ہیں رہنے کو رہائش دیتے ہیں کھانا دیتے ہیں۔“ پر بیان نے چوکی بار مار تھا کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ محبت وطن بھی اور اپنے وطن کے لیے اس کی سوچ بے حد جذباتی تھی۔

”کیا نہیں دیتے ہم لوگ تم مسلمانوں کو پاکستانیوں کو مگر پھر بھی بدلے میں تم لوگ ہمیں ذلیل کرتے ہوؤ بدنام کرتے ہو۔ ہمارے خلاف دہشت گردی کے پلان بناتے ہو اور لڈرڈیڈ سینٹر کی تباہی زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔“ وہ لڑکی جو لندن میں اس کی واحد بہترین دوست تھی اس وقت ایک مختلف روپ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ پر بیان بے حد آزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

وہ بہت زیادہ محبت وطن نہیں تھی مگر پھر بھی اس وقت مار تھا کے الفاظ نے اسے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے بہت شکستہ لہجے میں اسے کہا تھا۔

”تم صحیح کہتی ہو یا را! ہم پاکستانی مسلمان واقعی تمہارے اچھے دوست نہیں بن سکتے ہم دوست ہو بھی کیسے سکتے ہیں ہم تو تمہارے غلام ہیں مار تھا! ہماری جمہوریت کے کشکول میں تمہارے ڈالر گرے ہیں تو وہاں میرے ملک کے غریب

موت کشوں کو روزگار ملتا ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہم نے کبھی بھولے سے بھی یہ کوشش نہیں کی کہ خود کو تمہارا ہم بدلہ بنا سکیں۔“ مار تھا نے اس کے شکستہ لہجے پر بے نیازی سے نظریں پھیری تھیں۔ پر بیان نے آنکھوں میں آنی نمی الجھی کی پورے صاف کر لی۔

”تم صحیح کہتی ہو ہم دہشت گرد ہیں ہم نے تمہارا اور لڈرڈیڈ سینٹر تباہ کیا تمہارے چند سو شہریوں کی قیمتی زندگیاں گل کر دیں مگر تم تو مہذب قوم ہونا مار تھا! تم تو ساری دنیا کو اس کا پیغام دے رہے تھیں۔ انسانی حقوق کے لیے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بولنے والے تم ہی ہوتے ہو۔ تمہیں تو دہشت گرد کہنے کی جرات بھی نہیں کسی میں پھر بھی..... پھر بھی تم نے اپنے چند سو شہریوں کی ہلاکت کے انتقام میں سالوں سے بے بسائے اپنے مسلمان شہری انسانیت کے گرنے ہوئے درجے پر لا کر ملک بدر کر دیئے۔ وہ مسلمان شہری جو اپنے بہترین دماغوں کے ساتھ اپنا ملک اپنا شہر اپنے رشتے دار اپنی بچپان اپنے وطن کا مفاد سب بھلا کر ترک کر کے صرف تم لوگوں کی وفاداری میں یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے وہ سب دہشت گرد نہیں تھے تمہارے غلام تھے اور غلام کبھی اپنے آقا سے غداری نہیں کیا کرتے سنا تم نے؟ ساری دنیا میں انسانی حقوق کا شور مچانے والے تم لوگوں کی انسانیت اس وقت کہاں جا سوئی تھی جب تم نے محض چند سو امریکیوں کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لیے جانے کتنے ہی اسلامی ملک ادھیڑ ڈالے تم تو دہشت گرد نہیں تھے ناں تمہیں تو انسانی حقوق کا ادراک تھا پھر کیوں تم نے پورے افغانستان پر قہر برسا یا ڈاڑھی والوں کے سر کاٹ کاٹ کر ان میں پیٹرول بھرا آگ لگائی اور ساتھ میں قہقہے لگا کر ان کی بے بسی کا مذاق اڑایا کیا وہ انسان نہیں تھے؟ کیا وہ سب دہشت گرد تھے؟ ان کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جو تم نے گولیوں سے بھون ڈالے کیا ان کے کوئی حقوق نہیں تھے؟ کہاں جا سوئی تھی تمہاری انسانیت اس وقت جب تم نے کئی کئی سوافراد کو شدید گرمی میں ایک ایک کنستیر میں بند کر کے وہ کنستیر افغانستان کے صحراؤں میں چلوائے اور انہیں فرعون سے بھی بدتر موت دی۔ کیوں عراقیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے؟ شب کے اندھیروں میں ان کی پاک باز ماؤں بہنوں بیٹوں کو پکڑ پکڑ کر جیلوں میں بند کیا ان کے نازک جسموں پر بے پناہ تشدد کیا یہ صرف تشدد کیا بلکہ ایک ایک دن میں پچیس پچیس بار ان کی عصمت دری کر کے انہیں جیل کی سلاخوں سے سرنگھرا کر مرنے پر مجبور کر دیا۔ تمہارے مذہب نے تو تمہیں دہشت گردی کی تعلیم نہیں دی تھی ناں پھر بھی تم نے گوانتا موئے ڈیو غریب مگر ام قدح ہمارا اور شیر خان کے علاوہ سینکڑوں تاریک عقوبت خانوں میں انسانیت کی دھجیاں اڑا دیں ہم جو ایسی طاقت تھے پوری دنیا میں واحد ایسی طاقت وہ ایسی طاقت جس کا وجود ہی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نام پر وجود میں آیا تھا اسی ایسی طاقت میں اللہ والوں کی بولیاں لگوا دیں تم نے۔ چن چن کر یوں قہر برسا یا ان پر کہ ملک میں کوئی حق کی بات کھلم کھلا کرنے والا ہی نہیں رہا ڈالروں میں انسان خرید لیے تم نے۔“

”ہم نے نہیں خریدے تمہارے حکمرانوں کی بھوک نے خود ہمارے حوالے کیے ایک ایک فرد کے ڈالر وصول کیے۔“

”ہاں کیسے نہیں نے جو کیا اس کا بدلہ وہ آخرت میں پالیں گے“ کچھ عجب نہیں کہ اللہ رب العزت فرعون کی طرح دنیا میں ہی انہیں دوسرے ظالم انسانوں کے لیے عبرت بنادے مگر تم تو مہذب تھے ناں تمہارا مسئلہ تو بھوک نہیں تھا تمہیں تو ریاست کے عوام کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کا پتا تھا پھر تم نے کیوں ڈالروں میں انسان خریدے؟ وہ انسان بھی خرید لیے تم نے کہ جن کے جرم کا خود تمہیں بھی پتا نہیں تھا۔ تم مہذب دنیا کے لوگ ہونا اس لیے تمہیں وہ جینیں سنائی نہیں دیتیں جو شب کے اندھیروں میں تمہارے عقوبت خانوں کی دیواروں کے اندر گونجتی ہیں۔ تمہیں وہ تپتے سنسان صحرا دکھائی نہیں دیتے جہاں سے آج تمہاری فوجوں کے انخلاء کے بعد بھی انسانی لاشیں ٹپکتی ہیں۔ صرف تم مہذب اور ان پسند لوگوں کو اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیے ہم نے کئی سال تک اپنی سرحدوں کے اندر اپنے بے قصور شہری

تمہارے ڈرون حملوں کی مذر کیے بے شمار ہمارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو تہاڑا ڈرون نگل گیا صرف تم مہذب لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ہم نے اپنی اسلامی درس گاہیں گولیوں اور بارود کی آگ میں جھونک دیں۔ اپنی سرحدوں کے اندر بیسیوں دشمن ایجنسیز کے ایجنٹ گھسالیے جنہوں نے کئی سالوں تک ہم دھاکوں اور خودکش حملوں میں ہمارے ہزاروں لوگ مروائے صرف تمہاری نظروں میں معتبر ہونے کے لیے ہم نے جہاد فی سبیل اللہ جو ہمارے ایمان کا سب سے لازمی جز ہے کو گالی بنا دیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والوں پر اپنی ہی سر زمین میں آزادی سے جینا محال کر دیا پھر بھی تم کہتی ہو ہم بھی تمہارے دوست نہیں بن سکتے؟ اپنا سب کچھ تم پر تمہاری دوستی خوشنودی پر قربان کر کے بھی ہمارے ٹیلی ویژن چینل تمہاری اور پاکستانی عوام کی دوستی کے اشتہار چلاتے نہیں تھکتے پھر بھی تم کہتی ہو ہم تمہارے دوست نہیں ہیں۔“ بولتے بولتے وہ اب ہانپنے لگی تھی مارتھا نے بے نیازی سے نظر میں پھیر لیں۔

”یہ سب تمہارے اسی مسائل ہیں ہم نے نہیں کہا کہ تم اپنی سر زمین اپنے مذہب کے لوگوں کے لیے تنگ کر دو۔“
”میں نے کب کہا کہ تم نے ایسا کہا تم لوگ کچھ بھی کہتے کہاں ہو صرف آرڈر کرتے ہو وہ جس پر عمل کرنا ہماری مجبوری بن جاتا ہے۔“

”ہاں تو بھیک کھانے والی ریاستوں میں ایسا ہی تو ہوتا ہے عادت پڑی ہوئی ہے تم لوگوں کو بھیک کھانے کی وگرنہ کیا نہیں ہے تمہارے پاس، بہترین دماغ، بہترین اجناس، بہترین خطہ ارض، بہترین معدنیات تم لوگ اگر چاہو تو خود دوسروں کو بھیک دے سکتے ہو بھیک کے لیے اپنی باعصمت بیٹیاں ندو۔ ایک اور تیر۔ ایک اور طعنہ۔۔۔۔۔ پر یہاں کو لگا اس کی سانس رکنے لگی بہت دیر خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

”کیا کریں ہم مہذب جو نہیں ہیں مگر نہ تمہارے رائٹنڈ ڈیویس کو سر عام پانچ قتل کرنے پر تمہیں واپس کرتے؟ ہماری عدالتیں بھی ہماری بیٹی عافیہ کے ساتھ ہونے والی بدترین زیادتی کا بدلہ لیں اور پورے پچاس سال سے زائد سزا سناتیں تمہارے شہری کو حالانکہ وہ تو گھٹی تھے۔ دن دیہاڑے سیکڑوں لوگوں کے بیچ ہمارے بے قصور بچے شہری کچلے تھے اس نے جبکہ عافیہ پر تو محض بدوق اٹھانے کا الزام تھا اس کے ہاتھوں اور دماغ سے تو کسی کا قتل بھی نہیں ہوا پھر بھی وہ اپنوں کی بے حسی اور تمہاری امن پسندی و تہذیب کی سمیٹ چڑھ گئی۔ کسی عدالت، کسی پلیٹ فارم، کسی میٹنگ میں اس پر ہونے والے لفظی غیر اخلاقی و غیر آئینی ظلم کے سدباب نہیں ہوا نہ ہم نے تم سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کیے نہ اس کی واپسی کے لیے کوئی بڑا مطالبہ کیا پھر بھی تم کہتی ہو ہم تمہارے دوست نہیں بن سکتے؟“ وہ اب دروہی تھی مارتھا اپنی ہتھیلیاں رگڑنے لگی۔

”ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ڈس ہارٹ کرنا نہیں تھا۔“

”اٹس اوکے ہم پاکستانیوں کے اندراب اتنی برف جم گئی ہے کہ ہم ڈس ہارٹ نہیں ہوتے نہ ہی احتجاج کرتے ہیں خواہ کتنا بڑا پہاڑی سر پر کیوں نہ گر پڑے۔“ تم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس نے ایک نظر مارتھا پر ڈالی پھر قدم آگے بڑھا دیے۔ مارتھا اس کے گالوں پر ہنسنے لگی۔



دبیراب کے آؤ تو۔۔۔۔۔

تم اس شہر تنہا کی خبر لانا

کہ جس میں جگنوؤں کی اکھٹائیں جھللاتی ہیں

جہاں تلخی کے رنگوں سے فضا میں مسکراتی ہیں

جہاں چاروں طرف رقصاں وفا کی پیاری خوشبو ہے

دبیراب کے آؤ تو تم اس شہر وفا کی خبر لانا

جہاں پریت کے ڈرے ستارے ہیں

گل و گل ماہ و انجم وفا کے استعارے ہیں

جہاں وہ دل سمندر ہے کئی جس کے کنارے ہیں

جہاں قسمت کی دیوی ٹھیلوں میں جگمگاتی ہے

جہاں دھڑکن کی لے پر بے خودی نغمے سناتی ہے

دبیراب ہم سے مت پوچھو ہمارے شہر کی بابت

یہاں آنکھوں میں گزرے کارواں کی گرد ڈھری ہے

محبت برف جیسی ہے یہاں اور دھوپ کے کھیتوں میں آگتی ہے

یہاں جب صبح آتی ہے

تو شب کے سارے سنے راگھ کے اک ڈھیر کی صورت بدلتے ہیں

یہاں جذلوں کی ٹوٹی کرچیاں آنکھوں میں چھپتی ہیں

یہاں دل کے لبو میں اپنی پٹلیوں کو ڈبو کر ہم

سنہری خواب بناتے ہیں

پھر ان خوابوں میں جیتے ہیں انہی خوابوں میں مرتے ہیں

دریدہ روں کو لفظوں سے سینا کو نہیں ممکن

مگر پھر بھی۔۔۔۔۔

دبیراب کے آؤ تو تم اس شہر تنہا کی خبر لانا

اس رات لندن شہر میں بہت برف باری ہوئی تھی۔ رہبان دوبارہ مارتھا سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر پھر بھی اس کی مجبوری تھی کہ وہ اسے اس وقت لات نہیں مار سکتی تھی بالکل اپنی ریاست کی طرح وہ بھی مجبور تھی۔ ٹھنڈ پہلے سے نہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایلی اس روز انہیں اپنے فلیٹ پر نہیں ملا تھا وہ پیرس گیا ہوا تھا کسی ضروری کام سے جبکہ اس کی آیا بھی گھر پر نہیں تھی۔

رہبان کو مجبوراً وہ رات پھر مارتھا اور انیل کے اپارٹمنٹ پر گزارنی پڑی۔ رات کے کھانے کے نام پر اس نے صرف فری آؤ لے تھے جبکہ مارتھا اور انیل نے بھرپور پیٹ پوجا کے بعد جی بھر کے شراب نوشی بھی کی تھی۔ رہبان کو نماز قرآن وغیرہ کی عادت نہیں تھی ایک مسلم ریاست میں بنی مسلمان ہونے کے باوجود اس کا طرز زندگی زاویار کی طرح غیر مسلمانہ ہی تھا وہ اگر نی دی دیکھ رہی ہوتی اور جیتل تبدیلی کے دوران کوئی اسلامی چینل سامنے آ جاتا تو ایک لمحے سے بھی پہلے وہ جیتل بدل دیتی تھی۔ بھی سہی اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ انڈین تمام چینلوں پر ہر پروگرام قلم اور ہر ڈرامے کی ہر قسط میں کیسے بڑھ چڑھ کر اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے کیا ان کے لوگ اس سے بے زار نہیں ہوتے تھے جبکہ پاکستانی ڈراموں میں تو ضرورتاً بھی ایسے سیز کو سن کر دیا جاتا تھا جو مذہب سے متعلق ہوتے حالانکہ اسلام کی تبلیغ تو ہر مسلمان پر فرض تھی۔

اس رات جب اپارٹمنٹ کی بیرونی کھڑکی کے اس پار وہ آسمان سے زمین پر گرتی برف کو انہماک سے دیکھنے میں

مصرف تھی اس کا دل قرآن پاک کی تلاوت کے لیے چلا اٹھا۔ مارتھا اور انیل نشے میں دھت ہونے کے بعد کرافٹیں ہو گئے تھے جبکہ وہ لاؤنج میں بیرونی کھڑکی کے قریب کھڑی باہر برف کو گرتے ہوئے دیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی آئینہ زندگی کی فکر میں بھی کھولی تھی۔ گزرتے ہر لمحے کے ساتھ تنگی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کافی دیر بیرونی کھڑکی کے اس پار گرتی روٹی کے گالوں جیسی برف کو دیکھنے کے بعد اپنے بستر میں آدبی۔ اگلے پندرہ میں منٹ تک پہلی بار دروازہ پاک کا دروازہ کرتے ہوئے اس کی آنکھ لگی تھی اور ابھی اسے سوئے ہوئے بمشکل گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اسے اپنے پاؤں پر پتلی کے پاس کسی چیز کے رینگنے کے احساس نے جھنجھوڑ کر جگادیا۔ بے حد گھبرا کر اس نے جونہی آنکھ کھولی سامنے نشے میں دھت انیل بیٹھا اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پرہیان کے سارے وجود میں جیسے سناٹا اتر گیا ایک لمحے سے بھی قبل پاؤں سمیٹنے ہوئے وہ فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

”سوری! میں پانی پینے کے لیے اٹھا تھا اندھیرے میں پتا ہی نہیں چلا کہ تم یہاں سو رہی ہو۔“ اپنی وہاں موجودگی کا جواز دیتے ہوئے اس نے پھر اسے چھوٹا چاہا تھا جب پرہیان نے نفرت سے سے پرے دھکیل دیا۔

”دور ہو مجھ سے۔“

”کیوں؟ تم کوئی اچھوت ہو؟“ وہ ڈھٹائی پر آمادہ تھا پرہیان کا دل زور سے دھڑکا۔

”کیا بدتمیزی ہے یہ؟ اپنی حد میں رہو میں مارتھا نہیں ہوں۔“ وہ چلائی تھی مگر انیل پر اس کے چلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مارتھا تا حال نشے میں دھت خرائے لے رہی تھی بھی وہ مسکرایا۔

”جانتا ہوں اسی لیے تو آیا ہوں سنا ہے پاکستانی لڑکیوں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔“

”جسٹ شٹ اپ۔“ اس بار وہ حلق کے بل چلائی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا یا کوئی حرکت کرتا وہ بھاگ کر اندر مارتھا کے پاس چلی آئی۔

”مارتھا..... مارتھا اٹھو پلیز۔“ اسے بڑی طرح جھنجھوڑتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔ انیل اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلا آیا پرہیان کو لگا جیسے وہ رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔

”مارتھا.....“ اس بار اسے جھنجھوڑتے ہوئے پرہیان نے اسے پکڑ کر بٹھا دیا تھا تبھی وہ جاگئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ انیل مارتھا کے جاگنے پر کمرے کا دروازہ لاک کرتے کرتے رک گیا جبکہ پرہیان اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح رو پڑی۔

”کیا ہوا ہے؟“ مارتھا کا انشا اسے بری طرح روتے دیکھ کر فوراً ہرن ہوا تھا تب ہی انیل بول اٹھا۔

”سو تو میں ڈر گئی ہے شاید۔“

”تم نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟“ وہ اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھی تب ہی اس کی وضاحت پر مشکوک لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بدک اٹھا۔

”بکواس بند کرو میں ایسا لگتا ہوں تمہیں؟ یہاں رہنا ہے تو رہو نہیں تو اسی وقت اپنی اس نام نہاد دوست کو لے کر نکل جاؤ یہاں سے مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ وہ نشے میں تھا اور نشے میں اس کا دماغ کام کرنا بند کر دیتا تھا تبھی مارتھا نے اس سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔

پرہیان نے وہ رات مارتھا کے ساتھ مکمل جاگ کر گزاری تھی وہ جیسی بھی تھی اس وقت اس کے لیے ڈھال تھی۔



ایک دروازہ بند کر کے کمرے میں واپس آیا تو زوار جاگ رہا تھا۔

”کون تھا باہر جس کے ساتھ بلند آواز میں بحث کر رہے تھے تم؟“ اسے دیکھتے ہی اس نے پوچھا ایک نے نظریں چرائیں۔

”مارتھا آئی تھی اپنی کسی فریڈ کے ساتھ۔“

”کیا کہہ رہی تھی؟“

”کچھ نہیں تمہارا پوچھ رہی تھی ساتھ میں یہ بھی کہہ رہی تھی کہ تمہارا سیل نمبر مسلسل بندل رہا ہے تمہاری بہن پرہیان اس کی دوست ہے شاید وہی اس سے تمہارا رابطہ برقرار رکھ رہی ہو۔“

”میری کوئی بہن نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں مارتھا کو میرا نمبر دینے کی ضرورت ہے۔“

”میں نے نہیں دیا“ میں جانتا تھا تم یہ پسند نہیں کرو گے اسی لیے میں نے منہج کر دیا۔“

”اوکے۔“

”کل ہوزان ملی تھی وہ بھی تمہارا پوچھ رہی تھی۔“

”کیوں؟“

”پتا نہیں بہت پریشان لگ رہی تھی شاید اس کی ماں بہت بیمار ہے۔“

”سو واٹ یار..... اس کی ماں بیمار ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”کچھ نہیں، کم از کم اس کی ماں کا حال تو پوچھ ہی سکتے ہو۔“

”مگر کیوں کیا لگتی ہے وہ میری جویں اس کی ماں کا حال پوچھتا پھروں۔“ زوار کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا ایک نے کندھے اچکا دیئے۔

”انسانیت کے ناطے کہہ رہا تھا وہ اس وقت رہائش میں تمہاری مدد کر سکتی ہے۔“

”مجھے اس کی یا کسی کی بھی مدد کی ضرورت نہیں ہے ابھی پیسے ہیں میرے ذاتی اکاؤنٹ میں جب ختم ہو گئے پھر سوچوں گا کس کس کا حال پوچھنا ہے۔“ خلاف ایک طرف پھینکتے ہوئے وہ بستر سے نکل آیا تھا۔ ایک نے سرسری سی ایک نظر اس کے وجہ بہہ سراپے پڑا لی پھر دوبارہ سے بلبل تان کر سو گیا۔



مارتھا کا موڈ آف تھا جبکہ انیل صبح دیر تک نشے میں مست بے حال پڑا سوتا رہا۔ پرہیان کو ایلی کی رہائش گاہ کا پتا تھا کل وہ مارتھا کے ساتھ آ کر اس کا ٹھکانہ دیکھ آئی تھی ابھی اس صبح بناء مارتھا کی مدد کے وہ اپنا سامان اٹھا کر اس کے اپارٹمنٹ سے نکل آئی تھی شدید دھند میں اس کے آنسو جیسے آنکھوں کے اندر ہی جم گئے تھے۔ جس وقت وہ ایلی کے گھر کے سامنے پہنچی لندن کے وقت کے مطابق دن کے گیارہ بج رہے تھے مگر چونکہ چھٹی کا دن تھا لہذا ایلی اس وقت اسے گھر پر ہی بل گیا تھا۔ پرہیان کی دستک کے جواب میں دروازہ کھولنے والا وہی تھا۔

”ہائے۔“ بہت مدھم لہجے میں پرہیان نے اسے مخاطب کیا جواب میں وہ قدرے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

”پری تم یہاں؟“

”ہوں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے ایلی۔“

”شیوہ اندرا جاؤ۔“ وہ خوش تھا بے پناہ خوش حالانکہ اس کے چہرے پر بڑھی ہوئی ہلکی ہلکی شیوہ اس کے اندر کی بے سکونی کا واضح پتا دے رہی تھی۔ پرہیان نے اس کی تقلید میں قدم آگے بڑھائیے۔

”پری تم یہاں؟“

”ہوں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے ایلی۔“

”شیوہ اندرا جاؤ۔“ وہ خوش تھا بے پناہ خوش حالانکہ اس کے چہرے پر بڑھی ہوئی ہلکی ہلکی شیوہ اس کے اندر کی بے سکونی کا واضح پتا دے رہی تھی۔ پرہیان نے اس کی تقلید میں قدم آگے بڑھائیے۔

ایلی کی شخصیت کے قطعی برعکس اس کا گھر بے حد صاف ستھرا اور نیک تھا۔ ہر چیز سلیقے اور قرینے سے لگی اپنی امارت کا پتہ دے رہی تھی۔ وہ بیک دروازے کے قریب چھوڑ کر ڈری ایلی کی ہمراہی میں گھر کے اندر چلی آئی۔
”بیٹھو“ ہال نما کشادہ کمرے میں کاؤچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے پرہیزان سے کہا اسے مجبوراً بیٹھنا پڑا۔
”کچھ لوگی؟“
”نہیں، شکریہ۔“

”اوکے پھر بتاؤ لندن کیسے آنا ہوا مار تھارتا رہی تھی کہ تمہاری شادی طے ہو گئی ہے۔“ وہ بھی اس سے قدرے فاصلے پر وہیں تک گیا تھا۔ پرہیزان نے نظریں اپنی گود میں دھرے ہاتھوں پر جمادیں۔
”ہوں شادی طے ہوئی تھی مگر..... تین روز پہلے ٹوٹ گئی۔“

”وہاٹ..... مگر کیوں؟“
”اسے لگا شاید میں اس کے قابل نہیں ہوں۔“
”اوہ..... مگر یہ بات اسے منگنی ہونے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔“
”ایم سوری ایلی! مگر میں اس ٹاپک پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“
”اوکے میری مدد کیوں چاہیے تمہیں؟“

”مجھے رہائش کا مسئلہ ہے فی الحال میرے پاس یہاں کوئی جاب بھی نہیں ہے۔ مار تھاکہ رہی تھی کہ تم یہاں اپنی آیا کے ساتھ اکیلے رہتے ہو اور یہ بھی کہ تم فی الحال ریٹ پر مجھے یہاں ٹھہرنے میں ٹیور بھی دے سکتے ہو۔“
”ہوں“ تم یہاں رہ سکتی ہو پری! مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر میری جوائنٹو تیز ہیں شوق ہیں وہ شاید تمہیں زیادہ دن یہاں ٹکنے بندیں۔“
”میں بھی نہیں؟“

”میں سمجھا دیتا ہوں۔“ پرہیزان کی الجھن پر اس نے پھر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
”مجھے شراب اور شباب کی بہت بُری لٹ ہے پری! آئے روز یہاں محفلیں جی رہتی ہیں کبھی کبھی میں تین تین دن گھر نہیں آتا۔ نشے کی حالت میں میرا مزاج بھی بہت بگڑ جاتا ہے بہت نقصان کرتا ہوں میں اپنا تم کہاں یہ سب برداشت کر پاؤ گی؟“ وہ اسے اپنی حقیقت بتا رہا تھا۔ پرہیزان بے حد مایوس ہوئی۔
”میں ایڈجسٹ کر لوں گی۔“ کل رات انیل نے اس کے ساتھ جو کیا تھا اس کے بعد وہ دوبارہ مار تھاکے پارٹمنٹ جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس نے بے حد دل گرفتگی کے باوجود وہاں رہنا قبول کیا تھا۔ ایلی نے اس کے جواب پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم یہاں رہ سکتی ہو۔ آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔“ اس کا موڈ بے حد فریش تھا پرہیزان نے اپنے آنسو اپنے اندر تار لیے تھے۔



ایلی کا قلیٹ خاصا لگژری تھا بے حد خوب صورت اور کشادہ..... دو بیڈ روم ایک ڈرائنگ روم کچن لاؤنج، اینٹیچمڈ تھ مختصر سی گیلری جس کے آخری میں ونڈو لگی ہوئی تھی جو باہر بڑک کی طرف کھلتی تھی۔ اسی ونڈو سے ٹھنڈی ہوا اور کچی ہلکی ہلکی دھوپ گیلری کے دروازے کو چھو کر کمروں کو روشن کرتی تھی۔ گیلری کے شروع میں ایلی کی آیا کا کمرہ تھا جو معدود

غزل
گویا اندازِ شہانہ ہے امیروں جیسا
میرے اندر کا ہے انسانِ فقیروں جیسا
ہم نے چہروں پر سجا رکھی ہے رونق لیکن
دل کا عالم ہے کہ ویران جزیروں جیسا
اس کے اوصاف و خصال نے مجھے جیت لیا
میرے مُریدوں میں تھا شخص وہ بیروں جیسا
اس سے پہلے تھی اسیری بھی رہائی جیسی
اب کے آزادی میں ہے حال اسیروں جیسا
اس کو گتوا کے ہیں خسارے اب تک محسن
وہ جو ایک شخص میرے ساتھ تھا ہیروں جیسا
انتخاب: منزہ حیدر..... کوٹ قیصرانی

تھیں۔ کمرے میں ایک عدد سنگل بیڈ کے دائیں طرف پرانی کتابوں کی ایک چھوٹی سی الماری ایک طرف دو عدد کرسیاں اور کونے میں آتش دان تھا جو شدید سردی یا برف باری کے موسم میں جلانے کے کام آتا تھا۔ پرہیزان کو یہ سادہ سا کمرہ بے حد پسند آیا۔ ایلی کی آیا مصری خاتون تھیں، پچیس سال پہلے کسی برطانوی شہری کے ساتھ شادی رچا کر لندن آئی تھیں بعد ازاں شوہر کی وفات کے بعد ایلی کی موم کے پاس ٹھہر گئیں اور یوں پیدائش کے کچھ ہی ہفتوں بعد ایلی ان کی گود میں آ گیا جسے بعد میں انہوں نے اس کی سگی ماں سے بڑھ کر پالا اور پیار دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی معدودی کے دنوں میں بھی ایلی نے انہیں کسی اولاد ہوم کے سپرد نہیں کیا تھا۔ ایلی کا کمرہ ان کے بغل میں ہی تھا اور بے شک وہ ایک شاندار کمرہ تھا۔

پرہیزان کے لیے اس نے ڈرائنگ روم وقف کیا تھا جو بے حد خوب صورت اور صاف ستھرا تھا اور عین ایلی کے بیڈ روم کے مقابل تھا۔ پرہیزان کو اس کا قلیٹ اور اپنا کمرہ دونوں ہی بے حد پسند آئے۔ وہ کمرہ کچھ ہی جگہ ایلی کا کافی کے دو گ اٹھائے اس کے قریب چلا آیا۔

”تم پہلی بار میرے گھر آئی ہو تمہاری مہمان نوازی میرا فرض ہے۔“ پرہیزان اس کی بات پر ہلٹی اور پھر بے ساختہ مسکرا دی۔

”شکریہ ایلی!“ مشکور لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کپ تھام لیا۔
”تمہاری آیا نظر نہیں آ رہیں کیا وہ کہیں گئی ہوئی ہیں؟“
”ہوں“ لاسٹ ویک سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی میں نے ہسپتال میں ایڈمٹ کر دیا ہے کل پرسوں تک آجائیں گی۔“

”مار تھارتا رہی تھی تمہیں بہت اچھی جاب مل گئی ہے۔“
”یہی سمجھ لو۔“
”کیا مطلب؟“

”جہاں جاب ملی ہے میں وہاں خود اپنا کام شروع کرنا چاہتا ہوں میرے ڈیڈ مرنے سے پہلے میرے نام پر بہت



مہیال

قصہ شہزاد

غلاف پہن کے نکلی کتاب شیشے کا
حروف سنگ کے اور انتساب شیشے کا
جہاں جواب بھی کرچی، سوال بھی کرچی
بتاؤ دیکھنا چاہو گے خواب شیشے کا ہے

اکھڑ بددماغ اور بات بات پر چراغ پا ہوجانے والے خاور کی بد مزاجی پورے خاندان میں مشہور تھی۔ دونوں بہنیں اکلوتے بھائی کی دلہن لانے کا ارمان سینے میں چائے جس دہلیز پر جاتیں خاور بھائی کی بد مزاجی لڑکی والوں کی ”نہ“ کا سبب بن جاتی یوں منہ لٹکائے خاندان کی ساری لڑکیاں ایک ایک کر کے سسرال والیاں ہو گئیں۔ دونوں بہنیں بھی اپنے اپنے گھر بسا چکی تھیں لیکن خاور بھائی کی دلہن لانے کا مسئلہ حل نہ ہو پا رہا تھا۔ دونوں سرتوڑ کوششوں میں مصروف تھیں۔ خاور بھائی کی عمر بھی چالیس کی دہائی پار کر چکی تھی۔ بھائی کی بد مزاجی پر دونوں بہنیں جلتی کر دیتی تھیں۔

”اماں! آپا بالکل صحیح کہہ رہی ہیں نیلو فر خالہ کے بیٹے ارسلان بھائی ہمارے خاور بھائی کی عمر کے ہیں اب چار بچوں کے ابا بھی ہیں تم سارا دن کاموں میں چپ چاپ لگی رہتی ہو۔ بھائی کو سمجھایا کرو شتر مرغ کی طرح زمین میں منہ دے لینے سے حالات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا نہ لوگوں کی باتوں سے بچا جاسکتا ہے۔“ رضیہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”کیا سمجھاؤں وہ اپنی زندگی میں ایسا مست ہے کہ

کچھ چھوڑ گئے تھے۔“

”اوہ..... کیا تمہاری می انڈین ہیں ایلی؟“
”ہوں انڈین نہیں مگر اب خالص برطانوی لگتی ہیں۔“
”کیا تم ملتے ہو انی می سے؟“
”نہیں۔“

”کیوں؟“

”بس یونہی۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”انہیں وقت نہیں ملتا مجھے فرصت نہیں ملتی۔“

”مارتھا تیری تھی تیماری گرل فرینڈ بھی انڈیا واپس چلی گئی۔“

”ہوں ممی کی سگی بہن بھی وہ۔“

”کیا تم اس میں انٹرسٹ تھے؟“

”نہیں۔“

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے ایلی جیسے تمہارے اندر کوئی بہت گہرا راز ہے جسے تم سب سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ ایلی نے رخ پھیرا پھر یونہی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تم یہاں لندن میں کب تک ہو؟“

”پتا نہیں شاید اس بار مجھے کافی سال لگ جائیں۔“

”کیا تم اپنے گھر والوں سے ناراض ہو کر آئی ہو؟“

”کیا.....؟“

”بتاؤ گی ایلی مگر ابھی نہیں۔“ اس کی آنکھیں ہلکی سی نم ہوئی تھیں۔ ایلی چاہنے کے باوجود اس کے چہرے سے

نظر نہ ہٹا سکا۔

”کیا تم اپنی شادی ٹوٹنے سے پریشان ہو؟“

”نہیں۔“

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے پری! جیسے تم بھی مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے اب ریٹ کر دو میں ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ شام میں ملاقات ہوگی۔“

”ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔“

”تم بھی۔“ ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا تھا پر یہاں کتنی ہی دیر گم سم سی وہیں کھڑی رہی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



کچھ سننے کو تیار ہی نہیں۔“ اماں بے چارگی سے بولیں۔
 ”وہ اپنی زندگی میں مست ہیں اور آپ اپنی زندگی
 میں ذہنی وی کے آگے اور آپ چوہے کے آگے لگی رہتی
 ہیں سارا دن۔ میں نے دیکھا ہے آپ دونوں کے
 درمیان ضروری باتوں کے علاوہ زیادہ بات چیت نہیں
 ہوتی۔ میں آپ کی کم گوئی اور بھائی کی فطرت سے خوب
 واقف ہوں۔ آپ ان کے رویے سے ڈرے بغیر بات
 کریں“ آج جو رشتہ لائی ہوں وہ بھی اچھا ہے اور اچھے
 رشتے بار بار دہلیز پر دستک نہیں دیا کرتے لڑکی گورنمنٹ
 ٹیچر ہے تین بہنیں ہیں بھائی کوئی نہیں۔ یہ سب سے
 چھوٹی ہے دو بہنیں شادی شدہ ہیں شریف لوگ ہیں۔
 مہینہ بھر پہلے ہی ہمارے محلے میں شفٹ ہوئے ہیں جس
 جگہ سے رہ کر آئے ہیں وہاں پرانی سہیلی رہتی تھی اس نے
 بتایا ہے بہت اچھے لوگ ہیں۔ مجھے لڑکی پسند ہے اکثر
 آتے جاتے دیکھتی رہتی ہوں میں نے ان کی امی سے
 بات کر کے اگلے اتوار کو آنے کا کہا ہے بس اماں کوئی
 بد مزگی نہ ہو۔ بھائی چالیس برس کے ہو گئے ہیں اور وقت
 تیزی سے گزر رہا ہے اگلے لمحے کی زندگی کا کسی کو کچھ
 بھروسہ نہیں آگے آپ خود سمجھ دار ہیں۔“ آپانے اماں کو
 ایک سوالیہ نشان دے کر واپسی کے لیے چادر تان لی تھی
 اماں گم سم می آسمان کی دستوں کو سینے لگیں۔

اور پھر ایک دن اماں نے خاور بھائی سے بات کرنے
 کی ٹھانی اتوار کا دن تھا اور حسب معمول خاور بھائی بیوی
 کے آگے پیٹھے ریورٹ سے جینٹل گھما رہے تھے کہ اماں
 نے انہیں آواز دی۔

”خاور بیٹا! ذرا میری بات سنتا۔“ اماں خاور بھائی کو
 اپنے کمرے میں لے آئیں خاور بھائی بھی ان کے قریب
 بیٹھ گئے۔ اماں نے خاور بھائی کے سانولے چہرے پر
 جانی وقت کی دھول دیکھی تو ان کا دل کٹ سا گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد بہت چھوٹی عمر میں سارے
 گھر کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی گئی تھی وہ

زیادہ پڑھ لکھ بھی نہ سکے۔ اماں کی دکان پر بیٹھ گئے جو پھر
 خوب چلی بہنوں کی شادیاں کیں۔ لوگوں کے اچھے
 برے رویے اور گھر کے اچھے برے حالات نے انہیں
 چڑا بنا ڈالا تھا۔ یہ وہ خاور تو نہیں تھا جس کی ہنسی اور قہقہے
 جب گھر میں گونجتے تو سارا گھر خوش ہوتا تھا اور اب۔۔۔۔۔
 ایک سناٹا۔ دوا نسلوڑھک کر اماں کے بوڑھے چہرے پر
 پھسل گئے۔ وہ انہیں اپنے دوپٹے سے پونچھنے لگیں۔
 ”کیا ہوا امی!“ خاور بھائی اماں کے بھیکے چہرے کو
 دیکھ کر فکر مند ہو کر بولے بھی اماں نے انہیں ایسی خاص
 نظروں سے نہ دیکھا نہ بھی بلایا تھا۔ اماں نے خاور بھائی
 کے مضبوط کندھوں پر اپنا سر رکھا اور بولتی رہیں۔

وہ کافی دیر تک یونہی بولتی رہیں اور خاور بھائی سنجیدگی
 اور مدبرانہ انداز میں بیٹھے بنا کچھ کہہ سکتے رہے۔ اماں کی
 بات مکمل ہونے تک وہ یونہی بیٹھے رہے پھر اپنے لیے
 لمبے قدم اٹھا کر کمرے سے نکل گئے۔ اماں اپنے بیٹے
 کے خوب وجود کو دیکھتی رہیں یہاں تک کہ وہ نظروں سے
 اوجھل ہو گئے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”آہ میرا بچہ۔۔۔۔۔ اللہ تیری جھولی خوشیوں سے
 بھر دے آمین۔“

وہ کیکاتے ہاتھوں سے جی ٹرے لے کر کمرے میں
 داخل ہوئی تھی۔ تینوں خواتین کو اپنی جانب ایک ساتھ
 متوجہ دیکھ کر وہ گھبرانے لگی۔

”لڑکی کے گھر والے کتنے خوش مزاج اور گھریلو تھے نہ
 ذرا بے گانگی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔“ آپانے کانوں میں
 پڑے بھاری جھمکے تارے ہوئے بولیں۔

”کیا ہوا اماں! کیا لڑکی اچھی نہیں لگی؟“ چھوٹی رضیہ
 اماں کے چہرے پر پڑی ٹکٹوں کو دیکھ کر تشویش سے بولی۔
 ”بیٹا لڑکی کی عمر کچھ۔۔۔۔۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے دل کی
 بات بولیں۔

”اماں لڑکی چچیس برس کی ہے اپنا بھائی چالیس برس
 کا اب دونوں میں چندہ برس کا فرق ایسا خاص نہیں جو

انتا پریشان ہو رہی ہو۔ مردوں کی عروں کو کون دیکھتا ہے
 تمہارے اور اماں کی عمر میں بھی تو اتنا ہی فرق تھا۔“ آپا اماں
 کی بات کاٹتے ہوئے بولیں، اماں چپ سی ہو گئیں اور
 خاموش نظروں سے آپا کی طرف دیکھا جس نے اپنی
 شادی پر چار برس بڑے دلہا پر خوب واہلا مچایا تھا۔ آپا
 اماں کی نظروں کی گری محسوس کر کے گڑبڑا سی ہیں۔

”اماں ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔ بسم اللہ کریں جب لڑکی
 والے بھائی کو دیکھنے آئیں تو ذرا ماحول کا خیال رکھیے گا“
 پہلے کی طرح بات نہ بگڑ جائے۔“ اماں نے اثبات میں سر
 ہلایا اور دونوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب بھائی کو دیکھ کر
 لڑکی والوں نے رضا مندی دے دی۔ خاور بھائی لڑکی
 والوں کی موجودگی میں تمام وقت خاموش ہی رہے۔ ہاں
 نہ سے زیادہ بات چیت نہ کرنے والے خاور بھائی کو لڑکی
 والے شرمیلی طبیعت سے اخذ کرتے رہے۔

دونوں خاندانوں کی رضامندی کے بعد دو ماہ بعد کی
 تاریخ رکھ دی گئی۔ محلے بھر میں مٹھائی دونوں بہنوں نے
 جی کھول کے پاشیں۔ زور و شور سے شادی کے مراحل طے
 ہونے لگے۔ ایک ماہ پہلے ہی دھولکی رکھ دی گئی بھائی ایک
 تھا اور اماں ہزاروں دونوں بہنوں نے دل کے جوار مان
 سجائے وہ سب پورے کیے۔ خاور بھائی کی سنجیدگی انہیں
 کچھ دھڑوں میں ڈال رہی تھی۔

”دیکھو خاور تمہاری دہن کے لیے شادی کا جوڑ لالائی
 ہوں کیسا لگا؟“ خاور نے ایک نظر لال شرارے کی طرف
 دیکھا پھر اپنی کلائی پر بندھی ٹکڑی دیکھ کر بولا۔

”آپا مجھے کچھ کام ہے آپ اپنی پسند سے دیکھ لیں۔“
 وہ جلدی سے کہہ کر ہانکا آپا کو چھوڑ کر چلا گیا۔

”مجھے خاور بھائی خوش نہیں لگ رہے۔“ رضیہ آپا کو
 دیکھ کر افسردگی سے بولی۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں بھلا مردوں کو ان سب
 چیزوں کی کیا سمجھ۔“ آپا خود تسلی دیتے ہوئے بولیں اندر
 سے ان کا دل بھی اندھنیوں میں گھرا ہوا تھا۔

”آپا تمہارے میاں تو تمہاری لائی ہر چیز میں سوسو

آنچل کی جانب سے لکھا گیا

حجاب کچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلہ وار ناول، ٹاؤٹ اور افسانوں
 سے راست ایک مکمل جلد گھر بھر کی دیکھی صرف ایک ہی رسالے میں
 موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“
 آج ہی ہا کر سے کہہ کر اپنی کاپی بک کر لیں۔

اس لیے عیادہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں
 اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
 info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی
 صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242



شہین تار صدیقی

ہم کو بھی معلوم تھا یہ وقت بھی آجائے گا
ہاں مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ پچھتائیں گے
یہ بھی طے ہے کہ جو بونیں گے وہ کاٹیں گے وہاں
اور یہ جو بھی کھوئیں گے وہیں پائیں گے

”او مائی ڈیز مینا تم کب سے اس طرح سوچنے لگیں۔ بیٹا ہمیں اللہ نے اتنا نوازا ہے تو پھر میں کیوں کنبوی کروں اپنے بیٹے کے شوق کے لیے اور میں نے تو ہمیشہ تمہاری خواہشوں کو بھی سرا کھوں پر رکھا ہے۔“
”مما میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ مینا نے ایک دم کہا تو وہ بولیں۔
”خیر چھوڑو ان باتوں کو تم فکر نہ کرو وہ کل رات نہیں تو سڈے تک آجائے گا اے معلوم ہے اس کی ماما ہر سال نیویائر پر ایک بڑا فنکشن رکھتی ہیں۔ وہ اس سے پہلے ضرور پہنچے گا۔“

”اور ہاں سنو نوفل کی مہندی سجانے کے لیے چاندی کی تھالیاں بنانے کا آرڈر بھی دے دیا اور تمہارا ڈریس تو میں نے نیو فیشن سے بہت قیمتی اور خوب صورت بنوایا ہے خاص کر مہندی کے لیے ایک دو روز میں سب تیار ہو کر آجائیں گے اور مینا نوفل کے سسرال والے تو دیکھتے رہ جائیں گے اس بار نیویائر کے فنکشن میں تمام مہمانوں کے لیے قیمتی گفٹ بھی ہوں گے۔“

”لو مینا ڈیز نیویائر کے کارڈ بھی چھپ کر آ گئے ہیں۔ آج رات فہرست دیکھ کر ان پر نام لکھتے ہیں۔“
”میرے پاس تو وقت بالکل نہیں ہے۔ نیویائر کے دوسرے ہفتے سے نوفل کی شادی کی رکمیں شروع ہو جائیں گی مہندی کے کارڈ بھی شام تک آ جائیں گے میں نے عید سے کہہ دیا ہے وہ لے آئے گا اور ہاں مینا نوفل کی رائٹنگ بہت خوب صورت ہے اسی سے تمام کارڈز پر نام لکھوا لیتا۔ وودن بعد ویک اینڈ آ رہا ہے کارڈ تقسیم کرنے کا کام راجیل اور عید کے سپرد کرو دینا۔“
”مگر ماما راجیل تو اپنے دوستوں کے ساتھ کنیڈا کے ٹور پر گیا ہے۔“

”ایک دو شوق ہی تو پورے کرتا ہے میرا راجیل۔“
”مگر ماما راجیل کے شوق بھی بڑے مہنگے ہیں آپ بتا رہی تھیں بسنت میلے میں پورے پچاس ہزار روپے لے کر گیا تھا لاہور۔ اور اب کنیڈا کے ٹور پر گیا ہے دوستوں کے ساتھ ہر سال کی نہ کی ملک جاتا ہے۔ ممما ابھی سے اسے آپ نے اتنا فضول خرچ بنا دیا ہے۔“

کی آواز پر چونک گئیں۔
”ارے تم دونوں وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو اندر آؤ نہ۔“ رضیہ اور آپا اندر داخل ہی ہوئے تھے کہ خاور بھائی اپنی دلہن کے ساتھ کچن میں داخل ہو کر بولے۔
”السلام علیکم۔“

”علیکم السلام! جتنے رہو میرے بچوں۔“ اماں پیار سے پچکارتے ہوئے بولیں۔
”دیکھی ہیں آپا؟ بیٹھیں نہ۔“ خاور بھائی آپا کی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے بولے۔
”ہاں آپا تو بیٹھ ہی جائے گی تم تو ہمیں بھول ہی گئے شادی کو ایک ماہ ہو گیا ہے بہن کے ہاں پکرنہ لگایا۔ اب کیا دعوت دوں گی تو دلہن کو لاؤ گے۔“ آپا بے رخی سے بولیں۔
”آپا ایسی بات نہیں۔“ خاور بھائی خلاف معمول مسکرا کر بولے۔

”اچھا اماں ہم چلتے ہیں۔“ خاور اپنی دلہن کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ رضیہ دونوں کو ہونٹ بنی دیکھ رہی تھی گلابی لباس میں دلہن کا رنگ روپ ہی انوکھا تھا۔
خاور بھائی کے اوپر بھی خوب روپ آیا تھا۔
”گلتا ہے دلہن راس آگئی۔“ رضیہ نے شرارتی لہجے میں آپا کے کان میں سرگوشی کی۔
”کہاں چل دیے خاور! میری بات کا جواب تو تم نے دیا ہی نہیں۔“ وہ تملائیں۔

”آپا آپ کی بھابی کو میکے لے کر جا رہا ہوں وہاں سے ہوتے ہوئے ایک دوست کی دعوت پر جانا ہے۔ آپ کے ہاں ان شاء اللہ اگلے سال آؤں گا۔“
”کیا اگلے سال؟“ آپا چٹخیں تو خاور مسکرا دیئے۔
”آپا! آپ کو نیا سال مبارک ہو کھل پھل چنوری ہے نہ۔“ خاور آپا سے کہتے ہوئے مسکرا دیئے۔ سب ہی اچانک بولے جانے والے اس جملے پر ہنس دیئے آپا اور رضیہ پیار بھری نظروں سے دونوں کو جاتے دیکھ رہے تھے۔



کیڑے نکالتے ہیں۔ ابھی پچھلے ماہ جو کاسنی رنگ کا سوٹ تم اپنی نند کے لیے لائی تھیں وہ ان کو پسند ہی نہیں آیا۔ الناس نہیں اپنی نند کو ساتھ لے جا کر دوسرا جوڑا دلانا پڑا۔ یہ تو خاور بھائی ہیں جو تمہارے آگے.....“ رضیہ شرارتی لہجے میں بولی۔

”بہنوں کو جوڑا دینا تھا نہ اس لیے تمہاری بہنوئی کیڑے نکالتے ہیں۔ بیگم کیسا ہی سڑے رنگ کا کپڑا پہن لے کوئی پروا نہیں ہوئی اور خاور کو تو شروع سے ہی کپڑوں کی نہ سمجھ ہے نہ ڈھنگ سے پہننے کی عقل۔ میں نے تو بونہی پوچھ لیا کہ کہیں بعد میں گلہ نہ کرے کہ کچھ پوچھا نہیں۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں ڈیٹ کر بولیں۔
”آپا ابھی تو خاور بھائی خاموش ہیں کہیں ایسا نہ ہو شادی کے بعد نہ بیوی کے سامنے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیں۔ میری ساس کہتی ہیں میاں کا جو رویہ پہلے دن بیوی کے ساتھ رہتا ہے وہی آخری سانس تک چلتا ہے۔ اللہ اللہ کر کے اس شادی کا انجام.....“ وہ اپنے دل میں آیا دوسرے زبان پر لا کر بولی۔

”چپ ہو جا رضیہ! اپنی کالی زبان سے خبردار جو آگے ایک لفظ بھی نکالا جو مارا کا تمہا ہم نے کیا اب میاں بیوی جائیں لو بھلا آگے جو مرضی ہو ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔“ آپا اپنا ہاتھ لہراتے ہوئے بولیں تو رضیہ چپ سی ہو گئی۔

☆☆☆☆

گھر کے اندر گھستے ہی اماں کی چپکتی آواز نے آپا اور رضیہ کا استقبال کیا تھا۔ کچن میں چار پانی پر عفت خالہ کی کسی بات پر ٹھٹھکا کر ہنسی اماں کی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھیں۔ کبھی اماں کو انہوں نے ہنسنے نہ دیکھا وہ تو صرف مسکرا دینے پر ہی اکتفا کرتیں۔ آج ویران کچن میں جیسے بہارا گئی تھی۔ اماں کی چپکار کے ساتھ پرندے بھی فضا میں چپک رہے تھے۔ کچن کی کیار یوں میں لگے پھول بھی خوش نما اور گل رہے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اماں کی ہنسی میں پورا سماں ہی شامل تھا۔ آپا جو کچن مین بیٹھی اماں اور ان کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں اماں

”واؤ مہا بہت حزا آئے گا آپ کی کوئی تو اس دفعہ ہمیشہ سے زیادہ انجوائی کریں گی۔“ مینا نے چپکتے ہوئے کہا۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

”ممانوفل بھائی نے آج تو آفس سے چھٹی کی تھی مگر صبح سے نہ جانے کہاں غائب ہیں۔“

”میں نے کہا بھی تھا کہ میں لُچ میں ان کے لیے کڑا ہی پکوا رہی ہوں چار بج رہے ہیں ابھی تک غائب ہیں۔“

”دودن! ہو گئے مجھے لندن سے آئے ہوئے یہی دیکھ رہی ہوں آفس میں ہوتے ہیں یا پھر باہر۔ آج آفس نہیں گئے تو پتا نہیں کہاں غائب ہیں۔“

”ہو سکتا ہے مینا وہ انوش کو لے کر جیولر کے پاس گیا ہو۔ میں نے ہی اس سے کہا تھا تم انوش کی پسند سے نکلن اور رونمائی میں دینے کے لیے اپنی پسند سے جو چاہو خرید لو۔ اب دیکھو تا مینا میں اکیلے کیا کروں۔ اسی لیے میں نے شاپنگ کی کچھ ذمہ داری نوفل پر ڈال دی ہے۔“

”بس تو پھر ممانوفل بھائی شام سے پہلے نہیں آئیں گے۔“

”ارے ہاں اب میں اپنی تیاری کر لوں آج شام چھ بجے مجھے ایک امدادی فنکشن میں شرکت بھی کرنی ہے جو دودن سے جاری ہے آج فنکشن کا لاسٹ ڈے ہے۔ میں تو آج کل اتنی مصروف رہتی ہوں کہ اپنے گھر کے لیے بھی میرے پاس وقت نہیں ہوتا۔ نوفل کو اکثر مجھ سے شکایت رہنے لگی ہے کہ ممانوفل نے تو اپنی ساری زندگی سوشل کاموں میں وقف کر دی ہے ہمارے لیے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ مینا اب میں اسے کیسے سمجھاؤں اس فیلڈ میں واقعی اپنے بچوں کو وقت نہیں دے پائی۔ مگر ان کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ پھر بھی اسے گلہ رہتا ہے۔“

”ممانوفل بھائی ہمیشہ سے بہت حساس ہیں وہ ہمیشہ آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہے

اسکول کے زمانے میں بواجمیدہ کو کتنا پریشان کرتے تھے کہ میں ممانوفل کے ہاتھ کا پکا کھانا کھاؤں گا ممانوفل کیوں نہیں آئیں؟“

”مینا وہ ایسی حرکتیں اب بھی کرتا ہے۔ ویک اینڈ والے دن مجھ سے اپنی پسند کی کوئی نہ کوئی ڈش ضرور پکواتا ہے۔“ بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ممانوفل خیال ہے آپ آج جس امدادی فنکشن میں جا رہی ہیں وہ بلدیہ ٹاؤن کی فیکٹری سانچہ کراچی کا فنکشن ہے۔“

”ہاں مینا وہ سانچہ جہاں آگ کے شعلوں کے بیچ موت کا رقص ہوتا رہا اور اس موت کے رقص کو کوئی ماں کوئی بہن کوئی باپ بے بسی اور لا چاری سے دیکھتا رہا۔“

”ہاں ممانوفل خبروں میں وہ خوف ناک منظر دیکھ کر دل خون کے آنسو رو دیا۔“

”ایک ایک گھر سے کتنے جنازے اٹھ گئے کوئی ان کے دل سے پوچھے۔ کیسی قیامت مغربی کا منظر تھا۔ کون ان کے غم دکھ کا مداوا کرے گا جن کا سب کچھ چھن گیا۔“

”حکومت نے مرنے والوں کے لواحقین کو پانچ لاکھ روپے کا وعدہ تو کیا ہے مگر یہ وہ مہر نہیں جس سے زخم بھر جائیں۔“

”بس مینا یہ امدادی فنکشن کی تیاری بھی میں نے بڑی لگن سے کی ہے میری تمام کوئیگ میرے اس نیک مقصد میں میرے ساتھ ساتھ ہیں۔ بڑے بڑے شعراء نے اس امدادی فنکشن میں شرکت کے لیے تعاون کیا ہے۔ ہنگے ٹکٹ فروخت ہوئے ہیں ٹکٹوں کی فروخت سے حاصل کی گئی تمام رقم سانچہ کراچی کے متاثرین کو دی جائے گی اس امدادی فنکشن میں میری ایک تصویر بھی شامل ہے۔ سوتے ہوئے ذہنوں کو جگانے کے لیے مینا اس فنکشن میں بہت سے گلوکار فنکار بھی شرکت کریں گے امدادی فنکشن کو دلچسپ اور کامیاب بنانے کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے اچھا تو تم چل رہی ہو میرے

ساتھ؟“ بیگم سجاد نے بولتے بولتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تو ممانوفل کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔“

”کہاں جانے کا پروگرام بن رہا ہے؟“ اسی وقت نوفل نے بیگم سجاد کے روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

”اب آئے ہیں آپ لُچ میں نے کتنا انتظار کیا۔“ مینا نے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولا۔

”مگر ممانوفل کو تو معلوم تھا مجھے انوشہ کو جیولر کے پاس لے کر جانا تھا یہ دیکھئے۔“ اس نے سرخ چٹکی ڈبیہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ ایک سیٹ لیا ہے اور یہ نکلن۔“

”ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہے مینا۔“

”بس انوشہ کو اس کے گھر کے گیٹ پر ڈراپ کر کے آ رہا ہوں۔ مجھے پتا تھا میری سسٹر میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ مگر مینا میں نے اور انوشہ نے باہر بیچ کر لیا۔“

”ہاں ہاں انوشہ بھائی ساتھ تھیں تا پورا پورا فائدہ اٹھایا آپ نے خوب گھوم پھر کر آ رہے ہیں۔“ مینا نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بولا۔

”کافی سمجھدار ہو گئی ہو اجمہد بھائی کی سنگت میں رہ کر مگر تم بتاؤ کہاں جا رہی ہو ممانوفل کے ساتھ؟“

”میں نوفل بھائی میں تو کہیں نہیں جا رہی ممانوفل کو جانا ہے چھ بجے تک۔ آپ چلے جائیں بڑے بڑے شعراء اور شو بز کے فنکار بھی شرکت کر رہے ہیں اس امدادی فنکشن میں۔“

”سانچہ کراچی کے متاثرین کے سلسلے میں ہو رہا ہے نا۔“ نوفل نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پھر کچھ سوچ کر بولا۔“ ابھی تو مجھے آدھے گھنٹے بعد کاشف کی طرف جانا ہے وقت ملا تو چینیچے کی کوشش کروں گا۔ ممانوفل کا ڈانٹ گئے؟“ نوفل کی نظر سامنے رکھے کارڈ پر بڑی تو پوچھا۔

مغربی اور شرقی ادب کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ

مغربی ادب

لفظ لغت کے سرسبز سرسبز سے بھرپور تحریریں
اسی کہانیاں اس سب سے بہتر ہیں

شائع ہو گیا

قلمند و ذات احمد بخاری کی سلسلہ ادبی کہانی
ایک ایسی تحریر جس کا سر آپ کو خوابوں کی دنیا میں ہمالے جاتے گا
مغربی ادب سے انتخاب ڈاکٹر اسد علی افسر شہیدی کے قلم سے
ہر دم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں ملنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیب و رسل مسرے کے قلم سے ہر ماہ ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق انجمنی کے عنوان سے مستقل سلسلہ

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آراء کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”ہاں بیٹا نیوایزر کے فنکشن کے کارڈ آئے ہیں۔ آج ہی شادی کے کارڈز اور مہندی کے خصوصی کارڈز جو میں نے بنوائے ہیں وہ بھی آج آجائیں گے میں نے عید سے کہہ دیا ہے۔“ وہ کارڈز دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرایا۔

”نیتا تمہیں پتا ہے یہ کارڈز بھی ممانے سلیکٹ کیے ہیں سب سے مہنگے اور قیمتی کارڈز۔ سب کچھ میری ماما کی چواں سے ہو رہا ہے۔“

”مگر نونل بھائی اصل چواں تو آپ کی اپنی ہے۔“

”اوا کی سی تمہارا اشارہ انوشہ کی طرف ہے۔“ وہ کھل کر مسکرایا۔ ”مگر میں اختیار تو میں نے ماما کو دے دیا تھا۔“

”رہنے دیں بس یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ممانے آپ کی بات بھی نہیں ٹالی۔“

”نہیں مینا یہ بات نہیں ہے انوشہ کو دیکھ کر مجھے نونل کے انتخاب کی داد دینا پڑی انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔“ بیگم سجاد نے فخر سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور وہ جانے کے لیے اٹھ گئیں۔

بیگم سجاد شوشل ورکر تھیں۔ شادی سے پہلے بھی وہ شوشل ورکر سے منسلک رہی تھیں۔ والدین کی اگلوٹی اولاد تھیں اپنی ہر بات منوالیتی تھیں۔ یہ سلسلہ شادی کے بعد بھی جاری رہا۔ سماجی کاموں میں بڑی سرگرم رہتی تھیں۔ سجاد حسن نے بھی ان پر کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں لگائی تھی۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ آئے دن غیر ملکی دوروں پر رہتے۔ بچوں کی آمد نے بھی بیگم سجاد کو نہیں بدلا تھا۔ اپنی شوشل سرگرمیوں سے انہیں جو شہرت مل رہی تھی وہ اس پر بہت نازاں تھیں۔ اپنے بچوں کو وہ نوکروں کی ذمہ داری پر چھوڑ کر اپنی شوشل لائف میں مصروف تھیں۔

گھر کی پرانی ملازمہ بوا حمیدہ پر انہیں بھرپور اعتماد تھا۔ وہ جانتی تھیں بوا حمیدہ بہت اچھی طرح چاروں بچوں کا خیال رکھتی ہیں۔ بیگم سجاد کو انہوں نے بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ وقت تیز رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔

تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ سب سے بڑا نونل تھا اس سے چھوٹی مینا جس کی شادی انہوں نے تین سال پہلے اسی طرح بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ گھر کی پہلی شادی تھی دل کے سب ارمان پورے کیے تھے۔ اس وقت سجاد حسن بھی حیات تھے۔

احمدان کے بزنس پارٹنر فواد جولدین میں مقیم تھے ان ہی کا اگلو بیٹا تھا۔ ڈاکٹر امجد جولدین میں اپنا کلینک بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر امجد جیسے قابل داماد کو پاکر وہ بہت خوش تھے اور مطمئن بھی۔ مینا شادی کے چھ ماہ بعد ہی لندن چلی گئی تھی۔ انہی دنوں سجاد حسن ایک ٹریفک حادثے میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ بیگم سجاد کو تو سکتہ ہو گیا۔ وہ سجاد حسن کی جدائی میں مایوسیوں کے اندھیرے میں گم ہو گئی تھیں ہونٹوں پر خاموشی کی مہر سی لگ گئی تھی۔ زندگی کی ہر خوشی سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ نونل ماں کی یہ حالت دیکھ کر کڑھتا رہتا۔

وقت خود بہت بڑا عمر ہم نے نونل کی تو جاو رہے پناہ محبت بیگم سجاد کو ایک بار پھر زندگی کی خوشیوں کی طرف لے آئی تھی۔ وہ چاہتا تھا اس کی ماما پہلے کی طرح اپنی شوشل لائف میں مصروف ہو جائیں اور وہ یونی گھر میں بند رہی تو بیمار ہو جائیں گی۔ وہ اپنی ماما کو پہلے جیسا دیکھنا چاہتا تھا اس کی توجہ رنگ لائی اور بیگم سجاد نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا۔ اپنی عدت کے دن پورے ہونے کے کچھ عرصے بعد وہ ایک بار پھر شوشل کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

انوشہ ان کے خاندانی لحاظ سے ان کے ہم پلہ تھی۔ وہ ایک بڑے صنعت کار کی بیٹی تھی۔ دولت کے معاملے میں انوشہ کے والدین ان سے بھی آگے تھے۔ وہ اس بات پر بھی مسرور تھیں کہ بیٹے نے ان کے لیے ہم پلہ ہو کر ہنسندگی تھی شادی میں ابھی دس بارہ دن تھے تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ نونل کی شادی پر وہ پیسہ پانی کی طرح بہا رہی تھیں اور نیوایزر کے جشن کا اہتمام بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا۔ باپ کے بعد سارا بزنس نونل نے بڑی خوش اسلوبی

سے سنبھالا تھا سجاد حسن نے بزنس کی سادہ بہت مضبوط بنائی تھی یہی وجہ تھی کہ نونل بڑی کامیابی سے بزنس کو ذیل کر رہا تھا۔

مگر راجیل کو گھونٹنے پھرنے سے فرصت نہیں تھی۔ نونل چاہتا تھا راجیل بھی آفس جوائن کرے اور بزنس میں دلچسپی لے کر بیگم سجاد نے اسے بہت آزادی دے رکھی تھی۔ ہر سال ایک بڑی رقم گھونٹنے پھرنے میں گنوا دیتا اور اس کے یہ سارے شوق بیگم سجاد پورے کرتی تو نونل کو ملال ہوتا۔

نونل محسوس کر رہا تھا کہ ممانے مہندی کی رسم کے لیے کافی بڑی رقم صرف کی تھی اور پھر نیوایزر کے سالانہ فنکشن کے اخراجات الگ نیوایزر کے کارڈز کی تعداد سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس بار ہمیشہ سے زیادہ مہمان مدعو کیے گئے ہیں۔ مگر وہ ماما کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کی سنتی کہاں تھیں کچھ کہنا فضول تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی ماما کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

نونل امدادی فنکشن میں کافی لیٹ پہنچا تھا۔ تین دن سے جاری اس امدادی فنکشن کا آج آخری دن تھا۔ وہ پہنچا تو محفل مشاعرہ عروج پر تھا۔ ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ ہال کا بھرا ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ ہال میں موجود ہر شخص کے دل میں سانچہ کراچی کے متاثرین کے لیے درد اور احساس موجود تھا نونل نے دیکھا کچھ سیاسی شخصیات بھی موجود تھیں۔ امدادی فنکشن کے ٹکٹ بہت مہنگے تھے۔ ان ٹکٹوں کو فروخت کرنے میں بیگم سجاد نے بڑی بھاگ دوڑ کی تھی۔ وہ اپنے لیے جگہ بناتا ہوا اندر داخل ہوا بڑی مشکل سے اسے کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی تھی۔ اسٹیج پر مائیک تھا اسے ایک لڑکی اس کی ماما کا نام پکار رہی تھی۔

”اب میں محترمہ زبیدہ سجاد سے درخواست کروں گی کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔ سامعین آپ کو میں یہ بتانی چلوں آج کے اس امدادی فنکشن کا سارا کریڈٹ محترمہ

زبیدہ سجاد کو جاتا ہے ہماری مایہ ناز شوشل ورکر محترمہ زبیدہ سجاد تشریف لائیں۔“ نونل نے دیکھا اس کی ماما کے نام پر ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ کتنی شہرت ہے ماما کی آج وہ پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ بڑے باوقار انداز سے چلتی ہوئی اسٹیج پر آئیں ایک مسکراتی نظر ہال میں موجود سامعین پر ڈالی مائیک سنبھالتے ہوئے کچھ دیر خاموش کھڑی رہیں پھر گویا ہوئیں۔

”سامعین آج میں بہت خوش ہوں آپ سب نے اس فنکشن میں آ کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے کہ آپ سب میرے ساتھ ہیں۔ سانچہ کراچی کے ان تمام گھرانوں کو بھی میں نے بطور مہمان اس فنکشن میں شریک کیا ہے جن کے اپنے ان سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے۔ موت کے اس کھیل میں سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ ایک شعر جو میرے لبوں پر چل رہا ہے۔

یہ کیسی آگ تھی جس نے جلا ڈالا خوابوں کو
یہ کیا قہر تھا جس نے مسل ڈالا گلابوں کو
یہ ایک سازش تھی ان لوگوں کی جو ہیں دشمن انسان
سناؤں کون سا قصہ میں کھولوں کن کتابوں کو
(شاعرہ: نازیہ کنول نازی)

ایک بار پھر ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔

”سامعین ہم سب اپنے ان دگی بھائی بہنوں کے ساتھ ساتھ ہیں جن کا سب کچھ اس آگ کی نظر ہو گیا ان کا غم ہمارا غم ہے ان کا دکھ ہمارا دکھ ہے اگر چہ ان دکھوں کا کوئی مداوا نہیں جب بھی ہم اس سانچہ کے بارے میں سوچتے ہیں تو آنکھیں نم ہونے لگتی ہیں۔ تو کوئی ان کے دل سے پوچھتے جن کے اپنے اس آگ میں راکھ کا ڈھیر بن گئے ہمیں گزر گئے اس حادثے کو مگر آج بھی کتنی ماؤں بہنوں کی اور کتنے بچوں کی آنکھیں منتظر ہیں کہ ان کے پیاروں کی لاش مل جائے تاکہ انہیں اپنے ہاتھوں سے دفن کر کے انہیں قرار اور صبر تو آجائے مگر وہ جو راکھ کا ڈھیر بن گئے انہیں کوئی کہاں سے لائے۔ اور جو اس

حادثے کے ذمے دار ہیں انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے۔ ہماری حکومت نے مرنے والوں کے لواحقین کو پانچ پانچ لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا ہے اللہ کرے یہ وعدہ وفا ہو جائے۔ مگر آج آپ سب کو یہاں اکٹھا کرنے کا جو مقصد ہے اب میں اس طرف آتی ہوں۔

میں اپنے ملک کے شعراء اور فنکاروں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ سب نے اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر میرے ساتھ تعاون کیا میں آپ سب کی مشکور ہوں۔ اور مجھے امید ہے آئندہ بھی آپ سب کا تعاون مجھے حاصل رہے گا۔ آپ سب اس فنکشن سے واقف ہیں یہ فنکشن امدادی فنکشن ہے جو سانحہ کراچی ٹیٹری کے ملازمین کی یاد میں رکھا گیا ہے جو موت کے اس رقص میں لقمہ اجل بن گئے اور اپنے پیچھے اپنے پیاروں کو زندہ درگور کر گئے۔ جن کے دم سے ان کے گھروں کے چولہے بجتے تھے جو اپنے گھرانوں کے خود کفیل تھے آئیے ہم سب مل کر اپنے ان دگی بہن بھائیوں کے دکھ اور بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے کچھ ایسا کریں ان کے لیے کہ ہم ان کے آنسو پونچھنے میں کامیاب ہو جائیں جو بالکل بے آسرا ہو گئے ہیں۔ تو آئیے ہم دل کھول کر ان کی مدد کریں ہم اس شہر کراچی کے عوام ہیں اور ہمارا بھی تو حق بننا ہے۔ آپ یہ نہ سوچیں مدد کس انداز میں کرنی ہے آپ کے دس روپے سو روپے بھی بہت ہوں گے..... کیونکہ قطرہ قطرہ دریا بن جاتا ہے۔

آج کل ملک میں نیوایز منانے کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی ہیں اور نیوایز کے جشن پر لگتی رقم صرف کی جاتی ہے ہمارے ملک میں بسنت میلے میں لوگ دور دور سے کچھ رہے ہوتے ہیں صرف ذرا سے شوق و تفریح کے لیے بڑی سے بڑی رقم صرف کر دیتے ہیں مگر کیا ہم ایک لمحے کے لیے یہ سوچ سکتے ہیں ہم یہی رقم جسے ہم اپنے شوق و تفریح کے لیے ضائع کر رہے ہیں۔ کیوں نہ اس سے سانحہ کراچی کے متاثرین کی مدد کی جائے؟ آپ کی

تھوڑی سی قربانی..... لفظ قربانی میں نے اس لیے استعمال کیا کہ آپ اپنی تفریح اپنے شوق اپنی فضول سی تقریب پر ہزاروں روپے جو خرچ کرنے جا رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان میں تھوڑی سی کمی کر کے وہی رقم آپ سانحہ کے مرعومین کے ورثا کو پہنچا دیں تو آپ محسوس کریں گے آپ نے کیسی خوشی و راحت حاصل کی ہے۔ یہ سمجھنے اور سوچنے غور کرنے کی بات ہے۔ ہم اپنے نفس کو مار کر اللہ کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں اور اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

شادیوں کی فضول سی رسم ہندی پر آپ جو رقم خرچ کر رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ ہے تو میں آپ سب سے گزارش کروں گی کہ نیا سال چند دنوں بعد میں ویکم کہنے آ رہا ہے تو آئیے ہم سب اس نئے سال کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اپنے آپ سے عہد کر لیں کہ ایک نئے عزم کے ساتھ نیوایز کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے شوق پر خرچ کی جانے والی وہ تمام رقم سانحہ متاثرین کو گفت کر دیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟ شاید نہیں بلکہ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ کیوں نہ ہم آج مل کر عہد کریں۔

آئیے ہم اس سال آنے والے نیوایز کا استقبال کرتے ہوئے اپنی تھوڑی سی خوشیاں تفریح شوق کی قربانی دے کر ان مجبور دگی لوگوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جن کے خواب لٹ گئے ہیں خواہشیں انگلیں دم توڑ گئی ہیں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ اور ہم ان کے لیے ایسے امدادی فنکشن کرتے رہیں گے اور ہمیں یقین ہے سائمن آپ سب ایسے ہی جوش و خروش سے مجھ سے تعاون کرتے رہیں گے۔ تین روزہ امدادی فنکشن سے جو رقم حاصل کی گئی ہے وہ تمام کی تمام رقم متاثرین کو بھیج دی جائے گی۔“ نوفل نے دیکھا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا اس کی ممبڑی شان سے کھڑی داد وصول کر رہی تھیں۔ اور ایئر کنڈیشنڈ ہال میں کھڑے نوفل کی پیشانی سینے کے قطروں سے تر ہو رہی تھی۔

نوفل سے وہاں رکنا دو بھر ہو گیا۔ وہ اپنی مہم پر ایک نظر

ڈالتا ہوا تیزی سے ہال سے باہر نکل آیا۔ ظاہر اور باطن میں اتنا تضاد..... اس کا ذہن اکٹھے لگا اس نے تیزی سے ہونٹ کاٹ ڈالے۔

ڈاننگ ٹیبل پر مینا، بیگم سجاد اور نوفل موجود تھے۔ ”تم دیکھنا مینا، آج کے ہر اخبار میں اس فنکشن کی مکمل کوریج ہوگی۔“ نوفل تم کہاں تھے؟ مجھے تمہارے آنے کا انتظار ہی رہا۔“ بیگم سجاد نے اپنی پلیٹ میں فرائی فٹ ڈالتے ہوئے کہا۔ تو وہ ایک دم چونکا۔

”جی ہاں بس.....“

”کیا بات ہے تم بہت خاموش ہو؟“ بیگم سجاد نے فکر مند سی اس کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں ماما، اسی تو کوئی بات نہیں۔ کاشف کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ لانگ ڈرائیو کر کے آ رہا ہوں شاید اسی لیے تھک گیا ہوں۔ واپسی پر اتنی دیر ہوئی تھی فنکشن میں آ نہیں سکا۔“ وہ سمجھ گیا تھا اس کی ممانے اسے وہاں دیکھا نہیں تھا۔ وہ بھی صاف جھوٹ بول گیا۔

”بس نوفل یہ کاشف سے مجھے اسی لیے چڑنے تمہارے بغیر وہ کوئی کام کر نہیں سکتا۔ کہاں گئے تھے۔“ انہوں نے کرید۔

”تھا اس کا ایک کام۔“ نوفل نے کھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”بھلا بتاؤ صرف کاشف کی وجہ سے تم نے اتنا اچھا فنکشن مس کیا؟“ بیگم سجاد کو مل تھا اس کے نہ آنے کا۔

”نوفل بھائی کاشف کو بھی آپ ساتھ لے جاتے ذرا وہ بھی تو دیکھتے ہماری ممانکتی مشہور سٹول ور کریں۔ اتنے بڑے فنکشن کی کامیابی کا سارا کریڈٹ ماما کو جاتا ہے۔ ماما کے لیے یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔“

”ہاں مینا یہ تو ہے شکر ہے میں اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہی۔“

”ماما راجیل کب تک آئے گا؟ اسے گئے ہوئے آج کل دن ہو رہے ہیں۔“ نوفل نے نیپکن سے ہاتھ صاف

”خیال“

میں جب بھی دُور اُفتق پر پھپھرتے دیکھتی ہوں

تو نہ جانے کیوں؟

مجھے تمہارا خیال آ جاتا ہے!!

جیا نفوی..... تلہ گنگ

کرتے ہوئے پوچھا۔

”میرا خیال ہے مینا وہ کل تک آ جائے گا۔“

”مما ہمیشہ کی طرح اس بار بھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہی گیا ہے۔“

”ہاں مینا ظاہر ہے دوستوں کی گیدرنگ میں ہی گھومنے پھرنے کا مزہ آتا ہے۔“

”مما اسے کہیں بزنس میں بھی دلچسپی لے زندگی کا مقصد صرف گھومنا پھرنا ہی تو نہیں ہے۔“ نوفل نے دبے

دبے لہجے میں کہا تو وہ بولیں۔

”تم فکر مت کرو میں ہوں نا بزنس میں تمہاری ہیلپ کرنے کے لیے اور رہی بات راجیل کی اسے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ تو باہر سیٹل ہونا چاہتا ہے۔“ نوفل نے اپنی ماما کی طرف دیکھا اور ایک لمبا سانس کھینچتا ہوا اٹھ گیا۔

”نوفل آج تمہیں نیوایز اور شادی کے کارڈز پر نام لکھنے ہیں۔ وہیں تمہارے روم میں بوا جمیدہ سے رکھوا دیے ہیں۔ کل تک یہ کام مکمل کر لینا۔“

”جی بہتر.....“ وہ کہتا ہوا اپنے روم میں آ گیا۔ ابھی اس نے روم میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے موبائل کی ٹون نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”ہیلو.....“ دوسری طرف انوشہ تھی۔

”کیا کر رہے تھے؟“

”ابھی کھانے سے فارغ ہوا ہوں تم سناؤ کیا کر رہی تھیں؟“

”کنز میں گھری ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے ان

سے فرار حاصل کر کے اپنے روم میں آئی ہوں۔ وہ سب لیونگ روم میں محفل جمائے ہوئے ہیں۔“
”تو کیا ابھی سے سب نے دھوا بول دیا؟“ نوفل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”نوفل! مانے تو سب کو ایک ماہ پہلے سے آنے کی دعوت دی تھی مگر بڑے ماموں جان تو ابھی کچھ دیر پہلے لاہور سے اپنی فیملی کے ساتھ پہنچے ہیں اور پھوپھو تو اسلام آباد سے کل شام کو آئی ہیں۔ ماشاء اللہ ان کی چار بیٹیاں ہیں، ہو بیٹے کل تک آ جائیں گے۔“

”پھر تو تمہارے یہاں خوب رونق لگ گئی ہوگی۔“
”حنا تو آج سے ہی ڈھولک لے کر بیٹھ گئی ہے اصل میں نوفل ہمارے گھر کی یہ پہلی شادی ہے، بس گھر والوں کے ساتھ ساتھ سب رشتے دار بھی بہت پر جوش اور خوش ہیں۔ تم شادو تمہاری طرف تیار ہاں کہاں تک پہنچیں اور کون کون آیا ہوا ہے۔“ انوشہ نے چپکے ہوئے پوچھا۔

”انوشہ! تمہیں تو پتا ہے کہ میرا ادھیساں تو لندن میں مقیم ہے۔ مینا اپنے بیٹے فیض کے ساتھ کل شام کو آئی ہے لندن سے! امجد ہنستے تک آ جائیں گے وقار انکل اور آنٹی کا فون آیا تھا وہ شادی سے ایک دن پہلے لندن سے یہاں پہنچیں گے۔“

”مینا کیا کر رہی ہے؟“ انوشہ نے پوچھا۔
”وہ فیض کو سلا رہی ہے۔ سارا دن مینا کو تنگ کرتا ہے جب سے چلنا شروع کیا ہے ادھر سے ادھر بھاگتا رہتا ہے۔“

”اچھا وہ ننگن اور سیٹ پسند آیا آئی کو؟“ انوشہ نے پوچھا۔

”پسند کیوں نہ آتے وہ ہیں ہی اتنے زبردست۔“
”ہاں یہی معلوم کرنے کے لیے میں تمہارے فون کا انتظار کر رہی تھی کہ تم فون کر کے مجھے بتاؤ گے۔۔۔۔۔ پھر سوچا خود ہی کر لیتی ہوں۔“

”نہیں میں تمہیں ابھی فون کرنے ہی والا تھا کہ تمہارا فون آ گیا۔ ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔“

”پلیز نوفل جلدی بتاؤ کون سی بات کرنی ہے میرے پاس وقت کم ہے وہ ساری کزنز مجھے تلاش کرنی میرے روم تک پہنچنے والی ہوں گی۔“ انوشہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بولا۔

”پہلے وعدہ کرو میرا ساتھ دو گی؟“
”کیا بات ہے نوفل تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟ کیسا وعدہ چاہتے ہو اور کس ساتھ کی بات کر رہے ہو؟ میں کبھی نہیں۔“ انوشہ نے ایک دم بخود ہوتے ہوئے کہا۔
”نہیں انوشہ پہلے وعدہ۔۔۔۔۔“

”اچھا بابا وعدہ۔۔۔۔۔ چلو اب بتا بھی دو۔“ وہ ایک دم بولی اور اس کی بات کے جواب میں جو کچھ نوفل نے کہا تھا اسے سن کر وہ ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔
”کچھ دیر تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔“

”کیا ہوا چپ کیوں ہو گئیں اتنی جلدی وعدہ بھول گئیں۔“
”نہیں نوفل یہ بات نہیں ہے مگر تم جو چاہ رہے ہو اب وہ ممکن نہیں ہے۔“

”ایسا نہیں ہے انوشہ! جاہو تو نامکن کو ممکن بنا سکتی ہو اپنی دلیل سے اپنے مٹاؤ ڈیڈی کو قائل کر سکتی ہو اور مجھے یقین ہے انکل و جاہو تمہاری بات مان لیں گے۔“
”انوشہ اگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا تو میں سمجھوں گا میں اکیلا ہوں۔“

”ٹھیک ہے نوفل میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں پوری کوشش کروں گی سب گھر والے مان جائیں۔ ویسے ذاتی طور پر مجھے تمہارے فیصلے پر فخر ہے۔ تم نے جو کہا ہے اسے منوانا آسان تو نہیں ہے ڈیڈی اگر مان گئے تو وہ سب کو سمجھالیں گے۔ اچھا اؤکے۔“ اتنا کہتے ہوئے انوشہ نے ختم کر دی۔

نوفل کا ذہن ہلکا ہو گیا تھا۔ بغیر انوشہ کے تعاون کے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اور اب وہ مطمئن تھا اس کی بننے والی لائف پارٹنر اس کے ساتھ اور اس کی ہم خیال تھی۔ وہ تیزی سے کارڈز لکھنے میں مصروف ہو گیا مگر دوسری

طرف ڈسٹ بن پھٹے ہوئے کارڈز سے بھرتا چارہ تھا۔ اسی وقت مینا اور بیگم سجاد اس کے روم میں داخل ہوئیں۔
”مینا نوفل رات کا ایک بج رہا ہے اب سو جاؤ باقی کارڈز کل لکھ لینا۔“ کہتے ہوئے ان کی نظر اچانک ڈسٹ بن پر پڑی۔ ڈھیر سارے پھٹے ہوئے کارڈز ڈسٹ بن میں پڑے تھے۔ نوفل یہ کارڈز تم نے ڈسٹ بن میں کیوں ڈال دیئے۔ مہندی اور نیوایر کے اتنے خوب صورت اور قیمتی کارڈز کیا پر تنگ میں کوئی غلطی ہو گئی ہے؟“

”جی ماما واقعی غلطی ہو گئی ہے۔ ان کارڈز کی ضرورت نہیں تھی۔ مہندی اور نیوایر کے کارڈز ڈسٹ بن میں اس لیے ڈال دیئے ہیں کہ مہندی کا پروگرام کینسل کر دیا ہے اور نیوایر کا فضول فنکشن بھی اب نہیں ہوگا۔“
”کیا بیک رہے ہو تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے کہ نہیں؟ میری اتنی زبردست تیاری کا تم سبتیاں اس کرنا چاہتے ہو؟ تم اتنے با اختیار رکب سے ہو گئے تم نے میری اجازت کے بغیر یہ سوچا بھی کیسے۔“ بیگم سجاد اس پر بری طرح گرج رہی تھیں۔ غصے سے ان کی بری حالت ہو رہی تھی۔

”اف میں نے فضول ہی میں تمہیں یہ کام سونپا۔ راجیل آ جاتا تو اس سے کروالیتی۔ تم نے تو حد کر دی نوفل۔“

”نوفل بھائی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ کو پتا ہے ممانے مہندی کی تیاری کتنے شوق اور لگن سے تھی اور نیوایر کا سالانہ فنکشن۔۔۔۔۔ اب کیا ہوگا آپ نے اتنا بڑا فیصلہ ماما کی اجازت کے بغیر کیسے کر لیا۔“
بیگم سجاد کی غصے سے بری حالت ہو رہی تھی وہ نوفل کو گھورتے ہوئے ایک بار پھر گرجیں۔۔۔۔۔!

”ہاں بولو! تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم میری اجازت کے بغیر کسی بھی پروگرام کو کینسل کرو۔“

”مما حیرت ہے آپ میرے اس اقدام سے اتنا خفا ہو رہی ہیں آج ہی شام تو اس امدادی فنکشن میں آپ اسی موضوع پر شاندار تقریر پر خوب داد و وصول کر رہی تھیں۔“

نیا سال یہ سال بھی آخر بیت گیا کچھ نہیں یادیں خواب لیے چند گلاب لے کچھ گلاب لے کچھ گلے دلن کالی راتیں کچھ بچے دکھ کچھ بھولی باتیں کچھ بچی رشتیں کچھ برساتیں کسی یا عزیز کا دکھ پیارا کسی چھت پر امیدوں کا تارا جس پر ہنستا تھا جگ سارا اس شاعر نے جو حرف لکھے اس میں تیری یاد کے سائے تھے وہ لوگ بھی آخر لوٹ گئے ان ہنستے ہنستے لوگوں نے میرے سارے دکھ اپنائے تھے پھر میں نے یاد کی مٹی میں زخمی لمحے دفنائے تھے

بخت آدھری..... شینو پورہ

مینا وہ تقریر میں ابھی تمہیں سناتا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے نوفل نے اپنے سیل فون پر ریکارڈ آن کر دی۔ بیگم سجاد کی پر جوش تقریر کے الفاظ کمرے میں گونجنے لگے اور پھر تالیوں کی گونج مینا دم بخود خاموش کھڑی کبھی اپنی ماں پر نظر ڈالتی اور کبھی چلتے ہوئی ریکارڈنگ پر نوفل نے ریکارڈنگ آف کی اور پھر بولا۔

”مما اتفاق سے آج شام میں اس وقت وہاں پہنچا جب آپ ڈانس برائیں اور آپ کی وہ پر جوش تقریر سن کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اتنا تضاد میں نے پہلی بار دیکھا اور محسوس کیا۔ میں نے بڑی خوشی سے ریکارڈنگ آن کی تھی کہ ماما کی تقریر ریکارڈ کر کے رکھوں گا۔ مگر مجھے بڑا شاک لگا۔ ماما مہندی کی رسم کے وہ تمام تیار کردہ سونے کی انگوٹھیاں جو میری ساریوں کو دینی تھیں اور وہ چاندی کی



توجہ دے اپنی تعلیم پر
نہ پڑ عشق کے عذابوں میں

اکثر وہ لوگ برباد ہوتے ہیں
جو رکھتے ہیں پھول کتابوں میں

کرتے آج کل ویسے بھی ہر جہت پر ہی روزِ مِج مِج ٹوٹے
اور ویٹ لوڈ کے طریقے بتائے جاتے تھے اور گھر بھر کی
فارغ خواتین خود پر وہ ٹوٹے آ زمانے کے کاموں میں
جست جاتی تھیں۔

”یہ اچھا شغل لگایا ہے تم نے“ گھر کی صفائی ستھرائی
برتن سب کام ایسے ہی پڑے ہیں اور محترمہ یہاں فی وی
دیکھ رہی ہیں۔ ”اماں نے اچانک کسی سیاستدان کی طرح
انٹری دیئے ہوئے فی وی بند کیا۔

”افوہ اماں! آپ بھی نہ آج لائٹ نہیں گئی تو آپ
نے بند کر دیا۔ میری پیاری اماں کام کر لوں گی نہ سارا
دیکھئے تو دو۔“ وہ اماں کو کھنکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”نہ پریز نہ یہ تو گیارہ بجے تک آتا رہے گا گھر
گند پڑا رہے گا کیا تیرے ابا نو بجے جاتے ہیں تو تو یہ
لگائے بیٹھ جاتی ہے نجانے کیا دہلا ہونے کی دھن سوار
کر لی ہے ٹوٹے۔ ارے ایک ہمارا زمانہ تھا سب کھاتے

تھے اور فٹ رہتے تھے اور ایک آج کل کا زمانہ ہے یہ مت
کھاؤ وہ مت کھاؤ پھر بھی کمزوری۔“ اماں ڈر پرانے

”برواؤن بریڈ..... ایک انڈا ابلتا ہوا“ آدھا گریپ
فروٹ اور کیا بولا تھا آگے یا نہیں آ رہا۔“ چن سر پر تقریباً
مارتے ہوئے امی حسین یادداشت کو خراجِ تحسین پیش کیا
تھا وہ تقریباً ایک گھنٹے سے معروف و مشہور جینٹل سٹائے
مارنیک شوکت کے گناہ سر کھپا رہی تھی۔ ایک نسخہ جلدی کا پی
کرتی تو دوسرا رہ جاتا وہں جتنے والے تھے اور وہ نوبے
سے لیٹر پینڈ اور پین پکڑے نہایت انتہاک سے فی وی
دیکھنے میں مگن تھی۔

وقفہ ختم ہونے والا تھا ایک بار پھر وہ لکھنے کے لیے
ارٹ ہوئی۔ آج کل اس پر ڈائمنگ کا بھوت سوار تھا
کیوں سوار تھا ایک لمبی کہانی تھی۔

”گرین ٹی آرغ..... یہ نہیں پی جائے گی مجھ سے ایسا
کرتی ہوں بغیر چینی کی جائے پی لوں گی۔“ میزبان نے
دودھ شکر والی چائے کے بجائے گرین ٹی کا استعمال
بڑھانے کا مشورہ دیا تو اسے سخت کوفت ہوئی۔

”افوہ یارا کہاں پھنس گئی میں“ یہ ڈائمنگ ڈائمنگ
میرے بس کی نہیں۔“ اب وہ چڑی۔ نئے ٹوٹ کرتے

والے تھے وہ سب ساتھ کراچی کے متاثرین کو بھیج دیں
گئے جن کا اب کوئی کمانہ والا نہیں ہے جو بے سارا ہو گئے
ہیں پلیز مہما صرف ایک بار اپنا احتساب کر کے دیکھیں
آپ کے ظاہر اور باطن میں کتنا تضاد ہے۔“
”نفل پلیز اسٹاپ اٹ۔“ انہوں نے بے حد الجھ کر
نفل کوٹھا۔

”نہیں مہما آج ہی تو میری آنکھیں کھلی ہیں اور ان
آنکھوں کو کھولنے والی بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کی تقریر کا
اگر کچھ لوگوں پر اثر ہوگا تو ان میں سرفہرست میں ہوں گا
اور مہما میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ لوگ میری مہما کے
بارے میں یہ کہیں کہ ان کی باتیں محض دکھاوا اور لفاظی
ہیں۔ ان کے ظاہر اور باطن قول و فعل میں زمین آسمان
کا فرق ہے۔“ نفل کا آخری جملہ تیر بن کر جیسے بیگم سجاد
کے دل میں اتر اٹھا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھیں
لیکن اپنی سادگی اپنی ریپویشن پر ذرا بھی دھبہ انہیں
برداشت نہیں تھا۔ چاہے اس کے لیے انہیں اپنے
ایمانوں کا گلہ ہی کیوں نہ کھوٹنا پڑتا۔ انہوں نے بڑی
شکستگی سے ڈسٹ بن میں پڑے کارڈ کی طرف دیکھا
اور ہولے سے بولیں۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا ہم وہ ساری رقم ساتھ
کراچی فیکٹری کے متاثرین کو بھجوا دیں گے۔“

”اوہ مہما یو آر گریٹ۔“ نفل نے ساختہ ان سے لپٹ
گیا اس وقت اسے اپنی ماں دنیا کی عظیم عورت دکھائی
دے رہی تھیں اور نفل کے کمرے سے پاہ نکلتے ہوئے
بیگم سجاد سوچ رہی تھیں کہ کل جب اخباروں میں یہ خبر چھپے
گی کہ بیگم سجاد نے اپنے بیٹے نفل کی مہندی اور نیوایز
کے فنکشن پر خرچ ہونے والی ساری رقم ساتھ کراچی کے
متاثرین کو بھجوا دی ہے تو ان کی شہرت اور نیک نامی میں
کتنا اضافہ ہوگا۔



تھالیاں اور مہندی کی رسم پر خرچ کی جانے والی وہ بڑی رقم
اور نیوایز کے وہ گفٹ جوا آپ نیوایز کے ہر مہما کو گفٹ
کرنے والی تھیں نیوایز کے فنکشن پر خرچ کرنے والی
تمام رقم ساتھ کراچی کے متاثرین کو گفٹ کے طور پر بھیج
دیجیے گا۔ آپ کو تو میرے اس اقدام سے خوش ہونا
چاہیے۔ مہما آپ صرف ایک بار سوچیں جو کچھ آپ نے
وہاں ڈاس پر کھڑے ہو کر اپنی تقریر میں کہا۔ جو آپ
لوگوں سے منوانا چاہ رہی تھیں۔ کیا آپ عملی طور پر خود ایسا
کر رہی تھیں؟ مہما صرف ایک بار اپنی خوشی اپنے شوق کی
قربانی ساتھ متاثرین کے لئے دے کر دیکھیں کیسی
راحت ملے گی آپ کو اس قربانی سے۔“ نفل اپنی مہما کے
کچھ الفاظ انہی پر دہرا رہا تھا۔

”مہما آپ کو لفظوں سے کھینا ہی نہیں لفظوں کا جادو
چلانا بھی آتا ہے آپ کے لفظوں کا جادو مجھ پر چل گیا ہے
آج میں آپ کے وہی الفاظ یاد کر کے آپ کے سونے
ہوئے ذہن کو جگانا چاہتا ہوں۔ ہم کسی کوئی مشورہ دیتے
ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہم خود عملی طور پر کیا کر رہے
ہیں؟ مہما میرا مطلب یہ ہے کہ اس اقدام کے لیے پہلا
قدم ہم اپنے گھر سے کیوں نہ اٹھائیں؟ آپ کو حیرت
ہوگی میرے اس پہلے قدم کے ساتھ انوشہ کا قدم بھی
میرے ساتھ شامل ہے۔“

”بس خاموش ہو جاؤ نفل تم گستاخ ہوتے جا رہے
ہو تم جو چاہا رہے ہو وہ اب ممکن نہیں.....“ بیگم سجاد نے
تیزی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم ان کے
سامنے کھرا ہوا۔

”مہما پلیز آج پہلی بار میں نے آپ سے کچھ مانگا
ہے۔ اگر آپ خود عمل نہیں کر سکتی تھیں تو اسٹیج پر کھڑے
ہو کر گئی آپ کی تقریر کیا معنی رکھتی تھی؟ گستاخی کی معافی
چاہتا ہوں“ مہما انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہونا
چاہیے۔ پلیز مہما ایک بار سوچیں اور غور کریں اب بھی نہ
سوچا تو کب سوچیں گی۔ پلیز مہما ہم وہ تمام رقم جو اس
فضول سی رسم مہندی اور نیوایز کے جشن پر خرچ کرنے

زمانے کی تھیں ان کو آج کل کے زمانے سے خدا کے واسطے کاہر تھا۔
 ”اماں پلیز بس آج دیکھنے دے۔“ وہ اب رو دینے لگی۔

”پہلے کام کرو پھر یہ فالتو کام کرتی رہنا۔“ اماں اب باقاعدہ بیوی کا پلگ نکال کر یہ سوچ رہی تھی کہ اب ان کے جیسے مبادا کہیں وہ ان کے جاتے ہی پھر بیوی نہ آن کر لے۔ اماں بھی بڑی ہی موڈی تھیں موڈ ہوتا تو خوب لاڈ کرتیں جو موڈ نہ ہوتا تو کسی شیر سے کم نہ تھیں۔ اب وہ بے چاری شیم آرا کی طرح اپنی بے بسی پر آنسو بھائی بڑی ہی بے دلی سے جھاڑو لگا رہی تھی اور اماں مزے سے کمرے میں لیٹی آرام فرما رہی تھیں۔



”پرہیزے یار تم دو دونوں میں اتنی دلی دلی لگنے لگی ہو کیا کر رہی ہو آج کل؟“ اس کی خالہ زاد بہن ہانے آتے ہی اس کی کمر پر ایک مکارسید کیا۔

”ہائے مارہی ڈالا خالہ اور کیا کہا تم نے دلی لگنے لگی ہو تو کیا پہلے موٹی تھی؟“ وہ نہایت انہماک سے اپنا من پسند ناول ”شہر چارہ گراں“ کوئی دسویں بار پڑھ رہی تھی اس اچانک افتاد پر اپنی کمر پکڑ کے ہا کے پیچھے پیچھے بھاگی اسے تو ابھی تک یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ڈائنگ والی بات خالہ کے گھر تک کیسے پہنچی۔

”ہمت ہے تو پکڑ کے دکھاؤ۔“ ہا اسے چیلنج کرتی ہوئی اس کی اماں کے کمرے میں گھس گئی اور وہ بے چاری اندھا دھند بھاگتی ہوئی ایک بھاری بھر کم وجوہ سے بری طرح ٹکرائی۔

”آؤج..... میرا سر بھاڑ دیا دیکھ کے نہیں چل سکتے تم کیا بہت شوق ہے راہ چلتی لڑکیوں سے ٹکرانے کا۔“ ابھی اس کی کمرے میں پہنچی تھی کہ وہ بے چاری اپنا سر ایک ہاتھ سے پکڑی اپنی اکلوتی خالہ کی اکلوتی اولاد زینہ زلیان آفتاب کے اوپر پڑی گری تھی۔

”محترمہ پرہیزے صاحبہ! آپ کی اطلاع کے لیے

عرض ہے کہ بھاگ آپ رہی تھیں میں نہیں اور دوسری بات آپ کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں میری اکلوتی خالہ کی اکلوتی لڑکی ہیں۔“ وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا مجال ہے جو بھی اپنی غلطی مان لے۔

”ہونہ..... تم سے تو بات ہی کرنا فضول ہے۔“ پرہیزے جیسے سختی ہوئی اماں کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ ”مجھے بھی تم سے بات کرنے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے پرہیزے عرف موٹی۔“ اس نے لفظ موٹی باقاعدہ اونچی آواز میں اسے سنانے کے لیے کہا۔

”کیا کہا تم نے اپنی آنکھیں چپک کرالو یا پھر جا کے اپنا علاج کراؤ آئی سمجھ۔ ہر کوئی تمہاری طرح اچس کی تیلی کی طرح نہیں ہوتا۔“ وہ واپس چلی اور اس نے بھی تیر ٹھیک نشانے پر پھینکا۔

”تمہاری تو.....“ زلیان نے اسے گھورا۔
 ”بس بس..... یہاں کشتی مت شروع کرو بیٹا آپ لوگ۔ امی بلارہی ہیں ہمیں پرہیزے جلدی چلو۔“ اس سے پہلے کے پرہیزے کوئی اور وار کرتی ہا اسے صبح کے اندر لے گئی۔

”آئی بڑی بھائی کی چچی۔“ پرہیزے نے ہا کے ہاتھ پر بڑی ہی زور سے چٹکی کالی اپنی دانست میں اس نے اپنا بدلا لے لیا تھا ہا تھلا کہہ رہی تھی۔ پرہیزے کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ محسن میں کھڑے زلیان نے بڑی ہی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی اثر آئی تھی یوں کہ جیسے اسے کام مقصد پورا ہو گیا ہو۔



ڈبل اسٹوری پر مشتمل چار کمروں کے اس چھوٹے سے گھر میں آمنہ وحیدہ صدیقی اور ان کی اکلوتی بیٹی پرہیزے وحیدہ بڑی ہی پیار سے رہتے تھے یوں بھی اماں کی مین روڈ پر کپڑوں کی چلتی ہوئی دکان تھی۔ اولاد بھی ایک ہی تھی سو گھر کا خرچ بڑی ہی آسانی سے چلتا تھا بہت امیر نہ سہی لیکن ان کا تعلق اچھے خاصے خوش حال گھرانے سے تھا۔ وحیدہ صدیقی کے دو بی بھائی تھے جو

ان سے چھوٹے تھے۔

اماں ابا کے انتقال کے بعد تینوں بھائی الگ الگ اپنے گھر کے مکین ہو کے رہ گئے تھے ملنا جلنا بھی بس تہوار کے تہوار ہی تھا۔ وحیدہ زرا سادہ سی طبیعت کے مالک تھے سوا ب کی ساری جائیداد دونوں بھائیوں کے حوالے کر کے سکون میں آ گئے ورنہ دونوں بھائیوں نے ابا کے مرتے ہی فساد برپا کیا ہوا تھا جبکہ آمنہ کی ایک ہی بہن تھی فریدہ جن کے دو بچے تھے زادیان اور ہما دونوں بہنیں ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں۔ ملنا جلنا بھی کافی تھا یوں پرہیزے ہما اور زادیان تینوں کا بچپن ساتھ ہی گزرا تھا۔ پرہیزے اور ہما ہم عمر تھیں جبکہ زادیان ان دونوں سے دو سال بڑا تھا۔ ہما اور پرہیزے کو پڑھائی سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی سو کامرس سے گریجویشن کر کے فارغ تھیں۔ ہما گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تو پرہیزے پر آج کل ڈائنگ کا بھوت سوار تھا نجانے کیوں آج کل اسے یہ خط لاحق ہو گیا تھا کہ وہ بہت موٹی ہے جبکہ نہ تو وہ زیادہ موٹی تھی نہ زیادہ دلی ہلکی سی بھاری جسمات اور گندی رنگت تھیکے نقوش کی حامل پرہیزے کسی کی بھی پسند ہو سکتی تھی۔

زادیان ایم بی اے ڈائنگ کے ساتھ ساتھ ایک پرائیویٹ فرم میں بھی جاب کر رہا تھا۔ فریدہ پر آج کل زادیان اور ہما کی شادی کا بھوت سوار تھا ان کی دیکھا دیکھی اب آمنہ کو بھی پرہیزے کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔



وہ آٹا گوندھ کے کام سے اپنی جان چھڑا کے بڑے ہی مزے سے ڈائنگ لے کے بیٹھنے لگی اماں کی باری روٹی پکانے کی تھی فی الحال اس کے تاواناں کندھوں پر صفائی ستھرائی آٹا گوندھنے اور چائے وغیرہ بنانے کی ذمہ داری عائد تھی اور اسے یہ بھی بھاری لگتا تھا۔

”پرہیزے اھر آؤ۔“ اماں کی پاٹ دار آواز نے سمیرا شریف طور کے ناول ”ٹونا ہوتا تارا“ کا سارا مزا کر کر ڈالا تھا۔

”آتی ہوں۔“ اس نے بڑی ہی بے دلی سے

لظم

ہر ایک سے پوچھنا ہے کہ..... کیا کسی موت پر مسجدوں میں اعلان ضروری ہے؟ اگر..... یہ ضروری ہے تو جب کوئی غریب غربت کی چکی کے پھیروں میں روز روز مرتا ہے..... تب..... ہر روز ہر پل اور..... ہر گھڑی اس کی خاموش موت کا اعلان کیوں نہیں کیا جاتا جنازہ کیوں نہیں پڑھایا جاتا

حراسعدیہ..... جہلم

ڈائنگسٹ رکھا اور کچن کی راہ لی۔

”جی اماں۔“ اس نے مہذب و تابعدار بننے کی بڑی ہی ناکام کوشش کی تھی۔

”یہ آٹا گوندھ ہے تم نے یا لٹی بنائی ہے اب اس سے روٹیاں پکاؤں یا چودہ اگست کی جھنڈیاں چپکاؤں دھیان لگتا کہاں ہے تمہارا کام میں۔“ چشمے کے پیچھے سے اماں نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں غصے سے گھمائی۔ آج کل اماں کو بھی اس کی شادی کی فکر لاحق ہو چلی تھی سو گھر واری سکھانا اور اسے سدھارنا ان کا مشن تھا ورنہ اس کی پیاری اماں اتنی غلط نہیں۔

”اللہ پوچھے گا تجھے ہا! تیری وجہ سے پڑھائی چھوڑ دی اچھا ہوتا جو آگے پڑھ لیتی اس کام سے تو جان

چھوٹی۔“ من ہی من میں اس نے ہما کو کوسا اگر وہ اس کے سامنے جاتی تو وہ اس کے بال ہی بوج لیتی۔

”اب منہ سے کچھ بولو گی بھی یا پونی ٹکر ٹکر دھکتی من ہی من بڑبڑاتی رہو گی۔“ اماں نے پھر مھورا۔

”سوری نہ پیاری اماں۔“ اس نے اماں کو مکھن لگانے کی مصنوعی کوشش کی۔

”سوری وغیرہ مجھے نہیں پتا ڈرم سے آٹا نکالو اور اس میں اور آٹا ملا کے میرے سامنے سج کرو۔“ اماں کہاں اس کے جال میں پھنسنے والی تھیں۔

”جی امی۔“ وہ روٹی صورت بنا کے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق آٹا نکالنے لگی تھی۔

”اور سناؤ آج میرے سامنے روٹی بھی تم ہی بناؤ گی۔ ابا آنے والے ہیں تمہارے جلدی کرو۔“ اماں نے ایک اور ظلم اس پر کیا۔

”مگر اماں روٹی تو آپ.....“

”کہانا نہ مگر نہیں جو کہا ہے وہ کرو کل کو دوسرے گھر بھی جانا ہے میری ناک نہ کٹا دینا۔“ اب کے کہاں اس کی بات کاٹ کے بڑے ہی خت لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”جی اچھا۔“ بیگی بلی کی طرح ہلکی سی آواز نکال کے وہ بُری طرح ہما کو کوسنے میں مصروف تھی۔ اس وقت اسے اپنی اماں بھلے سے کم نلگ رہی تھیں۔

.....

اس روز ہما کلاڑ کے والے دیکھتے تھے سفریدہ نے کام کاج میں مدد کے لیے پرینے کو صبح سے ہی بلایا تھا۔

پرینے اور ہما نے اپنی صبح ستیوں سے سارا گھر سر پر اٹھار کھا تھا۔

”تو بے تم لڑکیوں نے بھی کام کاج کے لیے بلایا ہے نہ پرینے بنائیں بھی شام میں جلدی ہی آجائیں گے مہمان اور تم لوگوں کی مستیاں ہی ختم نہیں ہو رہی۔ ہما

تم جلدی صفائی وغیرہ کرو پھر میرے ساتھ چکن میں آ کے کباب بناؤ بھی لڑکے والوں کو کم از کم اتنا اعزازہ تو ہونا چاہیے نہ کہ لڑکی کو زیادہ نہیں تو کم از کم تھوڑا بہت تو کام

کاج آتا ہے۔“ دونوں نے فوراً اپنی ہنسی کو بریک لگائے اور کام میں بخت گئی۔ ایک گھنٹے کے اندر انہوں نے سارا گھر چمکا ڈالا تھا۔

”میری بنو کی آئے گی بارات میں وصول بجائوں گی۔“ وہ ترنگ میں کافی مسلسل ہما کو چھیڑ رہی تھی۔ کھانا

کھانے کے بعد وہ دونوں ذرا سی دیر سستانے کی غرض سے کمرے میں آئی تھیں۔

”تمہارا بھی وقت آئے گا میری جان! پھر دیکھنا میں بھی یہی کروں گی۔“ ہما نے اسے بڑی ہی زور سے چنگی کالی اور وہ تمل کر رہ گئی۔

”ہاہا..... دیکھ لیں گے بھی ابھی تو گانے دو۔ میری بنو کی آئے گی بارات میں وصول بجائوں گی۔“ وہ ایک بار پھر گانے لگی۔

”بنو کی سہیلی ریشم کی ڈوری چھپ چھپ کے شرمائے دیکھے چوری چوری۔“ زاویان نے اچانک اتھری دی۔

”آہم آہم.....“ ہما نے مصنوعی کھانسنے کر اسے چھیڑا۔

”آج آفس والوں نے بھگادیا کیا؟“ پرینے نے اپنی دھڑکنے والی دھڑکنوں کو قابو میں کرتے ہوئے کہا۔

”تمہاری طرح نہیں کہ جہاں جانی ہو لوگ بھگادیتے ہیں۔ امی کا آڈر تھا سوا نا پڑا ویسے تم دونوں کی

آج کی کارکردگی دیکھتے ہوئے ہماری پڑوس والی راشدہ خالہ تمہیں اپنے گھر میں ماسی کی نوکری ضرور دے دیں گی۔“ زاویان نے چمکتے دھلے دھلائے گھر کو دیکھتے ہوئے دونوں کو چھیڑا۔

.....

”زاویان تم.....“ پرینے نے سمجھنے کے کشن مارا وہ شروع سے ہی اسے بھائی نہیں کہتی تھی۔ اس نے ایک بار

اماں ابا کی بات سنی تھی کہ ان کا رادہ اسے خالہ کے گھر بیاتنے کا ہے سو وہ جب سے ہی اپنی حسین آنکھوں میں

زاویان کا خواب سجائے بیٹھی بھی بیٹا جانے کے زاویان کیا سوچتا ہے دونوں کی ہمہ وقت ہوتی نوک جھونک سے اب

تو ہما بھی بھائی کو چھیڑنے لگی تھی۔

”بھائی لگی تو نہیں نہ۔“ ہما کو فوراً تھکے ہارے گھر لوٹے بھائی کی فکر لاحق ہوئی اس کے منہ سے نکلتی مصنوعی

آہ و کراہ دیکھ کر کوئی بھی دیکھتا تو یہی یقین کرتا کہ بے چارے کے بڑی زور سے لگی ہے۔

”آپ بیٹھیں میں کھانا لگاتی ہوں۔“ ہما زاویان کو کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔ پرینے مسکراتی ہوئی لیٹ گئی

وہ کافی تھک گئی تھی اور اب اسے نیند آنے لگی تھی وہ وہیں بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے سو گئی تھی۔

شام میں اس کی آنکھ تقریباً چار بجے کھلی وہ سوکے اٹھی تو ہما کمرے میں موجود تھی اس نے لائٹ آن کی اور اپنے بال صحیح کرتے ہوئے دوپٹہ سنبھالتی وہ باہر نکل آئی۔

ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ہما اسے کہیں نظر نہ آئی تھی۔

”ہوسکتا ہے خالہ کے کمرے میں ہو۔“ وہ خود ہی سے سوال و جواب کرتی خالہ کے کمرے کی جانب چلی آئی

اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھلتی اندر سے آئی آواز پر اپنا نام سن کر وہ تھک کے رہ گئی۔

”زاویان! تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے پہلے کی بات اور کی طرف اب میں تمہارے بچاؤ وغیرہ کو کیا جواب دوں گی۔ پرینے سے اب تمہارا جوڑ نہیں بننا۔ کہاں تم اتنے

دبیلے بن گئے اور کہاں وہ بھاری جسامت کی حامل۔“ خالہ زاویان کو نجانے کیا کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں

پرینے کو پوری بات سمجھ میں آئی تو مارے شرمندگی کے اس سے اپنا آپ نہ سنبھالاجا رہا تھا۔ آگے خالہ اور زاویان نے کیا بات کی کہ وہ سن نہ پائی تھی اسے تو اپنے پیارے میں

خالہ کی یہ رائے جان کے ہی اتنی تکلیف ہوئی تھی کہ اس سے مزید وہاں کھڑا نہ رہا گیا اس نے فوراً ابا کو کال کر کے

بلایا اور بہانہ کر کے چلی گئی۔

اگلے دن سے اس پر ڈائمنگ کا بھوت سوار تھا یہ تھی اصل کہانی جو نہ زاویان کو پتا تھی نہ ہما کو۔ کافی دن لگے تھے

اسے خود کو نازل کرنے میں وہ اچھی صحت مند تھی، موٹی بالکل تھی اب زاویان اتنا بدلتا تھا تو اس میں اس کے دل کا کیا تصور جس میں بچپن سے ہی زاویان کی محبت پہرہ

آنچل کی جانب سے ایک امانت

حجاب کرکچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف تھکاروں کے سلسلے دار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے راست ایک مکمل جریہ و گہر بھری دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی باکرے کہہ کر اپنی بک کرائیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی متنقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

دے بیٹھی تھی۔ اس دن کے بعد وہ خالہ کے گھر نہیں گئی تھی خالہ کو بھی لڑکے والے پسند نہ آئے تھے۔ اس دن کے بعد جب بھی خالہ اس کے ہاں آئی تھیں تو اس نے صرف زاویان اور ہما سے ہی بات کی تھی خالہ کو وہ سکر نظر انداز کر گئی تھی اس کی یہ تبدیلی کسی نے نوٹ کی ہو کہ نہ کی ہو زاویان نے بڑی شدت سے نوٹ کی تھی۔



دن یونہی روکھے دیکھتے سے گزر رہے تھے مارنک شو کی کرامات تھیں یا یہ اس کی سچی لگن کہ اب وہ کافی کمزور ہو چکی تھی۔ اب تو بے چارے جب اسے دیکھتے ہی کہتے۔ ”ہائے میری بچی اتنی کمزور ہو گئی۔“ جبکہ اماں نہال ہوتیں۔

”پر بڑے چل شکر ہے ٹوٹے کچھ کیا نہ کیا مگر یہ کام صحیح کیا اب لگ رہی ہے نہ بالکل ہیر و پیر شہ کی طرح۔“ اماں اسے فلم اشارہ میں ملاتیں تو وہ ہنس پڑتی، دھیمی سی پھسکی سی ہنسی۔ نگاہ ہر وقت دروازے پر لگی رہتی۔

ایک ہفتہ ہو چلا تھا زاویان نے آکے جھانکا تک نہ تھا آتا تو دیکھتا کہ کتنی بدل گئی تھی وہ محض اس کی خاطر۔

”پیارو تو نہیں کہ انسان خود کو ہی تبدیل کرے بلکہ پیار تو وہ ہے جو جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کیا جائے۔“ اس کا دل الگ دہائی دیتا مگر وہ اسے پھسکی دے کے سلا دیتی۔ کہاں وہ ہر وقت شرارتیں کرنے والی اور کہاں اب ایک دم چپ چاپ اب تو وہ اماں سے بھی جث نہ کرتی۔ وہ جو کام نہیں چپ چاپ کر دیتی، اماں الگ حیران تھیں اس کا پلاٹ پر۔

”بات سنیں آپاں تو اب تک پر بڑے کے رشتے کی بات نہیں کی ہے جبکہ وہ ہما کے لیے تو خوب رشتے دھونڈتی پھر رہی ہیں۔“ حیر سے میری بچی بھی جوان ہو رہی ہے ماشاء اللہ خوب صورت ہے آپ کا کیا خیال ہے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ وہ بی وی لاؤنچ میں بیٹھی بی وی دیکھ رہی تھی کہ اماں کی اندر سے آتی آواز پر اس نے بی وی کی آواز دھیمی کر دی تھی اس کے کان اماں اب کی آواز کی

جانب ہی لگے تھے۔

”ابھی کچھ دن دیکھتے ہیں اگر انہوں نے پر بڑے کے متعلق خود سے بات نہیں کی تو ہم بھی پر بڑے کے رشتے دیکھنا شروع کر دیں گے پھلے وہ آپ کی بہن ہوں مگر ہم اپنی بیٹی کے متعلق خود سے تو بات نہیں کر سکتے نہ۔“ وحید صاحب نے اماں کو سمجھایا۔

”جیسے آپ کی مرضی۔“ آمنہ وحیدان کی رضا میں خوش تھیں۔

”تو کیا اماں اب میری شادی کہیں اور کر دیں گے۔“ پر بڑے کا دل ڈوب کے ابھرا تھا کیا ایک اس کا دل ہر چیز سے بے زار ہو گیا تھا اس نے شدت سے زاویان کے وصل کی دعا مانگی تھی۔



فضا میں کافی خنکی سی دہرائی تھی موسم ہلکا ہلکا سرد ہو چلا تھا۔ میٹھی دھوپ میں ٹھنڈی ہوا ایک پرکشش سا تاثر پیش کر رہی تھی۔ وہ کام وغیرہ سے فارغ ہو کر ابھی بی وی کے آگے بیٹھی تھی۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے وہ ادھر سے ادھر چینل بڑھا رہی تھی مگر کہیں سے کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک نیوز چینل سے آتی اس اچانک خبر سے ریورٹ اس کے ہاتھ سے پھسل کے گرا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں 8.1 شدت کا شدید ترین زلزلہ آیا تھا۔ پر بڑے کو اچھی طرح یاد تھا کہ دس سال پہلے اکتوبر میں اسی نوعیت کا خوف ناک ترین زلزلہ آیا تھا اور اپنے ساتھ تباہی و بربادی کی کئی داستانیں رقم کر کے لے گیا تھا اور اب تو اس سے بھی شدید زلزلہ آیا تھا کیا ایک اسے سردی بڑی لگنے لگی تھی۔

”اگر سردی اور بڑھ گئی تو زلزلہ متاثرین کیسے اپنی راتیں دن گزاریں گے۔“ پتا نہیں کتنی تباہی ہوئی ہوگی۔“ وہ دل ہی دل میں استغفار کا ورد کرتی اب کو فون ملانے لگی۔ کراچی میں بھی کچھ علاقوں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے تھے اور آفٹر شاک کا بھی شدید خطرہ تھا۔ وہ تو صد شکر تھا کہ کراچی مغرب سے باہر تھا اب کو کال

کرنے کے بعد اس نے خالہ کو فون کیا اماں سو رہی تھیں ان کو جاکے اٹھایا اور پھر سارا دن وہ اس ناگہانی آفت و تباہی کے بارے میں ہی سوچتی رہی وہ جان گئی تھی کہ زندگی کا ایک منٹ کا بھروسہ نہیں لو لگانی ہے تو اللہ سے لگاؤ آنے والے کچھ دنوں میں اب اس کا وقت بی وی سے زیادہ عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ منہ ہلکا ہوا تو اب وہ زاویان کے بارے میں بھی کم سوچنے لگی تھی۔

اس نے اپنے سارے پرانے کپڑے نکالے تھے اماں نے بھی نکال کے دے دیے تھے کچھ فالٹو رضائیاں اور بستر وغیرہ وہ ابا کے ساتھ جاکے زلزلہ متاثرین کے لیے لگائے گئے کمپ میں امداد کرتی تھی۔ دل نے ایک عجیب سی سچی خوشی پائی تھی آج اسے ابا کی کھٹا راسی ایف ایکس بھی بڑی نہیں لگ رہی تھی ورنہ تو وہ جب بھی ایف ایکس میں بیٹھتی ابا کو اسے نکالنے کا ہی کہتی مگر اب اس نے رب کی رضا میں صبر کرنا جان لیا تھا۔



”آپ کی بہن سے یہ امید نہیں تھی مجھے حد ہوتی ہے خود غرضی کی۔“ فریدہ ٹھیکل صاحب سے بڑی طرح الجھ رہی تھیں۔

”خیریت تو ہے اب کیا کرو یا میری معصوم بہن نے۔“ ٹھیکل صاحب ہمیشہ سے ہی اپنے بہن بھائیوں پر جان چھڑکتے تھے ان کا جھکاؤ ہمیشہ ان کی طرف ہی ہوتا اور فریدہ اسی بات سے ہی چڑتی تھیں۔

”زیادہ مت بولیں اب آپ نے ہی کہا تھا نہ کہ آپا سے بات کروں ہما اور زاویان کی میں زاویان کے لیے آپ کی بیٹی ہی لاؤں اور ہما کے لیے بھی ان کے بیٹے سے اچھا کوئی نہیں۔ میں نے کہا تھا نا یہ مناسب نہیں مگر آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔“ فریدہ بیڈ کی چادر سجھ کر بی مسلسل غصے میں تھیں اب کہ ٹھیکل صاحب نے بھی بی وی بند کر کے ان کی طرف چونک کے دیکھا تھا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ ٹھیکل کا دل ایک دم دھڑکا تھا۔

”بہت چالاک ہیں آپ کی بہن صرف آپ کی وجہ

یقین

رات کو تارے ہم سے

اکثر یہ سوال کرتے ہیں

کیا تجھے اب بھی انتظار ہے اس کے آنے کا

اور میں کہتی ہوں

مجھے ابھی تک یقین نہیں ہوا اس کے جانے کا

صدف سلیمان..... شورش کوٹ شہر

سے میں نے اپنی بھانجی کے بجائے ان کی بیٹی کا سوچا۔ جب ہم نے بچپن میں زاویان اور پر بڑے کی بات کی تھی آپ کو جب ہی منع کروینا چاہیے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ بدل جائیں گے وہ تو شکر ہے کہ اللہ نے میری بہن کے سامنے مجھے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔ آپ کی وہی معصوم بہن صرف اپنی بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتی ہیں زاویان کے لیے ہما کے لیے انہوں نے صاف منع کر دیا ہے۔ آج کل سب صرف اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچتے ہیں میری بچی کو رشتوں کی کمی نہیں پھر بھی آپ کی وجہ سے میں نے بات کی وہ کیا سوچتی ہوں گی کہ ان کی بیٹی کے رشتے نہیں آ رہے۔ اس دن اتنا اچھا رشتہ آیا تھا مگر آپ کی وجہ سے منع کر دیا۔“ وہ غصے میں بھری بیٹھی تھیں آج انہیں آئینہ دکھانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا صرف ان کی وجہ سے انہوں نے اپنے معصوم بیٹے کا دل توڑا تھا کیا وہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ پر بڑے کو چاہتا ہے۔

”میں خود بات کروں گا آپا سے۔“ ٹھیکل تو فوراً ہی آپا سے لڑنے کو تیار بیٹھے تھے۔

”رہنے دیں اب ہماری بچی کو رشتوں کی کمی نہیں جو بار بار اپنی بے عزتی کرواؤں۔ میں زاویان کے لیے منع کرتی ہوں۔“ فریدہ نے ان کو دونوں منع کر دیا تھا بات ان کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی۔ سوچ چپ بیٹھے زندگی میں پہلی بار ان کی لاڈلی بہن نے انہیں یوں مایوس کیا تھا۔



بہت سارے دن یونہی گزر گئے تھے ہما کا رشتہ وہیں



مشتی ہے حب

صحافت و ادب

میرے لفظوں پہ حاوی ہے تمہارے ہجر کا موسم
میری غزلیں، میری نظمیں میرے اشعار روتے ہیں
دسمبر کی حسین شامیں زمین پر جب اترتی ہیں
میرے چھوٹے سے کمرے میں تیرے اقرار روتے ہیں

”ٹوس!“ جوزفینا نے خدا لور لچے میں اُسے پکارا۔
”میں سوئٹ پارٹ۔“ ٹوس نے اُس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے کہا تو اُس نے اُس کے نزدیک ہوتے ہوئے اپنا
سر اُس کے سینے پہ رکھ دیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب
اُسے ٹوس پہ زیادہ پیارا آتا تھا وہ ایسے ہی کرتی تھی یہ اس کے
اظہار کا ایک طریقہ تھا۔ ٹوس نے مسکراتے ہوئے اپنے
دونوں بازو اُس کے گرد لپیٹ کے اُسے خود میں سمولیا۔
☆ ☆ ☆
وہ بارہ سال کا تھا جب اُس کی خالہ عزیملا اور خالو رکارڈو
اپنی چار سالہ بیٹی کے ہمراہ ڈنمارک سے میکسیکو آئے تھے وہ
مراٹلان کے سمندر کی سیر کرنا چاہتے تھے جس کے لیے انہیں
ال لاسپینا زوئیل ڈیابلو پہاڑ جسے شیطان کی ریڑھ کی ہڈی بھی
کہا جاتا ہے جو میکسیکو میں ڈورینگو کے پاس ہے وہ کراس
کر کے جانا پڑتا تھا یہ ایک پانچ گھنٹے کا کراس ہے جو ڈورینگو اور
مراٹلان کو منسلک کرنے کی سڑک ہے، جب وہ جانے لگے تو
اُس کے دل میں نہانے کیا آیا کراس نے اپنی خالہ کا ہاتھ پکڑ لیا
اور اُن کی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
”پیاری خالہ! آپ اور خالو مراٹلان سے ہوا نہیں لیکن

نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سید زور، سید سخت، سید کار ہول میں
آج جوزفینا رکارڈو کی اٹھارویں سال گرہ تھی، جوزفینا
رکارڈو بہت خوش تھی ایک تو ٹوس رو رہا تھا آج سارا دن اُس
کے ساتھ تھا اور اب وہ اُس کی رات خوب صورت بنانے کے
لیے اُس کی پسندیدہ جگہ منڈالا سچ کلب لے آیا تھا یہ کلب
میکسیکو کے خوب صورت کلبز میں سے ایک تھا دنیا بھر سے لوگ
یہاں وزٹ کے لیے آتے تھے، اس نے ٹوس کے ساتھ کچھ
دیر سوئنگ کی اور پھر دونوں سمندر سے نکل آئے اور کیلی ریت
پہ چلتے ہوئے سچ چیز کے قریب آئے اور دونوں چیز زہ نیم
دراز ہو گئے۔ منڈالا سچ کلب رنگ برنگی روشیوں میں نہایا ہوا
تھا کلب میں موجود سارے لوگ اس مدھوش کر دینے والے
ماحول میں مدھوش ہو رہے تھے ویڑ ٹرے میں رنگ برنگے
مشروب گلاس میں لیے اُن کے قریب آیا۔
”کیا آپ واٹن لینا پسند کریں گے؟“ دونوں نے اپنے
اپنے پسندیدہ مشروب کے گلاس اٹھا لیے اور کھونٹ کھونٹ
اپنے اندر اتارنے لگے، کچھ دیر بعد اُس نے ویڑ کو اشارہ کیا
جس نے اُن سے خالی گلاس لے لیے۔

تھیں جب ہی تم وہاں سے اچانک چلی آئی تھیں جس دن
سے تم نے ڈانٹنگ شروع کی شک تو مجھے اسی دن ہو گیا
تھا۔ میری بچی میں مجبور تھی تمہارے خالو کی وجہ سے میں
نے وہ سب جھوٹ صرف زاویان کو اس رشتے سے منع
کرنے کے لیے کہا تھا خدا گواہ ہے تم میں اور ہا میں میں
نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔ تم کل بھی اچھی تھیں، تمہیں
بدلنے کی ضرورت نہیں تھی مجھے معاف کر دو۔“ وہ بنا سچ
جانے خالہ سے بدظن ہو گئی تھی جبکہ خالہ مجبور تھیں وہ
ندامت سے سر جھکا گئی تھی کہ اس نے اپنی پیاری سی خالہ
کو غلط سمجھا۔
اماں فریدہ کی زبانی پہلے ہی سب جان گئی تھیں وہ شرما
کے کمرے میں چلی گئی تھی سب خوش تھے اور شاید وہ بھی۔
”میں تو سمجھا تھا تم میرے پیار میں پاگل ہو گئی
ہیں جب ہی خوب دبلا ہونے کی کوششیں کی جارہی
ہیں۔ سنوٹم سے میں نے کب کہا کہ تم موٹی ہو۔“ زاویان
اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔
”آپ..... وہ ایسی کوئی بات نہیں۔“ رشتہ کی نوعیت
کیا بدلی وہ فوراً نوڈب بن گئی تھی۔
”آہم آہم..... ابھی سے آپ جناب شروع بھی
اس کا مطلب ادھر سے بھی ہاں ہے۔“ زاویان ہلکھلا
کے ہنسا تو وہ نظریں جھکا گئی تھی۔
سال کا یہ آخر دن اس کے لیے یادگار ہو چلا تھا۔
سانحوں سے گھرے اس ملک کے باسیوں میں کم از کم
پرینے کی زندگی میں سال کا یہ آخری دن اسے موسم
گلاب سوچ گیا تھا جس کی تازگی کو اسے اپنی محبت و صبر
سے تا عمر بھر رارکھنا تھا۔



طے پا گیا تھا جو لوگ اس دن اسے دیکھتے آئے تھے۔ خالہ
رسم بھی کرتی تھیں اماں اور بااگے تھے وہ خالہ کے گھر ہی
رک گئی تھی۔ آج ہی لوٹی تھی وہ روٹی پکا رہی تھی جب ہی
اچانک سے ہانے آ کے اس کی کمر پر جمو کا ہڑا۔
”او میڈم آج سال کا آخری دن ہے یونی ماسی
بنی گھومتی رہو گی کیا؟“ وہ ییلن اٹھا کے اس کی طرف
گھومی تھی اسے افسوس تھا کہ اس زلزلے کے بعد بھی
لوگ نئے سال کی خوشیاں منانے کو تیار تھے وہ بھی اس
کی انی عزیز کرن۔
”پاگل ہو گئی ہو کیا؟ ابھی ملک اتنے بڑے سامنے سے
گزرا ہے ابھی تو ملک زلزلے کے صدمے سے نہیں
نکلا۔ متاثرین بحال نہیں ہوئے اور تم کو نیوا ایر کی پڑی
ہے۔“ پرینے کو غصہ آ گیا تھا۔
”بالکل سچ کہہ رہی ہے پری! تم بھی سدھرنا مت۔
پری کو دیکھو کتنی اچھی ہو گئی ہے ابھی دوسروں کا بھی سوچ
لیا کرو۔“ زاویان اچانک نمودار ہوا تھا پرینے نے بڑی
مشکل سے اس کی لودیتی نظروں سے نظریں چرائی تھیں۔
”اچھا بابا سوری!“ ہانے بھی ہار مان لی تھی۔
”اچھا سوری! یک گئی تو چلو امی بلارہی ہیں تمہیں۔“ ہا
کو اچانک دیا آیا تو واپس مڑی تھی پرینے جلدی سے
روٹی پکا کے ہاٹ پاٹ میں رکھ کے باہر آ گئی۔ اس نے
خالہ کو سلام کیا۔
”علیکم السلام میری بچی! جیتی رہو۔“ خالہ نے اسے
والہانہ پیار کر کے خود سے لپٹا لیا وہ حیران تھی ہانے
شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔ خالہ نے اپنے پرپس سے
آنکھوں کی نکال کے اس کے نازک ہاتھوں میں پہنائی تھی وہ
منہ کھولے ہکا بکا بیٹھی رہ گئی تھی اس اچانک کا پلاٹ پر۔
”منہ تو بند کر لو بھالی صاحبہ!“ ہانے آگے بڑھ کے
اسے گلے لگا لیا زاویان کھڑا شریر نظروں سے اسے گھور رہا
تھا اماں الگ بیٹی کے صدمے واری تھیں۔
”میں جانتی ہوں تم حیران ہو بیٹا اور میں یہ بھی جانتی
ہوں کہ اس دن تم نے میری اور زاویان کی باتیں سن لی

یہ ڈول میرے پاس رہنے دیں میں اس کے ساتھ کھیلوں گا اور اسے روئے جی نہیں دوں گا۔ تو عز ایلا کو بھی اس کی بات پسند آئی تھی کس طرح وہ زیادہ بہتر انجوائے کر سکیں گے سو وہ اپنی بیٹی کو ان کے پاس چھوڑ کے روانہ ہو گئے اور سفر کے دوران ان کی کار حادثے کا شکار ہو گئی الیہ پناز ڈویل ڈیابلو کے پہاڑ نے ان کو لنگھ لیا تھا۔ لیکن وہ اپنی بیٹی کی بات پوری کر رہا تھا، اس کے ماں باپ نے اسے بھی اس کے اسکول داخل کروا دیا وہ اس کے ساتھ کھیلا اور اس کا ایسے خیال رکھتا جیسے ایک ماں اپنے بچے کا کرتی ہے وہ اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کرتا چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اس کی غلط باتیں بھی سامنے پر وہ اپنے ماں باپ سے بہت دفعہ ڈانٹ کھا چکا تھا لیکن وہ سنا اتنا کہتا۔

”سوری مام اینڈ ڈیل! اس میں میری جان ہے میں اسے کبھی ناراض نہیں کر سکتا میں اس کی ہر خواہش پوری کروں گا چاہے اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے مجھے اپنی جان ہی کیوں نا دینی پڑے۔“ دے تو اس کے ماں باپ اور دونوں بہنیں و نوریہ اور غالیہ بھی اس سے بہت پیار کرتی تھیں لیکن ان کا پیار ٹومس روبرٹ کے پیار کے آگے کچھ بھی نہیں تھا، اور جوزفینا رسکارڈو کو اس کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ وہ اس کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتی تھی وہ اس سے دس سال بڑا تھا لیکن وہ اس کا بہترین دوست تھا جو اس کی ہر بات فوراً مان لیتا تھا۔ اس کی آنکھ میں ایک آنسو تک نہیں آنے دیتا تھا سال گزرتے گئے اور ان کا پیار بھی دن بدن بڑھ گیا۔ وہ اٹھائیس سال کا ہو گیا تھا اور اسے اپنی پرنسپل لائف شروع کیے چار سال ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

بنت حوا نے کھول رکھے ہیں بازار گناہ
انن آدم ہے خریدار خدا خیر کرے
دو پہر کے تین بجے کا وقت تھا کہ ایک لڑکی بلیک عبلیا پہنے ایک ہاتھ سے اسراف کے پلو کو پکڑ کے چہرے کو ڈھانپنے دوسرے ہاتھ میں ہینڈ بیگ تھامے یونیورسٹی کے گیٹ سے باہر نکلتی تو ایک بلیو کمر کی کار اس کے پاس آؤکی اور وہ فریٹ ڈور اوپن کر کے بیٹھ گئی تو کار دو بار مرکز پر فرمائے بھرنے لگی اس نے چہرے سے نقاب ہٹایا اس نے لکھ بھر کے لیے اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ نظریں مرکز پر مرکوز کر دیں اور بولا۔

”تم واقعی ہی خوب صورت ہو یا میری نظر کا قصور ہے؟“
”جناب! آپ کی نظر کا قصور نہیں میں ہوں ہی خوب صورت۔“ ایک ادا سے کہا گیا تھا تو وہ مسکرا کے بولا۔

”اچھا جی۔“ اور کار کا رخ دائیں سائینڈ پر نظر آتی سنسٹان گلی کی طرف موڑ دیا اور کچھ آگے جا کے اس نے بریک لگا لی اور کار کا انجن بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا، اس نے اس کی گود میں رکھے ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”اب ادھر تو کوئی نہیں دیکھ رہا یا میری جان۔“ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کے اپنے آپ میں کھنکھی۔
”اچھا! مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا۔“

”یار! اس میں غلطی کیا ہے جس ایک کس ہی تو کرنی ہے ویسے تم جتنی ہو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور یہ کسی محبت ہے کہ تم میری ایک چھوٹی سی خواہش نہیں پوری کر سکتی؟“ وہ اسے لفظوں کے جال میں لپیٹ رہا تھا اور وہ لپٹ رہی تھی۔

”میری محبت یہ شگ نہ کر دو محبت ہے تو تمہاری بات مان کے تمہارے ساتھ آئی ہوں نا۔“

”اگر آئی ہو تو پھر میری بات سامنے میں کیا حرج ہے میری جان؟“ اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے لبوں سے چھوا اور دھیرے سے اسے اپنے قریب کر لیا، وہ شیطان کے بہکا دے میں آگئے تھے اور شیطاں اپنی کامیابی پر خوشی سے جھوم رہا تھا یا گلوں کی طرح تھپتھپ رہا تھا، ہمارے نبی ﷺ نے پہلے ہی ہمیں بتا دیا تھا کہ کوئی ناخمر مرد عورت آپس میں تنہائی میں نا ملا کر س کیونکہ ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے لیکن وہ اپنے نبی ﷺ کی بات نہ مان کے اپنے لیے دنیا اور آخرت کی تباہی خرید رہے تھے۔

☆☆☆☆

تو تم اس دن کے منتظر رہو
جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا
جوزفینا رسکارڈو اپنی دوست مریم کے ساتھ کوکو پوٹو شاپنگ کے لیے آئی تھی، شاپنگ کرنے کے بعد وہ میکسیکو کے سہانے موسم کو انجوائے کرنے کے لیے ہیدل مارچ کرنے لگیں کس کی نظریں سامنے اسپائیڈر مین کے مجسمے کے پاس کھڑے تین مشرقی لڑکوں پر پڑی تو اس کے اٹھتے قدم یک دم ہی ڈک گئے وہ بس درمیان والے کو دیکھتی رہ گئی اور ایک عجیب سے

احساس نے اسے گھیرنا شروع کر دیا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے وہ ان دونوں لڑکوں سے منفرد تھا بلکہ اس وقت کوکو پوٹو میں موجود سب لوگوں سے۔ وہ بلیک شلوار قمیص میں بیویس دائیں کندھے پر کالی چادر ڈالے ہوئے اور کالی ہی مونچھوں کے نیچے مسکراتے لب بلاشبہ وہ دوسروں کو چھوٹا ماز کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا تھا وہ سب لوگوں کی توجہ کا مرکز بننا ہوتا تھا لیکن اسے چھوٹا ماز نہ تو اس کی خوب صورت کر رہی تھی نہ ہی خالص مشرٹی اسٹائل۔ یہ کچھ اور تھا ایسے جیسے وہ اس کے جسم کا حصہ ہو اور وہ ایک جادوئی شش کی طرح اسے اپنے پاس کھینچ رہا ہو جیسے ایک مقناطیس دوسرے مقناطیس کو کھینچتا ہے اس کے قدم اس کی طرف اٹھنے لگے اسے نہ تو مریم کی آواز سنائی دے رہی تھی اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی دکھائی دے رہا تھا جب وہ اس کے بالکل سامنے جا کر ٹہری ہوئی تب اس نے اس کی طرف دیکھا تھا ڈارک براؤن آنکھوں کا وہ اس کی طرف دیکھنا اس کے دل و دماغ میں ہچکل مچا گیا تھا اور اس کے دماغ میں ایک جھماکا ہوا تھا اسے یاد آ گیا تھا۔

”آپ وہ ہی ہوتا؟“ اس نے گم سم انداز میں کنفرم کرنے کے لیے پوچھا تھا اسے سوال کے جواب میں اسے اس کے ساتھ کھڑے دونوں لڑکوں کا تھپتھپ سنا دیا تھا جبکہ اس لڑکے نے اپنے تھپتھپ کو کنٹرول کر لیا تھا لیکن وہ اپنی مسکراہٹ کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔

”وہ کون میڈم؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔
”وہ ہی جو پچھلے تھے مجھ سے ملتا تھا۔“
”لیکن کہاں میڈم؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔
”خواب میں۔“ اس کے جواب نے اسے بھی تھپتھپ لگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”جوزفینا! تم باگل ہو گئی ہو کیا پوٹو فو والی حرکتیں کر رہی ہو؟“ مریم نے اسے بازو سے پکڑ کے اپنی طرف گھماتے ہوئے کہا تو اس نے بازو چھڑواتے ہوئے کہا۔

”مریم! میں غداق نہیں کر رہی میں نے خواب میں دیکھا تھا میں راستہ بھول جاتی ہوں تب میں گلیوں میں بھٹک رہی ہوں میں پکارتی ہوں کوئی ہے کوئی ہے تب مجھے اپنے پیچھے سے آواز سنائی دیتی ہے میں دیکھتی ہوں تو آپ کھڑے ہوتے ہو آپ کہتے ہو اس سے پہلے آسمان سے ڈھان آئے اور ہمیں

تباہ و برباد کر دے تم سیدھے راستے کو ڈھونڈ لو میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ ڈھان کیا ہے؟ اور مجھے کیوں تباہ و برباد کرے گا اور سیدھا راستہ کون سا ہے لیکن آپ ادھر سے چلے جاتے ہو میں آوازیں بھی دیتی ہوں میں آپ کے پیچھے چلی جاتی ہوں لیکن آپ میری آواز ہی نہیں سنتے۔ میں بھاگ بھاگ کے تھک کے گر جاتی ہوں۔“ اس نے جلدی سے اسے بتایا اور ان تینوں کے تھپتھپ بیک وقت تھے تھے اور وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆

میرا بھیا میری جان ہے
میری بہنا میرا مان ہے
”امی! ریاچ سے میرا ایک تیار کروا دیجیے گا میں کل پندرہ دنوں کے لیے دیوتوں کے ساتھ سیر کے لیے میکسیکو جا رہا ہوں بابا جان سے میں نے اجازت لے لی ہے۔“ اس نے صحن میں صوفہ پر بیٹھی عائشہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا جو عصر کی نماز کے بعد قیام پڑھنے میں مصروف تھیں۔

”اچھا نماز پڑھ کے آئی ہے تو کبھی ہوں تم مجھے یہ بتاؤ میکسیکو کہاں ہے؟“
”امی یہ شمال امریکا کا ایک شہر ہے۔“ اس نے عائشہ کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔

”تو بیٹا! پھر دفع کر دے حیاؤں میں جا کر کیا کرنا ہے۔“
”امی جان! اب بے حیاؤں کے لیے ہم قدرت کے نظارے دیکھنا چھوڑ دیں؟ یقیناً مانیں کیا شہر ہے میں نے انٹرنیٹ پر تصویریں دیکھیں تھیں چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھر اہوا اور بہت خوب صورت ہے۔“ ریاچ اس کے میکسیکو جانے کی بات سن کر اداس ہو جاتی ہے۔

”جب تمہاری بھالی آئی کے نا تو پھر سب چلیں گے پھر تم اپنی بھالی کے ساتھ خوب انجوائے کرنا۔“ اس نے اس کی ناک دباتے ہوئے کہا۔
”مطلب آپ شادی کے لیے مان گئے؟“ وہ سب بھول بھال کے خوشی سے چبکی تھی۔

”ہاں نا ای لیے تو بابا جان نے اجازت دی ہے جانے کی۔“ وہ اس کے ساتھ لپٹ گئی۔
”بھیا! آپ بہت اچھے ہو آج آپ کی ہر بات مان لوں گی وہ بھی بنا رشوت کے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے شرارتی

مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی وہ بھی مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیا۔
☆☆☆☆

نقد کرنے میں آپ سے طویا
خوش نصیب تھے ہم؟
یادہ مل تھا حسین؟

وہ تینوں دوست ہوٹل کا نئون نیوٹر میں ٹھہرے تھے جو کوکو بگو سے تین سو میٹر کے فاصلے پر تھا وہ رات کے دس بجے پہنچے تھے سو وہ اگلا دن سوتے رہے اور پھر چار بجے وہ کھانا کھانے کے بعد ہوٹل سے نکلے اور ٹیکسی لے گئے کوکو بگو پہنچے انہوں نے منڈالا ایج کلب کی رات کی فٹس پک کروائی تھیں جس کی ٹائمنگ شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک تھی۔
”لگتا ہے چوہدری صاحب کی پرستش ہی اس لڑکی کو پہونچانا کر دیا ہے نہ دیکھو کیسے کچھ جاری ہے۔“ عمیر نے کہا تو علی بھی اس کی نظروں کی سمت دیکھنے لگا۔
”تو دیکھنے دو مجھے کیا۔“ اس نے کہا لیکن جب وہ ان کی جانب آنے لگی تو علی بولا۔
”یار! وہ ایسے نہیں دیکھ کے تمہاری طرف آ رہی ہے جیسے پچھلے جنم میں تم اس سے مل چکے ہو۔“ وہ تینوں ہنسنے لگے لیکن اس کا خواب سن کے اسے لگا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے کیونکہ اس کا اپنا نام ڈخان تھا۔

”کل میں جا رہے آپ کا انتظار کروں گا اور پھر مطلب بتا دوں گا ابھی میں گلاب جا رہا ہوں۔“ اور جو زفینا رسکار ڈوب تک اسے مزے دے دیتی رہی جب تک وہ منڈالا ایج کلب میں داخل نہیں ہو گئے۔
☆☆☆☆

ٹومس روہرو آفس کے کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے دوسرے شہر گیا ہوا تھا جب واپس آیا تو اسٹر وگری کو پریشان پایا۔
”کیا ہوا ہے مام آپ پریشان کیوں ہیں؟“
”آج کل جو زفینا بہت عجیب برتاؤ کر رہی ہے۔ تمہارے جانے کے اگلے دن رات کو میں نے اس کے کمرے سے چیخ کی آواز سنی تھی تو میں اور روہرو اس کے کمرے کی طرف بھاگے تھے جب اسے دیکھا تو وہ بیسنے میں شرابوہری اور کانپ رہی تھی اور یہی بولتی جا رہی تھی مجھے بتاؤ

ڈخان کیا ہے؟ یہ مجھے کیوں تباہ و برباد کرے گا؟ ہم سے تو سنبھالی ہی نہیں جا رہی تھی پھر میں نے اسے تیندی کوئی دسے کے سٹلا دیا اور پھر اگلے دن بھی اس نے اٹھتے ہی پوچھا تھا کہ کوئی اس سے ملنے تو نہیں آیا تھا میں نے پوچھا جس نے آنا تھا تو کہتی وہ ہی جورات کو آیا تھا میں نے اسے سمجھایا بھی کہ وہ خواب تھا لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہیں اٹھتے ہی اس کا پوچھتی ہے، اب تم آگئے ہو تو تم اسے سنبھال لو گے، ناشہ کرلو اور آج جو زفینا کے ساتھ وقت گزراؤ میں اس کے لیے نکلتی ہوں۔“ اسٹر وگری نے اٹھتے ہوئے کہا۔
”ٹھیک ہے آپ جائیں میں دیکھتا ہوں اس کو۔“ اس نے بھی اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔
”کیسی ہے میری باری ڈول؟“ اس نے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا اور اسے لیے کمرے میں آ گیا۔
”میں ٹھیک ہوں، ٹومس میں نے تمہیں بہت زیادہ مس کیا۔“
”میں نے بھی بہت مس کیا اپنی جان کو۔“ اس نے اس کے ساتھ بیٹھ بیٹھتے ہوئے کہا۔
”اس لیے میں نے سوچا ہے کہ آج کا دن ہم دونوں بار میں گزاریں گے اپنے دوستوں کے ساتھ ڈانس پارٹی انجوائے کریں گے۔“
”تمہیں آج نہیں۔“ اس نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔
”کیوں آج کہیں جانا ہے تم نے؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔
”ہاں آج مجھے اس سے ملنے جانا ہے جو اس دن مجھے خواب میں ملا تھا۔“

”میں نہیں جانتا کہ تم مسلمان لوگوں سے ملو، وہ جادوگر ہیں دوسروں پر جادو کر کے اپنے مذہب میں داخل کر لیتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچے ہیں میں برداشت نہیں کر سکتا۔“
”لیکن ٹومس میں صرف اس سے پوچھنا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کہا تھا۔“ اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”میں نے کہہ دیا تھا کہ تم اس سے ملنے نہیں جاؤ گی اگر تم گئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا تم نے ابھی تک میرا پیار دیکھا غصہ نہیں اور وہ خواب تھا خواب کو حقیقت کا رنگ نہ دو۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا اور وہ بے یقینی سے اس

کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ ابھی اس نے باہر جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ جو زفینا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اٹھ کے اس کے سامنے کھڑی ہوئی۔
”پلیز ٹومس مجھے نہ روکو مجھے جانے دو میں مان لیتی ہوں کہ وہ خواب تھا لیکن اس خواب نے مجھے اپنے حرم میں لے رکھا ہے میں رات کو سوئیں پاتی مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا اور کل میں نے اس کو دیکھا اور مجھے ایسا لگا میں اس کے وجود کا ایک حصہ ہوں میں ایک انجانی کشش کے باعث اس کی جانب چلتی چلی گئی۔“

”تم نے آج تک میری ہر چھوٹی سے چھوٹی بات مانی ہے ٹومس تو پھر آج جب میری زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے تو آج کیوں آنکھیں پھیر رہے ہو؟“ اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹومس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے وہ نرم پڑ گیا۔
”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ اگر میں نے آج تمہیں جانے دیا تو تمہیں کھودوں گا چودہ سال سے اپنی سانسوں کی طرح تمہیں جی رہا ہوں میں، بتاؤ تمہیں کھونے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں؟“ بی بی کی آخری حد پہ پہنچتے ہوئے وہ بولا۔ اس نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ ”جاؤ تم چلی جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گا تمہاری زندگی سے زیادہ مجھے کچھ عزیز نہیں۔“ اس نے بے چارگی سے کہا اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک کے جو زفینا کے سنہری بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔
☆☆☆☆

”ہے قول خدا، قول محمدؐ، فرمان نہ بدلا جائے گا بدلے گا زمانہ لاکھ مگر، قرآن نہ بدلا جائے گا سامنے سائل سمندر تھا جس کے ساتھ رہے ٹورنٹ بنا ہوا تھا وہ دونوں بھی رہے ٹورنٹ میں ایک ٹھیل کے گرد آنے سامنے بیٹھ گئے۔
”میڈم! آپ کا مذہب کیا ہے؟“ اس نے بات کا آغاز کیا۔
”عیسائیت۔“ اس نے جواب دیا۔
”تو آپ اس خواب کو اتنا خوب سے سواریوں کر رہی ہیں آخر آپ کیوں مطلب جاننا چاہتی ہیں؟“
”مجھے نہیں پتہ کیوں اس خواب نے مجھے اپنے حرم میں

لے رکھا ہے اور مجھے یقین تھا کہ آپ آؤ گے اور آپ مجھے بتاؤ گے کہ آخر ڈخان کیا ہے اور یہ کیوں مجھے تباہ و برباد کرے گا اور کون سا سیدھا راستہ ہے جس کو ڈھونڈنے کے لیے آپ نے مجھے کہا۔“ اس نے قصیداً پوچھا۔ جب ہی ویٹر جوں اور کافی لے آیا تھا اس نے کافی کا گمگ تھا ہا اور وہ جوں میں پائپ ہلاتے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی اس نے کافی کا سپ لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”ڈخان کا مطلب ہے دھواں (سوک) یہ ہماری مقدس کتاب قرآن پاک کی ایک سورۃ کا نام ہے لہذا ڈخان اور یہ لفظ اس کی دسویں آیت میں آیا ہے جس کا ترجمہ ہے تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک واضح دھواں لائے گا، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور یہ دھواں مسکن کے لیے صرف ایک طرح کا زکام پیدا کر دے گا اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر ماسم سے نکلے لگے گا اور آپ کو اس لیے تباہ و برباد کرے گا کیوں کہ آپ یہ غلط راستہ یہ چل رہی ہو سیدھا راستہ اسلام ہے۔“ وہ زکام اور کافی پینے لگا۔ وہ جو اس کا ایک ایک لفظ بہت دھیان سے سن رہی تھی اور اس کا ایک ایک لفظ اس کے اندر سکون پیدا کر رہا تھا۔ اس کے چپ ہو جانے سے ایک دم چوگی۔
”یہ آپ کے خواب کا مطلب تھا جو میں نے بتا دیا فارمور انفارمیشن آپ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ سکتی ہیں خاص طور پر اس سورۃ کا۔“

”آپ کے خیال میں مجھے یہ خواب کیوں آیا؟“
”میرے خیال میں اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک موقع دے رہے ہیں کہ آپ صحیح راستے کو تلاش کر لو اس سے پہلے کہ قیامت آئے اور کافر لوگ پچھتاویں۔“
”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام سیدھا راستہ ہے؟ ہر انسان اپنے مذہب کو ہی سچا بولے گا۔“
”میڈم! میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور رہی بات اسلام کی تو صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے آپ جہاں سے بھی قرآن پاک جب پڑھو گی انٹرنیٹ سے پڑھو گی یا دنیا کے کسی بھی کونے سے تو اسے لفظ بہ لفظ سچا پاؤ گی اس کے علاوہ تورات، زبور یا انجیل کسی بھی کتاب کو لے لو یہ ہر انسان کے پاس مختلف ہوگی۔ آپ خود اس سچ کر جو ٹھیک لگے اس راستہ کو اپنا لینا اب مجھے اجازت دیجیے میڈم۔“

”شکر ہے آپ میرے لیے آئے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ چلنے لگی وہ بس مسکرا دیا۔ ”آپ وزٹ کے لیے آئے ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔
 ”جی ہاں میں پہاڑوں اور سمندروں کا دیوانہ ہوں۔“
 ”کب تک ہیں یہاں؟“
 ”دن تک۔“ اس نے کار کے پاس پہنچ کے کہا۔
 ”آئیے میں آپ کو چھوڑ دوں۔“
 ”نہیں میڈم! میں چلا جاؤں گا۔“ اس نے انکار کرتے ہوئے ایک ٹکسی کو روکا تو اس نے بھی گھر کی راہ لی۔

.....☆☆☆.....
 وہ گھر آتے ہی ٹوکس کے کمرے میں گئی تھی وہ آنکھوں پہ بازو رکھ کر لیٹا ہوا تھا۔
 ”آجا جوفینا کیا تم اس سے مل آئی ہو؟“ اس کی آواز سن کے وہ آگے بڑھ آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی وہ بھی اٹھ بیٹھا تھا۔

”تھیک ٹوٹس! تم بہت اچھے ہو، اگر میں گھر میں کسی اور سے کہتی تو وہ مجھے کبھی جانے نہ دیتے، اس کے کفٹوں میں ایک سحر تھا جب تک وہ بولتا رہا میں اس کے سحر میں کھوئی رہی تھی مجھے یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی اور مذہب کو ماننے والا ہے بس مجھے ایسا لگا کہ وہ میرا خیر خواہ ہے اسے گاؤنے میرے لیے بھیجا ہے۔“ وہ ابھی بھی اس کے سحر سے نہیں نکل پائی تھی ٹوکس نے بغور اسے دیکھا تھا اس کے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تھے ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا انسان آ گیا تھا، جس محبت کی ڈوری میں وہ چودہ سالوں سے بندھے ہوئے تھے آج وہ ڈوری ٹوٹ گئی تھی۔

”اب تو میری گڑیا خوش ہے نا؟“ اس نے اپنی تکلیف چھپاتے ہوئے مسکرا کے پوچھا۔
 ”بہت زیادہ ٹوکس! میں فرآن کو پڑھنا چاہتی ہوں۔“
 ”اب یہ کیا ذرا رہے؟“

”پلیز ٹوکس! میں اٹھارہ سال کی ہو چکی ہوں۔ میں اپنی چو اس سے کوئی بھی مذہب چوڑ کر سکتی ہوں۔ میں کسی کے دباؤ میں آ کے نہیں کچھ کر رہی نا ہی ایسا ہے کہ مجھے اس شخص سے محبت ہو گئی ہے یہ کچھ اور ہے جو مجھے اپنے سحر میں جکڑ رہا ہے اس لیے میں تفصیل سے جانا چاہتی ہوں کہ آخر یہ کیا ہے جو مجھے سکون نہیں لینے دے رہا، ڈخان کیا ہے یہ تو پہچان گیا ہے

اب اس نام کا ٹیک میں پورا پڑھنا چاہتی ہوں، ٹوکس اگر کسی نے مجھ پہ حتیٰ کی ٹوکس خود کو نقصان پہنچاؤں گی اس لیے بہتر ہے کہ میں جو کرنا چاہتی ہوں مجھے کرنے دیا جائے اور مجھے یہ ہے تم کھر والوں کو سنجال لو گے۔“ اس نے آنکھوں میں یقین لیے اسے کہا تھا تو ٹوکس کا سر خود بہ خود اثبات میں مل گیا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود بھی اسے کچھ دیر اپنے پاس رکھنے کا نہ کہہ سکا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

.....☆☆☆.....
 کس کی ہیبت سے ضم سبے ہوئے رہتے تھے؟ منہ کے بل گر کر حوالہ حواحد کہتے تھے اس نے پاپ کارن کا بادل اور مشروب کا گلاس بیڈ کے سائڈ ٹیبل پہ رکھا اور لیپ ٹاپ اپنے سامنے بیڈ پہ رکھ کے بیٹھ گئی اس نے لیپ ٹاپ آن کر کے سورۃ ڈخان ان انگلش ٹرانسلیشن سرچ کیا اور پڑھنے لگی۔

”اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا، ہم، تم اس روشن کتاب کی“ اس کا مشروب کو منہ تک لے جاتا تھا اُدھر ہی رُک گیا تھا اس نے واپس ٹیبل پہ رکھ دیا۔ ”بے شک ہم نے اسے برکت والی رات میں اُتار دیا ہے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں، اس میں بائٹ دیا جاتا ہے ہر حرکت والا کام، ہمارے پاس کے حکم سے بے شک ہم بھیجے والے ہیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت بے شک وہی سُنا جاتا ہے، وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تمہیں یقین ہو، اس کے واسطے کی بندگی نہیں وہ جلانے اور مارے تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب۔“ ایک خوف اور کچکی اس پہ طاری ہو چکی تھی اس کے باوجود ایک سحر نے اسے لپیٹ میں لے لیا تھا اس نے پڑھنا جاری رکھا۔ ”بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر ڈھواں لائے گا اور لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ ہے درد ناک عذاب۔“ اس پہ وحشت سی طاری ہونے لگی ایسے جیسے ابھی آسمان سے ڈھواں آنے کا اور اسے محسوس کر دے گا اس نے جلدی سے اٹھ کے اپنے کمرے کی کھڑکیاں بند کی اور بیڈ پہ بیٹھ کے لمبے لمبے سانس لینے لگی اور مشروب کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھا لیا تھا اور ایسے پیچھے کھینچا جیسے گلاس میں مشروب کی جگہ کوئی زہریلی چیز ہو وہ اُٹھی اور روم فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور منہ سے

لگالی اس نے خود کو ریلکس کیا اور پھر پڑھنے لگی۔

”اس دن ہمیں گے اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب کھول دے ہم ایمان لاتے ہیں۔“ وہ پڑھتی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے گئے۔ ”تو تم انتظار کرو وہ بھی کسی انتظار میں ہیں۔“ آخری لائن پڑھ کے اس نے اپنے آنسو صاف کیے تھے اسے سیدھا راستہ مل گیا تھا اس نے بہ خودی کے عالم میں اللہ کو نکارا تھا کیا عجیب سا سکون اُسے ملا تھا۔ ”اے اللہ مجھے سمجھا آجی ہے مجھے خواب میں اُس لڑکے کو دکھانا اور پھر اُس کا مجھے یہ الفاظ کہنا اور پھر اُس کا پاکستان سے میکسیکو آنا اور مجھ سے ملنا، آپ نے مجھ سے لیا ہے ہدایت کے لیے آپ نے مجھے اُن لوگوں سے نکال لیا ہے جن پہ تیرا عذاب نازل ہوگا اے میرے اللہ میں تجھ پہ ایمان لاتی ہوں میں تیری اس کتاب پہ ایمان لاتی ہوں، تو ایسا ہے تیرا کوئی شریک نہیں، بے شک میں کمر اہی کے راستے پہ چل رہی تھی میں گناہوں میں تھری ہوئی ہوں میرے سارے گناہ معاف کر دے۔“ وہ سسکتے ہوئے اللہ کو نکار رہی تھی اُس نے اُنھ کے کھڑکیاں کھولیں اب اُسے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا وہ مسکراتے ہوئے اندر کمرے میں ڈوبے آسان کو دیکھنے لگی جیسے اُسے یقین ہو کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

.....☆☆☆.....
 وہ یونیورسٹی کے لیے تیاری اور آئینہ میں بغور اپنے نظر آتے عکس کو دیکھنے لگی وائٹ پیٹ پیٹ فٹ فٹنگ کے ساتھ ڈارک بیو لائٹ شرٹ پہتے سفید جالی دار ڈوپٹہ گلے میں ڈالے کانوں میں بیو کلر کے ٹائپس اور ہاتھ پہ بیو بیو برسلٹ (جو احمر نے اُس دن کار میں اُسے گفٹ کیا تھا) آنکھوں میں کامل پکوں پہ مسکارا اور ہونٹوں پہ گلابی لپ اسٹک لگائے بلاغہ وہ بہت حسین لگ رہی تھی اس کے ذہن میں لاشعوری طور پہ اپنی چار سال پہلے کی لگ آئی تھی بڑی سی چادر میں لپٹی سادہ سی ایک لڑکی کی، اُس نے نفرت سے سر جھٹکا بھلا وہ بھی کوئی زندگی تھی اُسے اپنی اُس زندگی سے یہ دلی زندگی پسند تھی جو وہ انہوں کی آنکھوں میں وحول جھونک کے گزار رہی تھی آج اس کا یونیورسٹی میں آخری دن تھا کاش یہ لمحے ادھر ہی ٹھم جائیں، اس نے دل سے دعا کی تھی۔

”بہت خوب صورت لگ رہی ہو ہمیشہ کی طرح اس لیے اب آجاؤ احمر انتظار کر رہا ہوگا تمہارا۔“ زینب نے اُسے آئینے

کے سامنے کھڑا ہوا دیکھ کے کہا، تو وہ مسکراتے ہوئے اُس کے ساتھ چلی دی۔ وہ یونیورسٹی میں ابھی فرسٹ لان کے آگے سے گزری تھی کہ اُس کی کلاس فیلو زوبیہ نے اُسے پکارا تھا وہ اپنی فرینڈز سے بولی۔

”آپ لوگ جاؤ میں زوبیہ کی بات سن کے کینے میں آ جاؤں گی۔“ وہ لان میں رکھے پیچ پہ زوبیہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”میکسیکو ہی؟“
 ”میں ٹھیک ہوں، آج ہمارا لاسٹ ڈے ہے تو سوچا تم سے بات ہی کر لی جائے۔“ زوبیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں یار پتہ ہی نہیں چلا کیسے چار سال گزری گئے۔“ اُس نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا۔

”یاد ہے جب تم نے بلیک ڈریس پہ بلیک بڑی سی چادر لی ہوئی تھی تب تمہارے چہرے پہ نمازیوں کا سانو تھا ایک شش تھی لیکن جب کلاسز کے لیے تم فرسٹ ڈے آئی تو میں یقین ہی نہ کر پائی کہ یہ تم ہو تم نے غلط ٹریکیوں کی روش اختیار کر لی تھی اور آج تک تم اُسی روش پہ چل رہی ہو۔ تم اپنے والدین کو دھوکا دے رہی ہو۔ احمر ایک کرپٹ انسان ہے وہ اور بھی بہت سی لڑکیوں کو دھوکا دے چکا ہے وہ تم سے جھوٹے شادی کے وعدے کر رہا ہے وہ بھی تمہاری ماں باپ کو تمہارے گھر رشتہ لینے نہیں بھیجے گا۔ ابھی بھی وقت نہیں گزرا تم اللہ سے توبہ کر لو اور تم بھی اپنے والدین کی پسند پہ سر جھٹکا دینا احمر کا انتظار نہ کرنا ایسا کر کے تم اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکی۔“
 ”بکواس بند کر پونی میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا اور احمر ایسا نہیں ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تم سے ہمارا پیار برداشت نہیں ہوا اس لیے مجھے احمر کے خلاف کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔“ وہ غصے سے کہتی چلی گئی اور زوبیہ بس افسوس سے سر ہلا کر رہ گئی۔

.....☆☆☆.....
 آدھی رات تک وہ میکسیکو کی سڑکوں پہ آوارہ گردی کرتے رہے تھے اور اب پڑے سو رہے تھے سسکل ہوئی دستک سے آخر غلطی نے اُنھ کے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کے حیران ہوا۔
 ”کیا میں آپ کے دوست سے مل سکتی ہوں؟“
 ”یارا وہ تم سے ملنے آئی ہے باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔“

”کون؟“

”وہ ہی جس سے تم خواب میں ملے تھے۔“ علی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ بیٹھا۔ ہوٹل کے سامنے ایک لڑکی گھٹوں تک آبی دانت شرت ساتھ بلیوٹک ٹراؤزر پہنے اور گلے میں بلیو مفلر لینے کار کے ساتھ فیک لگائے کھڑی نجانے کن خیالوں میں گھوٹی تھی وہ اُسے اس طرح قل ڈریس میں دیکھ کے حیران ہوا تھا۔ جب ہی اس نے فرنٹ ڈور اوپن کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پہ جا بیٹھی اور کار اشارت کی کچھ پر بعد وہ بولی گئی۔

”میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔“ اُس نے چونک کے اُس کی طرف دیکھا۔ تو وہ اُس کے اس طرح دیکھنے پہ بولی۔ ”ہاں میں اللہ پر ایمان لاتی ہوں اس سے پہلے کے آسمان سے ڈخان آئے اور مجھے اپنی اپنی پلیٹ میں لے لے۔“ ”تم بہت خوش قسمت ہو۔“ وہ دھیرے سے بولا تو اُس نے سڑک کے ایک طرف گاڑی روکی اور اُس کی طرف دیکھ کے بولی۔

”ہاں میں خوش قسمت ہی تو ہوں کہ اللہ نے اتنے سارے لوگوں میں سے مجھے ہدایت کے لیے چنا ہے جب وہ مجھے اپنی طرف بلا رہا ہے تو میں کیوں نہ اُس کی طرف اپنے قدم بڑھاؤں؟ آپ کا خواب میں مجھے نظر آنا اور پھر آپ کا میکسیکو آنا اور مجھ سے ملنا اور مجھے میرے خواب کا مطلب بتانا، یہ سب ایک معجزہ ہی تو ہے۔“ پھر اُس نے آنکھوں میں آنسو لیے ڈخان کے ساتھ ساتھ کلمہ کے الفاظ دہرائے اور ایک گھنٹہ ڈخان کے ساتھ باتیں کی تھیں جس سے وہ اسلام کی بہت سی باتیں جان گئی تھیں۔ اُس نے ہوٹل کے گیٹ کے آگے کار روکی تو اُس کی طرف دیکھ کے بولی۔

”سوری سر! میں آپ کا نام ہی نہیں پوچھا ابھی تک۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام آپ جانتی ہیں میڈم! اس لیے میں نے آپ کو نہیں بتایا تھا۔“ اُس کو سوالیہ انداز میں اپنی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ڈخان یہ لفظ مجھے بھی نہیں بھولے گا۔“ ”اور میرا اسلامی نام؟ آپ مجھے بتاؤ اللہ کی کتاب میں سے کوئی نام۔“ اُس نے کچھ پالنے کی سرشاری سے کہا تھا۔ ”نامہ۔“ اُس نے اپنا پسندیدہ نام بتایا۔ ”یہ قرآن پاک کے پانچویں پارے کی سورۃ کا نام ہے اس کا مطلب ہے دی

نیل اسپرڈ۔“

”بہت اچھا نام ہے۔“ اُس نے کہا اور وہ اُس کی طرف دیکھ کے بولا۔

”لو کے نامہ میڈم! اب مجھے اجازت دیجیے۔“ تو اُس نے الوداعی مسکراہٹ اُس کی طرف اٹھائی اور اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی اور پھر روزانہ وہ دیکھنے ساتھ گوارنے لگے وہ اپنا اسلام کے بارے میں مانج اُس سے شیئر کرتا اور وہ میٹ سے سرچ کیا گیا ڈیٹا اُس سے شیئر کرتی۔ ٹمبس کے علاوہ ابھی گھر میں کسی کو اس کے اسلام قبول کرنے کا نہیں پتہ تھا البتہ وہ حیران ضرور ہوئے تھے اُسے فل ڈریسز پہننے دیکھ کے لیکن ٹمبس نے یہ کہہ کے انہیں بچ کر دیا اُس کا دل کد رہا ہے تو پہننے دیں نا اور پھر اُس کے جانے کا دن بھی آپہنچا۔ وہ ساحل سمندر پہنچا تھا اُسے ملنے وہ جنگل پہنچا پھر پانی کی لہروں کو ہول کے ساتھ مستیاں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی وہ بھی اُس کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اُس نے بھی اپنے ہاتھ جنگل پہنکادیے۔

”تم چارہ ہو؟“

”ہاں۔“ اُس کا ہاں سُن کے نجانے کیوں آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

”نہ جاؤ نا۔۔۔۔۔“ نامہ نے کہا تو اُس نے اُس کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا نیل نیلی آنکھوں سے برسات ہو رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے نیلے آسمان سے پانی برس رہا ہو۔

”آپ روتے ہوئے اتنی حسین لگتی ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔“ اُس نے آنکھوں میں شرارت لیے اُسے کہا تو وہ مسکرا دی اُسے لگا جیسے بارش میں پھول کھلے ہوں وہ ان نیلی آنکھوں میں ڈوب رہا تھا وہ بس اس لیے اُس سے ملتا رہا تھا کیوں کہ اُسے اُس کا خواب سُن کے لگا تھا کہ اللہ اُسے ہدایت دینا چاہتا ہے اور اس کے لیے اُسے منتخب کیا ہے اس لیے اُس نے اُسے اسلام کے بارے میں جتنا ہو گا گائیڈ کیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ آخری لمحے میں وہ اُس کی جمیل نیلی آنکھوں میں ڈوب جائے گا، اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔

”مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم بہتے ہوئے قیامت لگتی ہو۔“ وہ ایک لمحے میں آپ سے تم پہ آیا تو اور کھل کے ہنسی گئی۔ ”ایک مہینے تک شادی ہے میری آؤ کی میری شادی پہ“ نجانے کیوں اُس نے پوچھا تھا تو اُس نے بے یقینی سے اُسے

دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ ”بچپن سے میری کزن کے ساتھ میری بات ملے ہے ابھی وہ بھی بڑھائی میں مصروف تھی اور میں بھی کچھ مصروف تھا خود کو کنسلش کرنے میں اس لیے انکار کر رہا تھا لیکن اب بابا جان نے اس شرط پہ میکسیکو آنے کی اجازت دی تھی کہ میں شادی کے لیے مان جاؤں۔“ اُس نے وضاحت کی تو اُس کی آنکھوں سے دوبارہ برسات شروع ہو گئی۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے اللہ نے آپ کو صرف میرے لیے بنایا ہے پھر اللہ کیسے آپ کو کسی اور کو سونپ سکتے ہیں بتائیں کیسے؟“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی اُس نے اپنی نظریں پڑائیں مگر نہیں وہ اُس کی آنکھوں سے اُس کے دل کا حال نہ جان لے۔

”میرے بس میں ہوتا تو میں ابھی تمہیں اپنا بیٹا لیکن میں وعدہ خلافی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اپنے بابا جان سے کیا وعدہ نہیں توڑ سکتا۔“

☆☆☆☆

میرے خالق میں تیرے کُن کی طلب میں زندہ ہر گھڑی ایک قیامت سے مگور جاتی ہوں ٹمبس رو رہو تو جو جب پہ چلا کہ جوزفینار سکاڑو نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ دو دن گمرہ بند کے پڑا رہا اور تیسرے دن اُس نے بھی قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے لیے لیپ ٹاپ آُن کیا تھا وہ جانتا چاہتا تھا کہ آخر اس کتاب میں ہے کیا؟ اُس نے چھ دن لگا لگا قرآن کا ترجمہ پڑھا اور ساتویں دن وہ اس کتاب پہ ایمان لے آیا تھا جیسا کہ اُس نے کبھی نہ پڑھا اور اُس کی سچائی سے انکار کر سکتے۔ وہ بہت دنوں بعد جوزفینا کے کمرے میں آیا تھا۔ اُس کی آنکھیں سو جھی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں آنسو تھے وہ دوبارہ بیڈ پہ جا کے بیٹھتی تو ٹمبس نے اندازتے ہوئے بچپنی سے اُسے پکارا۔

”جوزفینا!“

”میں جوزفینا نہیں ہوں میرا نام نامہ ہے۔“ ”سوری میں بھول گیا تھا لیکن تمہیں کیا ہو ساری رات تم روتی رہی ہو؟“

”وہ پاکستان چلا گیا۔“ اُس نے چہرہ اٹھا کے اُس کی طرف دیکھ کے کہتے ہوئے کہا۔

لفظ لفظ مونی

☆ خدا کے بعد تمہارا بہترین ساتھی تمہارا اعتماد ہے۔

☆ کچھ شکست ایسی بھی ہوتی ہے جس کے دامن میں خ سے زیادہ کامیابیاں ہوتی ہیں۔

☆ بیٹے کھوں کی باتیں ان کے ساتھ بیت نہیں جاتیں بلکہ ہمارے اندر وہ زندہ رہتی ہیں۔

☆ جن کے پاس مقصد نہیں ہوتا ان کے پاس منزل بھی نہیں ہوتی۔

☆ دوست کبڑے پر لگے پیوند کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہرنگ نہ ہوں تو بہت محبوب سمجھے جاتے ہیں۔

☆ ملنے کے دو معیار ہوتے ہیں خیالات ملتے ہوں یا معیار۔

☆ جویریہ ضیاء..... ملیر کراچی

”کیا تم پاکستان جانا چاہتی ہو؟“ ٹمبس نے کہا تو وہ بولی۔ ”اُس کی اگلے مہینے شادی ہے۔“

”اگلے مہینے تک ہے نا ابھی ہوئی تو نہیں نا تو پھر تم اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس ہو رہی ہو؟ اللہ کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے بس کُن کہنے کی دیر ہے تو فیکون ہو جاتا ہے۔“ اُسے منہ کھولے اپنی طرف دیکھتا ہوا اُس نے کہا۔ ”ایسے نا دیکھو میں اللہ پہ اور اُس کی کتاب قرآن پاک پر ایمان لے آیا ہوں اور اس بات پر بھی کہ حضرت عیسیٰؑ کوئل نہیں کیا کیا تھا اللہ نے اُن کی جگہ کسی اور کی شکل اُن جیسی بنا دی تھی اور انہیں اسی طرح آسمان پہ اٹھالیا گیا تھا اور اب وہ قیامت کے قریب دنیا میں دوبارہ شریف لائیں گے۔ میں اس لیے ہی تمہارے پاس آیا تھا میں پر اپر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں اور پھر ہم دونوں پاکستان شفٹ ہو جائیں گے اس کے لیے بس مجھے چندہ دن دو اور سے بڑس واسنڈ اپ کرنے لیے اور باقی ضروری کام کے لیے اور جلیز روزنا بند کر دو ہم چندہ دن بعد پاکستان میں ہوں گے تمہارے پاس اُس کا ایڈریس تو ہے نا؟“

”ہاں! لیکن خالو اور خالہ۔۔۔۔۔“ وہ اُس کی بات کاٹ کے بولی۔

”اُن کی فکر نہ کرو میں اُن کو سنبھال لوں گا۔“ تو اُس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور نامہ نے کلمہ کے

الفاظ دہرائے اور اس کے پیچھے ٹوس نے بھی نکلے کے الفاظ ادا کیے اور ایک سچے دین کو پالنے کی خوشی میں دونوں نے مسکرا کے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆☆

ریاح، عاشر اور حامد کے ساتھ شادی کی تاریخ لینے جانے لگی تو خان کو کہا۔

”بھائی! بھائی کے لیے کوئی پیغام ہے تو بتادیں۔“

”نہیں جی مجھے کوئی پیغام نہیں پہنچا۔“

”آپ کو کیا ہوا آپ کو تو خوش ہونا چاہئے۔“ اور اُسے وہ جھیل سی نیلی آنکھیں یاد آئی تھیں۔

”اے اللہ تو جانتا ہے موت اور محبت یہ تیرے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے تو ہی دلوں میں محبتوں کا بیج بوتا ہے تو اے میرے پیارے اللہ کوئی مجزہ کر دے۔“ اُس نے سچے دل سے اللہ کو پکارا تھا۔

☆☆☆☆

اللہ سب کی سنتا ہے..... اُس نے پاکستان جانے کا سارا انتظام کر لیا تھا اس کی توقع کے مطابق اُس کے ماں باپ اور دونوں بہنوں نے بیک اپ کر دیا تھا آج میکسیکو میں اُن کی آخری رات تھی۔

”اے میرے اللہ تو نے اُسے میرے لیے نہیں بنایا اس لیے اُس کی محبت بھی میرے دل سے نکال دے جو تیری چاہت ہے اُسے میری چاہت بنادے مجھے در در بھٹکنے سے بچالے۔ مجھے ہدایت دے اے میرے اللہ جو میرے لیے نہیں ہے اُس کی خواہش بھی میرے دل سے نکال دے، میرے مالک مجھے مانگتا نہیں آتا میں مانگے عطا فرما مجھے یقین ہے تو میری دعا ضرور قبول فرمائے گا آمین۔“ وہ مسک رہا تھا اللہ سے مانگ رہا تھا اور اللہ نے اُس کی سن لی تھی بھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جب اللہ سے اس یقین کے ساتھ مانگا جائے کہ وہ ہماری دعا ضرور پوری کرے گا اور اللہ دعا قبول نہ کرے؟

☆☆☆☆

یوں اچانک میں نے تجھے پایا

جیسے تاثیرِ دعا میں آئے

آج اُس کی مہندی بھی سب گاؤں والے حویلی میں اکٹھے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی تو حامد صاحب نے فون اٹھایا۔ دوسری جانب سے نجانبے کیا کہا گیا تھا کہ ریسپورڈن کے ہاتھ سے

چھوٹ کے نیچے جا گر۔ دُخان جو کسی کام سے اندر آیا تھا اُس نے آگے بڑھ کے اُن کو تھا اور صوفے پہ بٹھایا۔

”بابا جان! آپ ٹھیک تو ہیں؟“ اُس نے پریشانی سے پوچھا۔

”افشائ اپنے کلاس فیلو جمر کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔“ اُس نے غصے سے اپنی مٹھیاں پتی تھیں اُس نے اس خاندان کی عزت مٹی میں ملا دی تھی اور اُس نے دعا کی تھی کہ اب وہ بھی اُس کے سامنے نہ آئے ورنہ وہ کچھ کر بیٹھے گا، حویلی میں یہ بات پھیل گئی تھی اور سب ہی افسردہ سے بیٹھے تھے۔

”دُخان میکسیکو سے تمہارے مہمان آئے ہیں۔“ اُس کے ہنسنے پر زاسیوسف نے برآمدے میں داخل ہو کر کہا تو سب نے ہی نظریں اٹھا کر اُس کے پیچھے آتے لڑکے اور لڑکی کو دیکھا اور دُخان نے یقینی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اُن کی طرف بڑھا اور گرم جوشی سے لڑکے کو گلے لگایا تو مادہ اُس کے کان میں بولی۔

”یہ میرا کزن اور بہترین دوست عبداللہ ہے۔“ دُخان نے اُن کا سب سے تعارف کر دیا۔

”یہ میرا دوست ہے عبداللہ اور یہ اس کی کزن مادہ ہیں۔“ عاشر اور حامد نے دونوں کو یاد دیا۔

”کسی کا برتھ ڈے ہے آج؟“ اُس نے سچے ہوئے گھر اور اتنے لوگوں کی موجودگی کو دیکھ کے اندازہ لگایا اور ریاچ سے پوچھا تو دُخان اُس کے اردو بولنے سے حیران ہوا تھا۔

”تمہارے لیے یہ اردو کسی بھی پہاڑ کو سر کر سکتی ہے۔“ عبداللہ نے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔ ریاچ کی بجائے عاشر نے اُسے مختصر سا پس یہ بتادیا کہ لڑکی نے شادی سے انکار کر دیا ہے اس لیے اب دُخان کی شادی نہیں ہو رہی تو مادہ کے چہرے پہ دھک سے رنگ کھلے تھے۔

”کیا آپ دُخان کی شادی میری کزن مادہ سے کریں گے؟“ عبداللہ نے اُسے عاشر اور حامد کی طرف دیکھ کر پوچھا اور پھر ساری بات اسلام قبول کرنے سے پاکستان شفٹ ہونے تک بتادی تو سب نے انہیں اسلام قبول کرنے کی مبارک دی اور پھر حامد نے دُخان سے پوچھا اور اُس نے فرماں بردار بیٹوں کی طرح کہا۔

”بابا جان! جیسے آپ سب کی مرضی۔“ اور پھر سب کی رضامندی سے پرپوزل قبول کر لیا گیا۔

☆☆☆☆

وہ صبح سے ماندہ سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا اور وہ بات کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا وہ اُس کی ہونے والی دہن بھی اُس سے نکاح تک پردہ کر دیا گیا تھا دوپہر کا وقت تھا سب کمرہ میں آرام کر رہے تھے اور عاشر کچھ خواتین کے ساتھ بازار گئی تھیں ماندہ کے شادی کے کپڑے اور زینور خریدنے کے لیے اس کی نظر ریاچ پہ پڑی تو اُس نے اُسے جالیا۔

”میری بلی میرا ایک کام کرو گی؟ اپنی بھابی سے ملو دو دراصل میں ایک دفعہ اُسے دیکھنا چاہتا ہوں یہ ناہوشادی کے بعد بچھتا نا پڑے۔“ اُس نے چہرے پہ مصیبت طاری کرتے ہوئے کہا اور حویلی کے چھلی طرف جا کے جاسن کے درخت سے ٹیک لگا کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

”دُخان۔“ اپنا نام پکارے جانے پہ اُس نے مسکراتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا تھا۔

”جی جان دُخان!“ اُس نے آنکھوں میں بے شمار محبت لیے کہا تو وہ ہلش ہو گئی تھی تو وہ اُس کے چہرے پہ بکھرے دھک رنگ دیکھنے لگا اور ماندہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیفیڑ کیوں ہو رہی ہے اور وہ اُسے کیفیڑ ہوتے دیکھ کے ہنسنے لگا اور اُس کی نیلی اور بزرگ چوڑیوں سے بھی کھائی تمام کے بولا۔ ”سب کچھ لے لیا تم نے اب ان قاتل اداؤں سے جان لو کی کیا؟“ اُس نے نفی میں گردن ہلاتی تھی اور کھٹکتے لہجے میں بولی۔

”میں نے کہا تھا نا اللہ نے آپ کو صرف میرے لیے بنایا ہے تو اللہ آپ کو کسی اور کو کیسے سوچ سکتے تھے؟ اللہ نے اپنی طرف لوٹنے پر مجھے آپ کی صورت میں انعام سے نوازا ہے آپ اللہ کی طرف سے میرا انعام ہیں۔“ وہ محبت سے اُسے دیکھنے لگا بے شک اللہ نے اُسے ایک پاکیزہ عورت سے نوازا تھا اُسے اُس کے گلے سے کوئی سروکار نہیں تھا اُس نے اُس کے ساتھ اپنا آج گوارا تھا اور آنے والا کل۔

”آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟“

”یاد..... تمہاری ان نیلی آنکھوں نے مجھے راتوں کو سوئے نہیں دیا اور تم یاد کی بات کر رہی ہو؟“ اُس کی آنکھوں میں نظر آتی سچائی کو دیکھتے ہوئے اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا یہ احساس ہی بہت فرحت بخش ہوتا ہے جس سے ہم محبت کرتے ہوں وہ بھی ہم سے اُس سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اُس کو یوں

اپنی طرف دیکھتا ہوا کے دُخان نے شرارت سے پوچھا تھا۔

”کیا ہے؟“

”عشق ہے صاحب۔“ وہ بھی ہلکھلائی ہنسی ہنستے ہوئے بولی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی گستاخی کرنا اپنا بازو پھروا کر بھاگی تھی۔

”بھاگ لو بھاگ لو گن گن کے بدلے لوں گا۔“ دُخان نے اُسے بھاگنے دیکھ کے کہا اور لاؤ بیڑی سے مسکرایا۔

ریاح، ماندہ کو چن کے دروازے سے حویلی کی چھلی طرف چھوڑ کے اپنے دھیان میں مگن چہرے پہ ہلکی سی مسکان لیے برآمدے سے گزرنے لگی کے اُس کا سر کسی دیوار سے ٹکرایا تھا اور پھر اُس کی دھڑکنیں سے ترتیب ہوئی تھیں تو اُس نے آہ کی آواز کے ساتھ اوپر دیکھا تو بیڑی گرین آنکھوں کو اپنی طرف دیکھتے پائے کہ وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور گزرتا ہوا ہونے بولی۔

”سوری میں بھی کد کوئی دیوار ہے۔“ اُس کی بات پہ پہلے تو وہ حیران ہوا اور پھر مطلب سمجھ کے ہنسا اور اُسے ہنسنے دیکھ کے اُسے احساس ہوا کہ اُس نے کیا بولا ہے تو منہ پہ ہاتھ رکھ کے اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف چلنے لگا تو وہ بولا۔

”دھیان سے اب نہیں سچ میں نہ دیوار سے ٹکرا جانا۔“ اُس نے شرارت سے کہا تو وہ اُس کے اس طرح دیکھنے پہ شرما کر رخ پھیر کے بھاگ گئی۔ عبداللہ کو یہ چل گیا تھا کہ اللہ کیا چاہتا ہے اور اُس نے اللہ کا فیصلہ دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔

☆☆☆☆

احمد شادی کا جھانسا دے کے افشائ کو گھر سے بھاگ کے لے گیا تھا۔ وہ صبح کو رت میں جا کے میرج کر گئیں گے لیکن اس کی نوبت نہیں آئی تھی جب اُسے احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں جگ گئیں کھیت۔ اب وہ اس حالت میں نہ تو گھر جاسکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُس کے گھر والے اُسے قتل کریں گے اس لیے اُس نے خودکشی کر لی تھی ایسی لڑکیوں کا یہی حال ہوتا ہے جو اللہ کو بھول جاتی ہیں اور اپنے ماں باپ کی عزتوں کو روند ڈالتی ہیں۔



نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں

دیا روشن کہ مدہم ہو گیا ہے

ہمیں معلوم ہے اتنا کہ ایک سال

ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

جب بھی رات کا وقت ہوتا ہے تو قوی ہیکل سینے میں ایک توانائی سی بھر جاتی ہے۔ جسم کراہتا بھی تو داغ پھر سے اس ”ایک شے“ کی جستجو میں سرگرداں ضدی بچے کی مانند سر پٹنے لگتا خالی دیواروں پر قہقہہ لگاتے سائے سڑک پر آتی جاتی ٹریفک کی روشنی کی بدولت دکھائی دیتے لیکن وہ ”ایک شے“ وہ ”ایک شے“ کہیں دکھائی نہ دیتی۔ ہوا کے تیز پھڑپھڑے درختوں کی شاخوں پر دم مرگ آخری سانس لیتے میری ہمت توڑنے لگتے لیکن میں.....؟

میں تو اس ”ایک شے“ کے ملنے کی خوشی میں صعبوتوں کو جھیلنے کا عادی ہو چکا تھا کیسے شکست تسلیم کر لیتا؟ اس ”ایک شے“ کے ملنے کی لمحہ بھر کی خوشی دن بھر کی اداسی، ملال، دکھ کو بل میں چھوڑ لیتی ہے۔

مجھے محبت کے فسوں کا کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہوتا ہے؟ دوست کبھی کوئی بنا ہی نہیں تھا تو بے اعتنائی کے کسی دُخم سے آشنا بھی نہیں تھا اپنوں نے بھی سینے سے لگایا ہی نہیں تو بیگانگی کے چرکوں اور ضرب سے بھی ناواقف ہی رہا۔ بس واقف تھا تو ”ایک شے“ سے اجنبی نہیں تھی تو بس وہ ”ایک شے“ جدائی کا کرب تھا تو بس اس ”ایک شے“ کا۔

پیدا ہوا تو ایک کبڑے بوڑھے کے ہاں..... نہیں

نہ ملتی۔ کبھی کبھی قسمت یاوری پر ہوتی تو دن میں چہار بار بھی مل جاتی لیکن مکمل نہ ملتی، ہمیشہ ٹکڑوں میں یا نصف مقدار میں، اس ایک شے کی یوں طلب رہتی کہ نہ گرم دھوپ میں گرمی چھتی نہ سرد موسم میں جسم ٹھنڈا محسوس ہوتا بس اس کا دل فریب ذائقہ، دل تو کبھی اس ایک شے سے ناراض رہ ہی نہ سکتا تھا۔ سو بس چلتا رہتا بھی آہستہ کبھی ست رفتاری سے تو کبھی چابک دستی سے دوڑنے لگتا بس اس ایک شے کی بنیاد پر محو پاتا رہا، اس بیچ کی طرح بڑھتا رہا مزید سے مزید پروان کی سیڑھیاں عبور کرتا رہا، جس کے سرے کو کھلے رہے لیکن وہ ظاہر نہ ہونے دے اور ڈھیت بنا کھڑا رہے۔ میں نے چاہا کہ اس ایک شے کا متبادل مجھے کوئی ملے لیکن.....؟ نہ ملا، نہ پتھروں میں، نہ ٹہنی میں، نہ لکڑیوں میں، نہ آگ میں اور پھر آگ تو جھلسا کر رکھ دیتی ہے ناں..... لیکن..... میں..... مجھے تو بس اس ایک شے کی خواہش تھی۔

بھوکا ہو تو کتنا بھونکتا ہے بلی کر بناک صدائیں خارج کرتی ہے لیکن میں تو بس اس ایک شے کا دھیان کیے پتیل کے سوکھے چوں کے شہر تلے ناگیں پسار کر بیٹھ جاتا آسمان کو تکتا، گویا اوپر سے وہ ایک شے میری جھولی میں آگرے گی۔ خاموشی سے پیلے پیلے چوں کو چباتا مگر پھرتے کر دیتا کہ یہ اس شے کا نعم البدل نہیں جتنا وہ شے مجھ سے گریزاں رہتی اتنا ہی میں اس کی جانب لپکتا اس ایک شے کی طلب نے مجھے عمر سے پہلے ہی کئی سال کا بوٹھا بنا دیا ہے۔ میرا دایاں ہاتھ بائیں سے نہیں ملتا۔ لڑتا جھگڑتا رہتا ہے کہ جب بمشکل پانچ برس کا تھا تو اس کبڑے کی غفلت کے باعث میری چاروں انگلیاں جدا ہو گئیں پھر جو بھی کرتا لائے ہاتھ سے ہی کرتا سیدھے کو بس سہارا دینے کے لیے مختص کر لیا۔

جس دن جس شب جس دوپہر اور جس شام وہ ایک شے مل جاتی میرے لیے وہ وقت مبارک شادی کا ہوتا،

جس دن جس شب جس دوپہر اور جس شام وہ ایک

میں اپنی ہی سوچوں میں غطال تھا کہ وہ ایک شے مجھے دکھائی دی ایک کتے کے منہ میں..... اور میں اس کے اوپر کتے کی طرح ہی جھپٹ پڑا اور وہ آدھی روٹی مجھے پورا کھا گئی..... وہ آدھی..... زہریلی روٹی.....!



حالی مسائل حاصل

حافظ شبیر احمد

نازش کنول..... سرگودھا

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74
70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ نیت یہ کریں کہ اگر یہ رشتہ میرے لیے بہتر ہے تو یہاں ہو جائے ورنہ جو بہتر ہو وہاں سے پیغام آ جائے۔
بعد نماز عشاء سورۃ فلق، سورۃ الناس ایک ایک تسبیح روزانہ۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم کریں اور نیت بھی رکھیں کہ گھر والے مخالفت کرنا چھوڑ دیں۔

مصباح شریف..... پاکپتن

جواب:- صحت کے لیے:- سورۃ الفاتحہ، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس چاروں آیات کو 7 مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد۔
رشتہ کے لیے:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

ن۔ کس..... فیصل آباد

جواب:- بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس یقین کے ساتھ مریض سرور کی گولی کھاتا ہے اس ہی یقین کے ساتھ آپ پڑھیں۔ اللہ آپ کے حال پر رحم فرمائے، آمین۔

سمیرا الیاس..... کراچی

جواب:- سر پر کنگا کرتے وقت "یاشانی" پڑھتی رہا کریں۔

س۔ مل..... منڈی بہاؤ الدین

جواب:- یا اللہ، یا رحمن، یا رحیم 111 مرتبہ

پانی پر دم کر کے پلایا کریں روزانہ۔

رشتے کے لیے استخارہ کر لیں۔

سعید عرفان..... فیصل آباد

جواب:- مسئلہ نمبر 1:- سورۃ حشر کی آخری آیات صبح و شام 7,7 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں۔ تیل پر 7 مرتبہ پڑھ کر دم کریں۔ رات کو روزانہ سر کی مالش کیا کریں۔
مسئلہ نمبر 2:- بھائی کو پانی پر 11 مرتبہ سورۃ العصر دم کر کے پلایا کریں۔

ثمینہ..... چیچہ وطنی

جواب:- شبانہ اثاثہ زدہ ہے۔ سورۃ الفلق، سورۃ الناس 21,21 مرتبہ مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد پڑھ کر دم کیا کریں۔
اولاد کے لیے آپ دونوں ہمیشہ فجر کی نماز کے بعد سورۃ آل عمران آیت نمبر 38، 111 مرتبہ پڑھا کریں۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

مسز عفت..... گولڑہ شریف

جواب:- ہر بل دوائیاں استعمال کریں۔
بعد نماز فجر سورۃ آل عمران آیت نمبر 38، 121 مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف روزانہ۔ دعا بھی کریں۔

زادہ شیخ..... گجرات

جواب:- مسئلہ 1,2 سورۃ العصر 41 مرتبہ روزانہ پانی پر دم کر کے پلایا کریں۔ اول و آخر 3,3 مرتبہ درود شریف۔

مسئلہ نمبر 3:- سورۃ القدر 111 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ بعد نماز عشاء۔ بھائی خود پڑھائے کام کے لیے۔

شہناز کنول..... ملیر، کراچی

جواب:- جادو ہے۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 1,1 تسبیح بعد نماز عشاء۔ اول و آخر 11,11

مرتبہ درود شریف۔ نیت جو عمل ہے وہ ختم ہو جائے۔

(مدت 3 ماہ تک) صدقہ بھی دیں ہر ماہ۔

سورۃ العصر 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پچوں اور شوہر کو پلایا کریں روزانہ۔

ظل ہما..... لیہ

جواب:- ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ آیتہ الکرسی، 3,3 مرتبہ سورۃ الفلق، سورۃ الناس اول و آخر ایک ایک مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔
تیل پر 3 مرتبہ سورۃ عبس دم کریں روزانہ رات کو سر پر لگایا کریں۔

فاتزہ سومرو..... سکھر

جواب:- والدہ صدقہ دیں۔ سورۃ قمر صبح و شام ایک ایک تسبیح کیا کریں۔
رشتوں کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

زیب النساء..... چکوال

جواب:- روزانہ ایک مرتبہ سورۃ مزمل پانی پر دم کر کے پلایا کریں۔
ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ سورۃ قمریش پڑھا کریں۔ کام ٹھیک ہو جائے گا۔

سمیمہ پروین..... کراچی

جواب:- وظیفہ جاری رکھیں۔
مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس 11,11 مرتبہ۔

رکاوت/بندش کا تصور رکھ کر پڑھیں کہ ختم ہو جائے۔

صدقہ بھی دیں۔

عائشہ خان..... شور کوٹ

جواب:- نوکری کے لیے سورۃ قمریش 111 مرتبہ۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔

آپ کی بہن جلد اور اچھا رشتہ آنے کے لیے پڑھیں۔ آپ دونوں اس نیت سے پڑھیں کہ جہاں بہتر ہو ہو جائے۔



http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کی صورت ذمہ داری نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن

برائے فروری ۲۰۱۶ء

گھر کا مکمل پتا

والدہ کا نام

نام

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں

میں

میمونہ رومان

اقصی زرگزینا زرگر..... جوڑہ

تم سے محبت تیری اوقات سے زیادہ کی تھی
اب بات نفرت کی ہے سوچ تیرا کیا ہوگا!!

کنول چوہدری..... شاد پوال گجرات

منزلوں پہ پہنچنا ہے تو کانٹوں سے نہ گھبراتا
کانٹے ہی تو بڑھادیے ہیں رفتار قدموں کی

مشاعلی مسکان..... قمر مشانی

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
یہ الزام بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

نیلیم شہزادی..... کوٹ مومن

بہت اندر تک جلا دیتی ہیں
وہ شکایتیں جو کبھی بیان نہیں ہوتیں

حمیرا لوٹین..... منڈی بہاؤ الدین

تم کسی راستے سے آجانا
میرے چاروں طرف محبت ہے

طیبہ سعدیہ..... سیالکوٹ

فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری تحقیر ہوتی ہے وہی
میں مجھ کو ملائک ہوں مجھے انسان رہنے دو

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

جانے کب مجھ کو بھی آجائے بلاوا آذر
جانے کب میں بھی چلا جاؤں جہاں سے چپ چاپ

خوشی..... برنالی

جو آتا ہے خوشی کی انتہا پر
بہت روئے اس ایک آنسو کی خاطر

نگین افضل ڈرائیج..... گجرات

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
شائستہ جٹ..... چیچھوٹنی

یوں ہی سمجھ لو کہ ہارمان لی تم سے اے عشق
دل تو مردہ کر دیا اور اسی سے جنگ کا مزہ آتا ہے

دھنک عرفان..... عارف والا

خود کو میں بانٹ نہ ڈالوں کہیں دامن دامن
کر دیا تو نے گر میرے حوالے مجھ کو

مجھ سے تو پوچھنے آیا ہے وفا کے معنی
یہ تیری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو

ایم فاطمہ سیال..... محمود پور

تو میرا ہے تیرا نام کوئی اور نہ لے
ان بیگنی آنکھوں کا جام کوئی اور نہ لے

کچھ اس لیے بھی میں نے تیرا ہاتھ نہ چھوڑا
تو گر گیا تو تجھے تمام کوئی اور نہ لے

فیاض اسحاق..... سلووالی

پرانے رابلوں کو پھر نئے وعدوں کی تکمیل ہے
ذرا اک بار تو کہنا کہ جنت مر نہیں سکتی

اگر ہم حسرتوں کی قبر میں دفن ہو جائیں
تو یہ کتبوں پہ لکھ دینا کہ محبت مر نہیں سکتی

مبشری خان..... منڈی بہاؤ الدین

ٹوٹ کر بھی یہ سینے میں دھڑکتا رہتا ہے بے وفا
ہم نے اس دنیا میں دل جیسا کوئی وفا دار نہیں دیکھا

فریح شہیر..... شاہ کڈر

اداسی جس کے دل میں ہو اسی کی نیند اڑتی ہے
کسی کو اپنی آنکھوں سے کوئی پہنا نہیں دیتا

اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ٹوٹا بدن اپنا
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کندھا نہیں دیتا

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
خیلے میں رہی ہوئی بند کتابوں کی طرح

وہیہ زمرہ..... سمندری

پکارو اس رب کو جو عرش عظیم ہے

مت پکارو اس کو جو خود زیرے زمین ہے
کیوں مانگتے ہو غیروں کے دربار سے

وہ کونسا کام ہے جو ہوتا نہیں پروردگار سے
ارم وژانج..... گجرات

اس کی یادوں سے فح لکھوں کوئی ترکیب بتاؤ مجھے
میری جانب سے ہر راستہ اس کی جانب نکلتا ہے

ندامسکان جٹ..... جنوبی

نہ کر محبت محبت تیرے بس کی بات نہیں
جو دل کرے محبت وہ دل تیرے پاس نہیں

تم تو کہتی ہو کہ میں وفادار ہوں
لیکن میں کہتی ہوں بے وفائی بھی تیرے پاس نہیں

اسما نور عشاء..... بھونچ پور

نہ تخت و تاج کی ہے آرزو
نہ بزم شاہ کی ہے جستجو

جو نظر سے دل کو بول سکے
مجھے اس نگاہ کی تلاش ہے

کوثر خالدہ..... جزائوالہ

خالد کہو آقا سے کوثر کے پاس جانا
میری خوشی کا کوئی ہوگا نہیں ٹھکانہ

آئیں گے جب محمد مصطفیٰؐ خوابوں میں مسکرا کر
میں لوٹ لوں گی محفل نفیس سنا سنا کر

طیبہ نذیر..... شاد پوال گجرات

اے زندگی مجھے کچھ مسکرائیں ادھار دے دے
اپنے آ رہے ہیں ملنے کی رسم نبھانی ہے

انا احب..... گجرات

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سنوں
کہ تو نے بھی غم دنیا سے مار مانی ہے

زین پہ رہ کر ستارے شکار کرتے ہیں
مزاج اہل محبت کا آسانی ہے

لاریب انشال..... اوکاڑہ

محبت کی عجب مثال دی اس نے
اداس رہنے کی عادت سی ڈال دی اس نے

جب دیکھ چکا میرے روح و بدن پر اپنے زخموں کا نشان
پھر بھی جان بوجھ کر کانٹوں بھری شال دی اس نے

نورین انجم عوان..... کوری گراچی

براہوں بھلا ہوں تیرا ہی بندہ ہوں یارب!
پیدا ہوتے ہی کلہ سنا تھا مرتے وقت بھی نصیب کرنا

حمیرا قریشی..... لاہور

طلب مجھ سے نہ کر چھاؤں کی اے منزل مغفوم
تپتے ہوئے صحرا میں بے سائبان ہجر ہوں

جانبہ عباسی..... مری

سنا ہے بہت سستا ہے خون وہاں کا
اک بستی جسے لوگ پاکستان کہتے ہیں

دعا ہاشمی..... فیصل آباد

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہاں میں تیری بلا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حلیف کہ ایماں گیا عبث

طیبہ سعدیہ عطاریہ..... کٹھیالہ

نہیں مجھ میں اتنی طاقت کہ
شہر مدینہ جاؤں یارب

آج کوئی ایسی نیند سلا دے کہ
تیرے محبوب کے روضے کا دیدار ہو جائے

نورین مسکان..... سیالکوٹ

محبت چھوڑ دینے پر دلوں کو توڑ دینے پر
عجب دستور ہے صاحب کوئی فتویٰ نہیں لگتا

بیازدیل@aanhal.com.pk

277

آنچل * جنوری * ۲۰۱۶ء

دش مقابلہ

طلعت آغاز

”مچلی کے کٹس“

اشیاء:-	رہو مچلی
بکٹ یا ڈبل روٹی کا چورا	ایک کلو
سرکہ	دو کھانے کے چمچ
گرم مسالہ	آدھی پیالی
انڈے	ایک کھانے کا چمچ
کوکنگ آئل	دو عدد
	حسب ضرورت

ترکیب:-
مچلی کو بال کر اس کے چھلکے اور کانٹے وغیرہ نکال دیں
خوب صاف کرنے کے بعد پانچ منٹ پانی میں رہنے دیں
اب گرم مسالہ نمک ہلدی بکٹ کا چورا اور سرکہ ملا کر مچلی
میں ملا دیں اور اس کے کٹس بنالیں کٹس انڈے میں ڈبو کر
کوکنگ آئل میں تیل لیں۔

(نوٹ: اقبال..... گاؤں بدرمرجان)
”میوے کی مٹھی پوریاں“

اشیاء:-	میوہ
سواکلو	مچی
ایک کلو	پستہ
آدھ پاؤ	بادام
آدھ پاؤ	بھجور
آدھ پاؤ	مصری
ڈیڑھ پاؤ	عرق اورک
دو ٹولے	الاچی
ایک ماشہ	لونگ
ایک ماشہ	نمک
حسب ضرورت	

پاؤ بھر میدہ آدھ چھٹا تک گھی میں شامل کر کے پانی
سے گوندھ لیں اور نکلیں بنا کر تیل لیں اس کے بعد تلی ہوئی
نکلیں کو خوب مل کر پیا ہوا مصالحہ اور باریک کتر ہوا میدہ اور
عرق اورک مصری شامل کر کے رکھ دیں باقی میدے میں
ایک ٹولہ نمک اور آدھ پاؤ گھی ملا کر گوندھ لیں اور پوریاں
بنا کر میدہ اور مسالہ لگا کر تیل لیں۔

(طلعت نظامی..... کراچی)

شانی ملانی کباب

اشیاء:-	قیمہ (گائے یا بکری کا)
سلاکس	آدھا کلو
دودھ	چھ عدد
پیاز	ایک کپ
ہری مرچ	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہرا دھنیا	چار عدد
بالائی یا فریش کریم	ایک مٹھی
پودینہ	دو کھانے کے چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	آدھی مٹھی
انڈا	آدھا کھانے کا چمچ
گرم مسالہ (پسا ہوا)	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	حسب ضرورت
	آدھا کپ

ترکیب:-
سب سے پہلے سلاکس کو دودھ میں بھگو دیں۔ پھر ایک
بڑے برتن میں قیمہ اور دوسرے اجزاء پیاز ہری مرچ
سرخ مرچ ہرا دھنیا بالائی پودینہ انڈا مسالہ اور نمک کو
اچھی طرح ڈال کر کس کر لیں۔ پھینکے ہوئے توں نکال کر
اچھی طرح دبا دیا کر دودھ نکال دیں اور قیمہ میں ملا کر
گوندھ لیں۔ تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں۔ اب ایک
کڑاہی میں تیل گرم کریں اور ہلکی آچ میں کباب بنا کر
تیل لیں۔ جب کباب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال
کر کسی اخبار پر رکھ دیں تاکہ چکنائی جذب ہو جائے

مزید ارشانی ملانی کباب تیار ہیں۔ انہیں گرم گرم روٹی
نان کے ساتھ پیش کریں۔

(نہرت جبین ضیاء..... کراچی)

بکمرے کے پائے

اجزاء:-	ہرا دھنیا (ایک مٹھی)
دہی	کٹا ہوا
چھوٹی پیاز	ایک پیالی
لیموں کا رس	دو عدد
ہری مرچ چار عدد	تین چائے کے چمچ
ہلدی	باریک کٹی ہوئی
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
زیرہ (بھنا پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
اورک بسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
تیل	حسب ضرورت
اورک (باریک کٹی ہوئی)	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

پائے چھونے کے لیے
آٹا یا آٹے کی بھوسی
پائے گلانے کے لیے

ثابت بسن	دو عدد
پانی	چار سے پانچ گلاس
سوف	ایک چائے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:-
بکمرے کے پائے چھونے کے لیے بغیر ان پر آٹا یا آٹے کی
بھوسی لگا کر آدھے چھونے کے لیے چھلنی میں رکھیں۔ پھر گرم
پانی سے چھولیں۔ اب دھلے ہوئے پائے ایک ڈبھی میں
چار سے پانچ گلاس پانی، سوف، ثابت دھنیا، ثابت بسن اور

نمک کے ساتھ پکھن دیں۔ جب دھل جائیں تو بڑی ہڈیاں
نکالیں اور چھلنی چھان لیں۔ ایک ڈبھی میں تیل گرم کر کے
اس میں چھوٹی پیاز گولڈن براؤن کر کے نکالیں اور شور پھینچا
دیں، تاکہ وہ دھت ہو جائے۔ پھر خستہ پیاز کو ہاتھ سے چل کر
دہی میں ملا لیں۔ ساتھ ہی ہلدی، اورک بسن کا پیسٹ،
دھنیا، بھنا اور پسا زیرہ اور پسی لال مرچ شامل کر کے واپس
ڈبھی میں ڈالیں اور ہلکا سا بھون کر پائے ڈال دیں۔ اب
انہیں پانچ سے آٹھ منٹ بھون کر چھاننی ہوئی چھلنی اور پھر پسا
گرم مصالحہ شامل کر کے ہلکی آچ پر پکائیں۔ جب چکنائی
اوپر آ جائے تو دوبارہ گرم مصالحہ، لیموں کا رس، باریک کٹی ہری
مرچ، باریک کٹا ہرا دھنیا اور اورک ڈال کر دم پر رکھیں۔ آخر
میں گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

(ہالہ سلیم..... اورنگی کراچی)
نیر شا شک

اجزاء:-	چاول
200 گرام	کاج چیر
200 گرام	شملہ مرچ (چوکور ٹکڑے)
100 گرام	ٹماٹر (چوکور ٹکڑے)
100 گرام	پیاز (باریک کٹی ہوئی)
100 گرام	لیموں کا عرق
ایک چائے کا چمچ	سرخ مرچ
1/2 چائے کا چمچ	نمک
حسب ذائقہ	تیل
ایک چائے کا چمچ	کری پاؤڈر
1/2 چمچ	کالی مرچ
1/4 چمچ	دہی
100 گرام	کوئلہ
ایک چھوٹا ٹکڑا	

ترکیب:-
چاول کو بال کر چھان لیں۔ اب ایک برتن میں
لیموں کا عرق، نمک اور سرخ مرچ مٹس کر لیں۔ اب تمام
سبز یوں کو اس میں ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ دہی میں کری

پاؤڈر اور کالی مرچ ملائیں۔ تیل گرم کر کے یہ دہی اس میں
دس منٹ تک پکا لیں پھر بنزیوں کو اس میں شامل کر کے
پکائیں۔ یہاں تک کہ دہی کا پانی بنزیوں میں جذب ہو
جائے۔ اب اس کو کھلے سے دم دے کر آدھے گھنٹے کے
لیے رکھ دیں۔ اب بنزیوں کو 180 سینٹی گریڈ اون میں دم
دیں۔ یہاں تک کہ وہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔ اب ایک
ڈش میں چاول کو درمیان میں رکھیں۔ اس کے اوپر سے تیار
کیا گیا دہی کا آمیزہ ڈالیں اور سائیڈ میں شملہ مرچ اور نمائ
سجا کر پیش کریں۔

(جویریہ ضیاء..... بلیر کراچی)

تھائی چکن قیمہ

اجزاء۔

مرچی کا قیمہ	500 گرام
کھنے ہوئے لسی کے پتے	2 کھانے کے چمچے
کٹی ہوئی کالی مرچیں	1 کھانے کا چمچ
لال ٹماٹر مرچ	6 سے 8 عدد
لہسن کے جوے	5 سے 6 عدد
فٹ سوس	2 کھانے کے چمچے
چینی	1 کھانے کا چمچ
تیل	4 کھانے کے چمچے
کٹی ہوئی ہری مرچیں	2 سے 3 عدد

ترکیب:-

ثابت مرچ اور لہسن کے دو سے تین جوے ملا کر پیس
لیں۔ زیادہ پانی شامل نہ کریں۔ فرائی پین میں تیل گرم
کریں اور لسی ہوئی چٹنی ڈال کر چھی آج پرتیں جب پانی
خشک ہونے لگے تو قیمہ ڈال کر بھونیں باقی بچا ہوا لہسن بھی
کاٹ کر ملائیں اور ڈھکن رکھ کر پانچ سے سات منٹ تک
بہت ہلکی آگ پر پکے دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو فٹ
سوس ہلکی کے پتے اور چینی ملا کر صرف ایک منٹ پکانے
کے بعد اتار لیں۔ اب لے ہوئے چاولوں یا بریڈ کے ساتھ کسی کو
پیش کرنے کی ضرورت نہیں خود کھا لیں اور میرے لیے
بارسل کریں۔

(رخسانہ اقبال..... خوشاب)

چائیز فرائیڈ راس و وپراؤن

اجزاء:-

چاول	ڈیڑھ کپ
(صاف کر کے پانی میں بھگو دیں)	
سفید مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
سرکہ	چوتھائی کپ
لال شملہ مرچ	ایک عدد
(بج نکال کر چھوٹے کیوبز کاٹ لیں)	
ہری مرچیں (چوپ کر لیں)	دو عدد
جھینگے	150 گرام
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
مٹر (بال لیں)	چوتھائی کپ
چکن کیوب	ایک عدد
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب:-

جھینگوں کو دھو کر صاف کر لیں۔ اس پر نمک سفید مرچ
پاؤڈر اور ہلدی پاؤڈر چھڑک کر پانچ منٹ کے لیے چھلنی
میں رکھ دیں اس کے بعد دوبارہ دھو کر خشک کر کے ایک
پیالے میں ڈالیں۔ اس میں سرکہ نمک اور سفید مرچ پاؤڈر
چھڑک کر مزید بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ نمک ملے پانی
میں چاول ڈال کر ایک مرتبہ بال لیں۔ چکن کیوبز ڈالیں اور
چاولوں کو ایک کٹی رہ جانے تک پکائیں۔ اس کے بعد نمائ
کر چاولوں کو الگ رکھ لیں۔ ایک پتلی میں تیل گرم کریں۔
اس میں ہری مرچیں اور لہسن پیسٹ ڈال کر پانچ چلائیں۔
جھینگوں کو سرکہ کے کچھرے سے نکال کر اس میں ڈالیں اور
گولڈن ہونے تک فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں
اب لے ہوئے مٹر لال شملہ مرچ اور ہری شملہ مرچ ڈال کر دو
منٹ تک فرائی کریں۔ چاول ڈال کر پانچ چلائیں اور ہلکی آگ
پر 15-20 منٹ دم پر رکھ دیں۔ مزے دار چائیز فرائیڈ راس

و وپراؤن تیار ہیں۔ گرما گرم سرو کریں۔

(سدرہ شاہین..... حیدرآباد)

تھائی فرائیڈ راس و وٹکرفٹ

ضروری اشیاء چاولوں کے لیے:-

چاول (بال لیں)	آدھا کلو
مرچی کا گوشت (بون لیں)	250 گرام
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
پیاز (سلاں کاٹ لیں)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
چائیز نمک	ایک چائے کا چمچ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ضروری اشیاء ٹکرفٹ کے لیے:-	
مچھلی	آدھا کلو
(صاف کر کے دھو کر خشک کر لیں)	
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
زیرہ ثابت دھنیا (بھون کر	آدھا آدھا چائے کا چمچ
کوٹ لیں)	

آدھا چائے کا چمچ	آدھا چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ	ایک چائے کا چمچ
دو کھانے کے چمچ	آدھا چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ	پانچ کھانے کے چمچ
پانچ عدد	دو عدد
حسب ضرورت	

ترکیب:-

مرچی کے گوشت کو لمبائی میں کاٹ لیں۔ تیل گرم کریں
اور اس میں گوشت ڈال کر فرائی کر لیں اور نکال کر پلیٹ میں

رکھ لیں۔ باقی تیل گرم کر کے اس میں پیاز فرائی کریں اور
آدھی پیاز نکال لیں۔ باقی بچی ہوئی پیاز میں لہسن پیسٹ
ڈال کر ہلکا سا بھونیں اس میں چاول ڈال دیں۔ چائیز نمک
سیاہ مرچ پاؤڈر نمک لال مرچ ہری پیاز ڈال کر پانچ چلائیں۔
انڈوں میں نمک سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر پھینٹیں۔ فرائنگ
پین میں تیل ڈال کر فرائی کر لیں اور کھلے کر لیں۔ فرائی کیے
ہوئے چاولوں میں تیار کیا ہوا آلیٹ اور فرائی کیا ہوا گوشت
ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور ایک باؤل میں نکال لیں۔
مچھلی کے لمبائی میں آدھا انچ چوڑے کھڑے کاٹ
لیں۔ نمک لال مرچ کٹا ہوا زیرہ اور حاجت دھنیا ہلدی
پاؤڈر اور جان لیوے کارڈن سوپا سوس گرم مصالحا لال پاؤڈر اور
سیاہ مرچ پاؤڈر مکس کر کے مچھلی پر لگا دیں۔ آدھا گھنٹے کے
لیے رکھ دیں۔ تیل گرم کریں اور مچھلی کے ہر ٹکڑے پر کارڈن
فلور لگا کر انڈے میں ڈپ کر کے فرائی کر لیں اور ٹشو پیپر پر
رکھ کر چکنائی جذب کر لیں۔ ٹکرفٹ تیار ہے۔ سرکہ وٹکرفٹ
میں تیار تھائی فرائیڈ راس نکال اس پر تیار کی ہوئی ٹکرفٹ
رکھیں مزے دار تھائی فرائیڈ راس و وٹکرفٹ کو سلاد اور چلی
گارلک سوس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

(ضوباریہ..... پشین)

اچاری پراسے

اشیاء:	ایک کپ
میدہ	ایک کپ
آٹا	ایک ٹمبل اسپون (حسب ضرورت)
اچار کا سالہ	ایک ٹمبل اسپون
سوکھی میتھی	ہاف ٹی اسپون
اجینہ وٹو	تھوڑا سا
نمک	دو ٹمبل اسپون
کھی	فرائی کے لئے کھی

ترکیب:

میدہ اور آٹا باہم مکس کر لیں۔ اس میں تمام مصالحے